افکار و تصوراتِ حکیم الامّت

(جلد اول)

شاعرِ مشرق، حکیم الامت، سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

(سوانح حیات، افکار و تصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی مستند اور جامع تحقیقی کتاب)

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات و روحی علوم)

سابق پرنسپل چشتیہ کالج فیصل آباد؛ نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل

نورِ ذات پبلشرز، لاہور

(شعبہ نشر و اشاعت: بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل)

افکار و تصوراتِ حکیم الامّت

(جلد اول)

شاعرِ مشرق، حکیم الامت، سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

(سوانح حیات، افکار و تصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی مستند اور جامع تحقیقی کتاب)

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات و روحی علوم)

سابق پرنسپل چشتیہ کالج فیصل آباد؛ نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل

نورِ ذات پبلشرز، لاہور

(شعبہ نشر و اشاعت: بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل)

افکار وتصوراتِ حکیم الامت

(جلد اول)

شاعرِ مشرق، حکیم الامت، سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

(سوانح حیات، افکار وتصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی مستند اور جامع تحقیقی کتاب)

تحقیق وتصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)

سابق پرنسپل چشتیہ کالج فیصل آباد؛ نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، پاکستان

نورِ ذات پبلشرز، لاہور

Mobile & Whats App: 0321-6672557 Email: Anjum560@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جملہ حقوق بحق مصنف کتاب محفوظ ہیں

نام کتاب:۔ افکار وتصوراتِ حکیم الامت (جلد اول)

مصنف:۔ ڈاکٹر محمود علی انجم

(سابق پرنسپل چشتیہ کالج فیصل آباد، نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل؛ صدر بزمِ فکرِ اقبال، لاہور)

نظر ثانی:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد قمر اقبال

کمپوزنگ:۔ محمد آصف مغل

طابع:۔ نورِ ذات پبلشرز (شعبہ نشر واشاعت: بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل)

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0323-6672557 / 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

سنِ اشاعت:۔ ۲۰۲۲ء

تعداد:۔ ۵۰۰

قیمت:۔ ۱۶۰۰ روپے

ملنے کا پتہ:۔ ورلڈ ویو پبلشرز، دکان نمبر 11، الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔0333-3585426 لینڈ لائن: 042-37236426

ای میل:۔ worldviewforum786@gmail.com

راقم الحروف نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ حتی المقدور تحقیقی وتنقیدی شعور سے کام لیتے ہوئے 'موضوعِ تحقیق' سے انصاف کیا جائے اور حقائق تک رسائی حاصل کر کے انھیں سند وحوالہ جات کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لا کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ تاہم، ہر انسانی کوشش کی طرح علمی وادبی کاموں میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان رہتا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ انھیں اس کتاب میں کسی مقام پر کوئی کمی بیشی وغلطی نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں ان کی قیمتی آرا سے استفادہ کیا جا سکے۔ **واللہ الموفق و ھو الھادی الی سواء السبیل۔ اللھم تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔**

کتاب دوستی

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے زندگی کا مقصد اور اسے گزارنے کا طریقہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے بہترین مخلوق کا رُوپ عطا کرنے والے احد و واحد رب تعالیٰ نے انبیا و رُسل پر آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے اور انھیں بطور معلم انسانوں کو تعلیم دینے اور ان کی تربیت کرنے کا فریضہ سرانجام دینے کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ کتاب ہر ایک معلم و متعلم کی بنیادی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان تاحیات معلم اور متعلم کے طور پر زندگی بسر کرتا اور ہر وقت اپنی اور دوسروں کی اصلاح اور فلاح کے لیے مصروف بہ عمل رہتا ہے۔ حیات بخش اور حیات افروز علم و ادب پر مشتمل کتابیں ہر فرد کی ضرورت ہیں۔ ایسی تحقیقی، مستند کتابیں جو منشائے الٰہی کے مطابق دنیوی اور اُخروی فوز و فلاح کے حصول میں ممد و معاون ہو، ان کا مطالعہ اور ان سے ملنے والی تعلیمات پر عمل کرنا از حد ضروری ہے۔

اپنے بارے میں، اپنے خالق و مالک کے بارے میں، اس کائنات کے بارے میں، اپنے محبوب حکما، علما، صوفیہ، ادبا اور شعرا کی نگارشات سے استفادہ کرنے کے لیے مطالعہ کی عادت اپنائیں۔

یہ کتاب اسی جذبے کے تحت آپ کو پڑھنے کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اسے خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیں۔

سُرورِ علم ہے کیفِ شراب سے بہتر کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

محترمی و مکرمی! _____

_____

افکار وتصوراتِ حکیم الامت

(جلد اول)

شاعرِ مشرق، حکیم الامت، سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

(سوانح حیات، افکار و تصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی مستند اور جامع تحقیقی کتاب)

ازطرف:۔ _____

تاریخ:۔ _____ دن:۔ _____

پیش لفظ

علامہ اقبال روزانہ صبح نہایت ذوق وشوق اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے۔ان کے والد شیخ نور محمد درویش منش انسان تھے۔وہ روزانہ اقبال کو تلاوت کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ایک دن انہوں نے اقبال کو قرآن حکیم کے ساتھ قلبی ربط اور تعلق قائم کرنے کا طریقہ بتایا کہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے وقت یہ سمجھو کہ یہ اس وقت تم پر نازل ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ تم سے ہم کلام ہے۔ان کی اس نصیحت کا علامہ اقبال پر گہرا اثر ہوا۔وہ تاحیات اسی طرح قرآن حکیم کی تلاوت کرتے رہے۔اس کے نتیجے میں ان کا اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوتا رہا۔اس رابطے کے احساس کی وجہ سے اکثر ان پر شدید رقت طاری ہو جاتی تھی۔ان کے آنسوؤں سے قرآن حکیم کے اوراق تر ہو جاتے تھے۔اس طرح قرآن حکیم سے قلبی وروحانی نسبت قائم ہونے سے ان کے فکر کو بہت زیادہ وسعت حاصل ہوئی۔

علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اور استاد سید میر حسن نے بچپن میں ہی ان کے دل میں عشقِ رسول ﷺ کی شمع روشن کر دی تھی۔ روایت ہے کہ علامہ اقبال روزانہ دس ہزار مرتبہ درود پاک پڑھا کرتے تھے۔انہوں نے گن کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک کروڑ درود شریف پیش کیا۔درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وحکمت کی نعمت سے نوازا۔

علامہ اقبال مولانا رومی کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔انہوں نے مولانا رومی کی مثنوی معنوی کا زندگی بھر مطالعہ جاری رکھا۔مولانا نے مثنوی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق سوچ اور عمل درست کرنے کی تعلیم دی۔انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق کو مضبوط کرنے کی راہ دکھائی۔علامہ اقبال نے ان کی سوچ کو اپنایا اور اُن کے طریقے کے مطابق ہی قرآن حکیم کی تعلیمات سے اپنی شاعری کو مزین کیا۔ انہیں مولانا رومی کی تعلیمات سے اس قدر فائدہ ہوا کہ انہوں نے مولانا رومی کو اپنا مرشدِ معنوی تسلیم کر لیا۔مرشدِ رومی کے فیضان کی بدولت ان کی صلاحیتیں کو معراج حاصل ہو گیا۔انہوں نے قرآن حکیم، عشقِ نبوی ﷺ اور مرشدِ رومی کی بدولت حاصل ہونے والی اسی بصیرت کی مدد سے امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب کی نشاندہی کی اور ان خرابیوں کو دور کرنے کا حل تجویز کیا۔اسی وجہ سے انہیں ''حکیم الامت'' کا خطاب دیا گیا۔

آپ کے پیشِ نظر یہ کتاب حکیم الامت کی سوانح عمری، افکار وتصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی ہے۔راقم الحروف نے اصولِ تحقیق پیشِ نظر رکھتے ہوئے سند اور حوالہ جات کے ساتھ یہ کتاب لکھنے کی کوشش کی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ یہ کتاب اردو زبان وادب میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ کتاب کی بہتری کے لیے اپنے قیمتی خیالات سے ضرور آگاہ کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کتاب میں مزید بہتری لائی جا سکے۔

طالبِ دعا
ڈاکٹر محمود علی انجم

ایک مفید کتاب

ڈاکٹر محمود علی انجم نے پچھلے تین چار سالوں میں پے در پے زبردست علمی اور تحقیقی کتب تصنیف کر کے قرآنیات، روحانیات، نفسیات، تصوف اور اقبالیات کے سنجیدہ حلقوں میں ایک انتہائی معتبر اور مقتدر مقام حاصل کر لیا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم وحکمت کا خزانہ، اعلیٰ معیاری تحقیق کا نمونہ اور ان کی وسعتِ مطالعہ، ذوق وشوق، نظر کی گہرائی اور جہدِ مسلسل پر دال ہے۔ ''پیامِ مشرق کی اردو شروح وتراجم کا جائزہ''، ''اقبال کی انگریزی نثر میں قرآنی آیات کے تراجم (جلد اول)''، ''اقبال کی انگریزی نثر میں قرآنی آیات کے تراجم (جلد دوم)''، اقبال کے پہلے خطبے کا ترجمہ ''علم اور مذہبی تجربہ''، ''ریاضِ اقبال''، ''تعدادِ آیاتِ قرآنی''، ''نورِ عرفان (جلد اول ودوم)'' اور ''نورِ عرفان (جلد سوم)'' جیسی بلند پایہ تحقیقی کتب ہمارے اقبالیاتی وغیر اقبالیاتی ادب میں گراں قدر اور مثالی اضافہ ہیں۔

اب ڈاکٹر محمود علی انجم، خاص اقبالیات کے طلبہ وطالبات کے لیے، علامہ اقبال کے افکار وتصورات کی تفہیم وتوضیح پر مبنی، اپنی نئی کتاب "افکار وتصوراتِ حکیم الامت" پیش کر رہے ہیں۔ میں نے اس کتاب کا مسودہ بنظرِ غائر دیکھا اور اسے محمود علی انجم کی دیگر کتب کی طرح انتہائی مفید پایا ہے۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں اقبالیات کے طلباء کی تعلیمی اور امتحانی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے، جہاں انتہائی آسان اور رواں دواں انداز میں حیاتِ اقبال اور افکارِ اقبال پر روشنی ڈالی گئی ہے وہاں تحقیقی حوالوں کے اندراج کا بھی باقاعدہ التزام برتا گیا ہے۔ اس طرح فکرِ اقبال کے کسی بھی موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری، اس موضوع سے متعلق دیگر کئی مآخذوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ ہر موضوع پر اتنا کثیر مواد، مستند حوالوں کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اقبالیات کے طلباء اور دیگر شائقین کو اس کتاب میں حیاتِ اقبال اور افکار وتصوراتِ اقبال کے حوالے سے اتنا کچھ مل جائے گا کہ وہ بہت سی کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ اقبالیات کے طلباء لیے یہ کتاب کسی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

میں، بی ایس اقبالیات، ایم ایس (ایم فل) اقبالیات اور پی ایچ ڈی اقبالیات کے طلباء وطالبات کے لئے بالخصوص اور حیات وفکرِ اقبال سے حقیقی آشنائی حاصل کرنے کے خواہشمند شائقین کے مطالعے کے لئے بالعموم، پورے اعتماد اور یقین سے، یہ کتاب تجویز کرتا ہوں۔ میں وطنِ عزیز کے یونیورسٹی اساتذہ سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ اپنے طلباء کو اس معیاری اقبالیاتی کتاب کے مطالعے کی جانب ضرور راغب کریں۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ اقبالیاتی حلقے اس کتاب کو انتہائی مفید پائیں گے۔ مطالعہ شرط ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد قمر اقبال
مرکزی صدر بزم فکرِ اقبال، انٹرنیشنل

اظہارِ تشکر

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر بجالاؤo

زیرِ نظر کتاب ''افکار وتصوراتِ حکیم الامت'' (جلد اول) کی تصنیف وتالیف کی سعادت حاصل ہونے پر میں ربِ قدیر اور اپنے آقا ومولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے حد وانتہا شکر گزار ہوں۔ میں اپنے روحانی، علمی وادبی محسنین اور کرم فرماؤں خصوصاً سلطان الفقر اقبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، پیر ومرشد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، اپنے نہایت واجب الاحترام والد محترم حاجی محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ محترمہ کا شکر گزار ہوں جن کی تعلیمات، دعاؤں، توجہ اور شفقت کی بدولت اس کارِ سعادت کی توفیق عطا ہوئی۔ میرے کرم فرما اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور (پی ایچ ڈی اردو)، پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال (پی ایچ ڈی اقبالیات) اور پروفیسر ڈاکٹر مظفر علی کاشمیری (پی ایچ ڈی اقبالیات) کی مدد، رہنمائی اور دعاؤں کی بدولت مجھے یہ کارِ خیر سرانجام دینے کی توفیق حاصل ہوئی۔ میری بیوی (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، بہو (فائزہ حامد) اور بیٹوں (حامد علی انجم اور احمد علی انجم) نے میرے حصہ کی ذمہ داریاں سرانجام دے کر، ہر طرح سے میری ضروریات کا خیال رکھ کر مجھے ذہنی وقلبی فراغت کے لمحات حاصل کرنے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اس علمی، ادبی وروحانی کاوش کو ان سے منسوب کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعا گو ہوں۔

احقر العباد
طالبِ دعا ومنتظرِ آرا
ڈاکٹر محمود علی انجم
نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل
(سابق) پرنسپل چشتیہ کالج، فیصل آباد
Email: Anjum560@gmail.com
Mobile: 0321-6672557/0323-6672557
Whats App No: 0321-6672557

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ط

انتساب

سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام انبیا ورسل، امہات المومنین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد پاک، پنجتن پاک، آئمہ مطہرین، معصومین، تمام صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام مشائخ عظام، علمائے کرام، تمام مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی ودیگر تمام سلاسلِ حق کے پیرانِ عظام واہلِ سلسلہ، ساتوں سلطان الفقراء خصوصاً حضرت پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ غریب النواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ صابر پیا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ، فرید العصر میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، سرکار میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ گوہر عبدالغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ، میاں غلام احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، میاں مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل وعیال، حضرت میاں علی شیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں فریاد احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال، پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان، پروفیسر ڈاکٹر مظفر کاشمیری، پروفیسر ڈاکٹر محمد غلام معین الدین نظامی، ڈاکٹر محمد شفیق، ڈاکٹر محمد اصغر، پروفیسر سلیم صدیقی، استادِ محترم پروفیسر عبداللہ بھٹی، بندہ عاجز اور اِس کی اہلیہ کے والدین (حاجی محمد یٰسین وبیگم یٰسین، میاں لطیف احمد وبیگم میاں لطیف احمد)، بندہ عاجز کی اہلیہ (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، داماد (اسد محمود)، بہو (فائزہ حامد)، بیٹوں (حامد علی انجم، احمد علی انجم)، پوتے (محمد علی انجم)، پوتی (ماہ نور فاطمہ)، بہنوں (مسز یاسمین اختر، مسماۃ ناہید اختر)، برادران (میاں مقصود علی چشتی نصیری، میاں سجاد احمد قادری، میاں فیاض احمد، میاں شہباز احمد، میاں اعجاز احمد، میاں خرم یٰسین، میاں عاصم یٰسین، میاں ارشد محمود، میاں افتخار احمد، میاں ابرار احمد، میاں عمران احمد، میاں نسیم اختر) اور ان کے اہل وعیال، مسٹر ومسز نصیر واہلِ خانہ، خالد محمود (پروپرائٹر: خالد بک ڈپو، لاہور)، کاشف حسین گوہر (پروپرائٹر: ہمدرد کتب خانہ)، الطاف حسین گوہر (پروپرائٹر: گوہر سنز پبلی کیشنز)، تمام مسلمان آباؤ اجداد، بہن بھائیوں، بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں، بہوؤں، نسلِ نو، احباب، رفقا، اساتذہ، تلامذہ، ظاہری وباطنی بلاواسطہ وبالواسطہ محسنین، علمی نسبی، روحانی تعلق رکھنے والے تمام احباب، بندہ عاجز کے چاہنے والوں اور ان سب کو جن سے بندہ عاجز کو محبت ہے، تاابدالآباد اس کا ثواب ایصال ہو۔ بندہ عاجز سے جانے انجانے کسی بھی صورت میں ایسے تمام افراد جن کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوئی انھیں بھی اس کارِ خیر کا ثواب ایصال ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے صدقے اپنے فضل وکرم سے اسے بطور قضا وکفارہ شمار فرما کر اُن سب کی اور بندہ عاجز کی مغفرت فرمادے۔ (آمین)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

اور وہ لوگ (بھی) جو اُن (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○ الحشر [59:10]

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
☆	ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (شخصیت، حالاتِ زندگی، فکر وفنی ارتقا اور تصانیف کا اجمالی جائزہ)	015
	تعمیرِ فکرِ اقبال میں سید میر حسن کا کردار	015
	شعر گوئی کا سلسلہ	016
	مغربی طرز پر شاعری کرنے کے شوق کا اظہار	017
	بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۳ء)	017
	اردو نثر میں مضامین	017
	شعر وشاعری	018
	بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء)	018
	قومی زندگی	018
	نظموں کے تراجم اور دیگر اہم نظمیں	018
	موضوعاتِ کلام	018
	سفرِ یورپ کے دوران اقبال کی تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء)	019
	لندن میں تدریس اور لیکچرز	019
	فلسفۂ عجم	020
	وطنیت کی بجائے عالمگیر قومیت کی پیغام رسانی	020
	مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء)	021
	مثنوی رموزِ بے خودی (۱۹۱۸ء)	021
	بانگِ درا کے حوالے سے اقبال کے ذہنی سفر کی روداد	021
	عملی سیاست کا خارزار	022
	زبورِ عجم (۱۹۲۷ء)	022
	تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ	022
	خطبہ الٰہ آباد... مُسلم ریاست کا تصور	022
	جاوید نامہ (۱۹۳۲ء)	023

	بالِ جبریل (۱۹۳۵ء)	023
	پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق مع مثنوی مسافر (۱۹۳۶ء)	023
	ضربِ کلیم (۱۹۳۶ء)	023
	ارمغانِ حجاز (۱۹۳۸ء)	024
	تصانیفِ اقبال	024
☆	اقبال اور اسلام	025
	لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ (ﷺ)	025
	تصورِ توحید کی عمرانی توضیح	025
	مقامِ رسالت	029
	رسالت بنائے اتحادِ ملت	030
	رسالتِ محمدیہ کا مقصود.....انسانی حرّیت، اخوّت اور مساوات	031
	عقیدۂ ختم نبوت پر علامہ اقبال کا منفرد، منطقی استدلال	032
	نماز و دعا	032
	روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد	034
	ایمان مفصل کی توضیح	035
	اقبال اور قرآن	037
	اقبال بطور مفسرِ قرآن	040
	اقبال کا اسلوبِ تفسیر	040
	سورۂ اخلاص.....فلسفہ خودی و بے خودی کی تفسیر اور سند	040
	اقبال کی دین فہمی و قرآن فہمی کے بارے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آراء	043
☆	اقبال کا عقیدۂ ختمِ نبوت	044
	آخری دینِ الٰہی.....دین اسلام	044
	عقیدۂ رسالت	044
	عقیدۂ ختم نبوت	045
	نبوت و رسالت کی ضرورت	045
	عقیدۂ ختم نبوت پر علامہ اقبال کے دلائل	046
	۱۔ عقیدۂ ختم نبوت اور عقل استقرائی	046
	۲۔ عقیدہ ختم نبوت اور سلسلۂ نبوت و رسالت کی تکمیل	046

	۳۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور وحدتِ اسلامی	046
	شعورِ نبوت	048
	سرچشمہ ہائے علم وحکمت	050
	اک مغربی مفکر کا اعتراض	050
	اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا جواب	051
☆	اقبال اور رومی	054
☆	اقبال اور تصوف	060
	تصوف کا بنیادی مقصد	060
	اسلامی تصوف	060
	غیر اسلامی تصوف	060
	اقبال اور تصوف	061
	اقبال کے ابتدائی کلام میں تصوف کے اثرات	062
	تصوف میں غیر اسلامی عناصر کی موجودگی اور اس کے اثرات	064
	وحدت الوجود کی عمومی تعریف	065
	عجمی تصوف کے شعر واد بیات پر اثرات	066
	رمز اور تاویل کی رسم جس سے محکماتِ دین کو نقصان پہنچا	067
	عجمی صوفیہ کے خلافِ شرع اقوال اور گمراہ کن اصطلاحات	068
	کلامِ اقبال میں عجمی تصوف کی خامیوں سے متعلقہ اشعار	068
☆	اقبال کا فلسفۂ خودی	072
	خودی.....اقبال کا اساسی فلسفہ	072
	علامہ اقبال کے نزدیک تصورِ خودی کی اہمیت	072
	دیباچہ مثنوی اسرارِ خودی	074
	فلسفۂ خودی کا اصل ماخذ	075
	خودی کی تعریف اور مفہوم	075
	خودی کا تصور از اقبال شناس حضرات	076
	خودی کے مراحل	076
	فضائل ورذائلِ خودی	079
	فضائلِ خودی.....خودی مضبوط کرنے والے عوامل	080

	۱۔ تخلیقِ مقاصد	080
	۲۔ عشق	081
	۳۔سخت کوشی	082
	۴۔تسخیرِ فطرت	082
	۵۔انسانی عظمت	083
	رذائلِ خودی.....خودی کو کمزور کرنے والے عوامل	083
	۱۔سوال	083
	۲۔حرص وخوف	084
	۳۔قناعت وانکساری	084
	استحکامِ خودی کے ثمرات	084
	حکایاتِ اسرار ورموز	085
	حاصل کلام	086
	فلسفہ خودی پر پروفیسر نکلسن کا تبصرہ اور تجزیہ	086
	معروضی جائزہ	087
☆	اقبال کا تصورِ تعلیم	089
	اقبال کے تصورِ تعلیم کے اساسی تصورات	090
	۱۔تصورِ توحید	090
	۲۔تصورِ زمان ومکان	091
	۳۔عمل اور حرکت کا تصور	091
	۴۔اعتدال کا قانون	091
	علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ تعلیم کے بنیادی نکات	092
	تعلیم کے سلسلے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات	093
	حاصل کلام	093
☆	اقبال کا تصورِ مردِ کامل	094
	اقبال کا مردِ مومن کا ماخذ	094
	اسلام کا تصورِ انسانِ کامل	095
	ابنِ مسکویہ	099
	عبدالکریم جیلی	100

	نطشے کا 'فوق البشر' اور اقبال کا 'مردِ کامل'	102
	اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصور 'مردِ کامل' پر رومی رحمۃ اللہ علیہ کا تصور 'مثالی پیکر'	104
☆	**اقبال کا تصورِ زمان ومکان**	107
	زمان ومکان کا عمومی تصور	107
	زمان ومکان کا یونانی تصور	108
	زمان ومکان کے متعلق مسلم علماء کے خیالات	108
	جست کا تصور	109
	زمان ومکان کا تعلق	109
	مرورِ زماں کا تصور	109
	عراقی کا تصورِ زمان ومکان	109
	ا۔ مادی اشیاء کی فضا	109
	۲۔ غیر مادی مخلوق کی فضا	109
	۳۔ ربانی یا الٰہی فضا	110
	خدا کے حوالے سے زماں ومکاں کا تصور	110
	مغربی مفکرین کا تصور زمان ومکان	110
	آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت میں زمان ومکان کا تصور	110
	زمان ومکان اضافی ہیں:۔ نظریۂ اضافیت	110
	آئن سٹائن کا چار ابعادی تصور	112
	آئن سٹائن کا تصورِ قوت	112
	متناہی مگر غیر محدود کائنات کا تصور	113
	اقبال کا تصورِ زمان ومکان	113
	تصورِ زمان ومکان کا انسانی علم، عزم اور ارادے پر اثر	116
☆	**اقبال کا تصورِ ریاست**	117
	کیپٹلزم	117
	اشتراکیت	117
	اشتمالیت	117
	فسطائیت/ فاشزم	117
	اسلامی معاشی نظام	119

	کیپٹلزم، اشتراکیت اور فاشزم پر اقبال کی تنقید	119
	اشتراکیت پر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید	122
	فاشزم پر اقبال کی تنقید	126
	نظمِ ریاست کے لیے اقبال کا تصور ریاست	127
☆	**اقبال کا تصورِ فنونِ لطیفہ**	129
	فن	129
	فنونِ لطیفہ	130
	ادب یا لٹریچر	130
	اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ فن وادب.....تصورات، رجحانات	130
	فن وادب سے عشق، صداقت، حریت اور جلال و جمال کا اظہار	138
	فن وادب اور عشق	138
	فن وادب اور صداقت	140
	فن اور آزادی، حرّیتِ رائے	141
	فن اور جلال و جمال	141
	اقبال اور فنونِ لطیفہ	141
	شاعری	141
	مصوری اور بت تراشی	143
	موسیقی کے بارے میں اقبال کے تصورات اور رجحانات	145
	خطاطی اور فنِ تعمیر کے بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات اور رجحانات	146
☆	**اقبال کا تصورِ قومیت**	149
	قومیت یا نیشنلزم	149
	مغربی تصورِ قومیت	149
	اسلامی تصورِ قومیت	149
☆	**اقبال کا تصورِ جمہوریت**	160
	جمہوریت	160
	علامہ اقبال کے مغربی جمہوریت پر اعتراضات	160
	جمہوریت کے لوازم	165
	روح جمہوریت	167

	۱۔ توحید	167
	۲۔ رسالت	168
	۳۔ آزادی، عدل، انسانی اخوت	169
	۴۔ رواداری	169
	۵۔ عصری اجتہاد	169
	حوالہ جات وحواشی	171
	کتابیات	198

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(شخصیت، حالاتِ زندگی، فکر وفنی ارتقا اور تصانیف کا اجمالی جائزہ)

اقبالؒ اصلاً کشمیری برہمن تھے۔ وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ کے ایک نہایت اعلیٰ مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ علامہ اقبالؒ اس لحاظ سے نہایت خوش قسمت تھے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے انہیں نہایت نیک والدین عطا فرمائے۔ ان کے والد ایک نہایت نیک اور قومی درد رکھنے والے مسلمان تھے۔ اس ضمن میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''وہ (نور محمد) درحقیقت اسم بامسمّٰی تھے، نور محمدی ان کے چہرے پر متجلی تھا۔ ایک محمدی کیفیت ان میں یہ بھی تھی کہ وہ نبی امی کی طرح نوشت و خواند کے معاملے میں امی تھے، وہ خدا رسیدہ صوفی تھے۔ پاکیزہ اسلامی تصوف کا ذوق اقبال کو باپ سے ورثے میں ملا۔''(۱)

علامہ اقبالؒ کو بھی اس حقیقت کا ادراک تھا۔ ایک روز علامہ اقبالؒ نے خلیفہ عبدالحکیم کو اپنے والد کے بارے میں فرمایا:

''والد مرحوم کو غیر معمولی روحانی مشاہدات بھی ہوتے تھے۔ والدہ مرحومہ کا بیان ہے کہ اندھیری رات تھی، کمرے میں چراغ بھی روشن نہیں تھا، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کمرہ تمام روشن ہے حالانکہ نہ باہر چاندنی تھی اور نہ چراغ تھا۔''(۲)

اقبالؒ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت نیک خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت اچھے طریقے سے ان کی تربیت کی تھی۔ علامہ اقبالؒ نہایت سوز وگداز سے اپنے والدین کا ذکر کیا کرتے تھے اور اپنے جوہرِ کمال کو ان کا مرہونِ منت قرار دیتے تھے۔ وہ آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے:

''میں نے اپنا نظریہ حیات فلسفیانہ جستجو سے حاصل نہیں کیا، زندگی کے بارے میں ایک مخصوص زاویہ نگاہ ورثے میں مل گیا تھا۔ بعد میں، میں نے عقل واستدلال کو اسی کے ثبوت میں صرف کیا ہے۔''(۳)

علامہ اقبالؒ کے والد ملک وقوم کی حالتِ زار سے پریشان رہتے تھے۔ وہ قومی درد رکھتے تھے۔ اس لیے وہ علامہ اقبالؒ کو اسلام کی خدمت کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم اقبالؒ فرمایا کرتے تھے:

''میرے والد نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی اور مجھے نصیحت کی تھی کہ اپنے کمال کو اسلام کی خدمت میں صرف کرنا۔''(۴)

علامہ اقبالؒ کی تعلیم وتربیت میں قرآن مجید کی تعلیم، نبی کریمؐ سے محبت، قوم کی خدمت کے جذبات کی نمو کا خصوصی خیال رکھا گیا تھا۔ مذہبی تعلیم اور قرآن فہمی کے لیے عربی کی تعلیم ضروری تھی۔ ادبی تعلیم کے لیے فارسی کی تعلیم لازم تھی۔ اردو کی تعلیم کے بغیر دیگر تعلیمی تقاضے اور تعلیمی عمل مکمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لیے ان تینوں زبانوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ ان کے والد شیخ نور محمد نے انہیں تعلیم کے لیے سیالکوٹ کے مشہور عالم مولانا غلام حسن کے پاس بھیجنا شروع کر دیا۔

علامہ اقبالؒ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار تحریر کرتے ہیں:

''اقبالؒ کی ابتدائی تعلیم قرآن مجید کے مطالعے سے شروع ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چند عربی اور فارسی کی کتب، مکتب (مسجد سے ملحق مدرسے) میں پڑھیں۔''(۵)

تعمیرِ فکرِ اقبال میں سید میر حسن کا کردار:۔

مولانا غلام حسن کے مدرسے میں علامہ اقبال پر مولوی سیّد میر حسن کی نظر پڑی۔ انہوں نے اقبال کی خداداد ذہانت کا مشاہدہ کیا تو ازخود اپنی شاگردی میں لے لیا۔ شاہ صاحب نے اس دور کے معمول کے مطابق اقبال کو گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، انوارِ سہیلی اور تصانیفِ ظہوری کا درس دینا شروع کیا۔ انہوں نے ان کتابوں کے ذریعے فارسی زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ادبی تعلیم بھی دی اور اقبال میں فارسی زبان وادب کا ذوق پیدا کر دیا جو آخری عمر تک ان کا طُرہ امتیاز رہا۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ ہائی سکول اور انٹرمیڈیٹ کالج کی تعلیم کے دوران بھی اقبال مولوی میر حسن سے بہت فیضیاب ہوئے۔(۶)

سید میر حسن اردو، فارسی اور عربی کے جید عالم تھے اور اسلامیات پر کامل عبور رکھنے کے باوجود خشک ملانہ تھے، سر سید علیہ الرحمۃ کے مداحوں میں سے تھے، راسخ الاعتقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی وسعت مشرب سے غیر مسلم طلبا بلکہ مشنری پادری اساتذہ بھی متاثر تھے۔(۷)

سید میر حسن کا تبحر علمی اور ان کے اخلاق کچھ اس انداز کے تھے کہ اقبال آخر عمر تک اس کے معترف رہے۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ کی شخصیت سازی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں خلیفہ عبدالحکیم کہتے ہیں:

1- معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اقبال نے اردو اور فارسی اساتذہ کا کلام کثرت سے مطالعہ کیا اور مولانا میر حسن شعر کا صحیح ذوق پیدا کرنے میں اس نوخیز شاعر کے معاون ہوئے۔(۸)

2- انہوں نے اپنے نوجوان شاگرد میں اسلامی ثقافت سے پُر خلوص وابستگی اور مسلم ادبیات کا والہانہ شوق پیدا کیا۔(۹)

3- اقبالؒ کو سر سید کی تعلیمات اور اصلاحی تحریک سے روشناس کیا اور ان میں حُب ملی کا جذبہ پیدا کیا۔

اقبالؒ کے فکری ارتقاء کا سلسلہ جاری رہا۔ ایف اے کے بعد وہ لاہور گورنمنٹ کالج میں آ گئے۔ یہاں وہ روایتی غزل گو کی حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ چند ہی سالوں میں ان کی شاعری نے وطن اور قوم کی محبت کی شاعری کی صورت اختیار کر لی۔(۱۰)

اقبالؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ اقدس کے تحت جہاں کہیں سے بھی کوئی اچھی بات ملے لے لی۔ انہوں نے داغؔ، حالیؔ، غالبؔ، اکبرؔ، ناسخؔ، سب ہی سے کچھ نہ کچھ سیکھا۔

عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ انہوں نے انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کی اور مغربی ادب کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

علامہ اقبالؒ اپنی قوم وملت کی حالتِ زار سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ اکثر اس کے بارے میں غور وفکر کرتے رہتے تھے۔

1- انہوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں اسلام کو مختلف خطرات سے دوچار اور مسلمانوں کو توہمات میں گرفتار پایا۔

2- مسلمانوں کی ملی زبوں حالی اس مقام تک ہوئی دیکھی کہ کوئی مرکز ومحور ایسا نہ تھا جس پر عام مسلمان جمع ہو سکتے۔

3- مغربی تعلیم اور تہذیب کے فروغ کی وجہ سے قدیم مشرقی تہذیب کی اقدار کو مردہ دیکھا۔

4- مسلمانوں کو اپنی گزشتہ عظمت کا مدح خواہ ضرور پایا لیکن اس کی پستی کے زمانے میں اس عظمت کے حصول کے رموز سے بے خبر دیکھا۔(۱۱)

عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ملتِ اسلامیہ کی مذکورہ بالا حالتِ زار اور حُبِّ ملی کے جذبات اقبالؒ کو ہر وقت بے تاب رکھتے تھے۔ جب ان باطنی کیفیات کے زیر اثر شعر گوئی کرتے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔

اقبالؒ کی شخصیت سازی اور تعمیرِ فکر کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ وہ سیالکوٹ سے ثانوی سطح کی تعلیم مکمل کر کے لاہور آ گئے اور گریجوایشن کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں سے انہوں نے 1897ء میں بی اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ عربی میں وہ اول آئے۔ بی اے کے بعد انہوں نے ایم اے فلسفہ کی کلاس میں داخلہ لیا۔ 11/ فروری 1898ء کو پروفیسر تھامس آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور پروفیسر تشریف لائے۔ اقبالؒ ان کی شخصیت اور افکار سے بہت متاثر ہوئے۔ مارچ 1899ء میں اقبالؒ نے ایم اے فلسفہ کا امتحان دیا اور اس میں کامیابی پر یونیورسٹی میں اول قرار دیے گئے۔

شعر گوئی کا سلسلہ:۔

کالج میں تعلیم کے دوران اقبالؒ نے شعر گوئی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس عرصہ میں انہوں نے کچھ نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ 1896ء میں انہوں نے انجمن کشمیری مسلمانان کے ایک جلسے میں اپنی نظم ''فلاحِ قوم'' پڑھی۔(۱۲)

اندرون بھاٹی گیٹ کے ایک مشاعرے میں اقبال نے ایک غزل پڑھی جس کے اِس شعر پر اُس دور کے شاعر مرزا ارشد گورگانی نے پُر زور داد دی۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اس دور میں کسی ایک مشاعرے میں اقبال کے بارے میں سر عبدالقادر بیان کرتے ہیں:

''ایک شب اس بزم میں ایک نوجوان طالب علم اپنے چند ہم عصروں کے ساتھ شریک ہُوا۔ اس نے ایک سادہ سی غزل پڑھی، جس کا مقطع تھا:

شعر کہنا نہیں اقبال کو آتا، لیکن آپ کہتے ہیں سخنور، تو سخنور ہی سہی

اس ''سخنور ہی سہی'' کی بے ساختگی اور پڑھنے کے بے ساختہ انداز سے سخن فہم سمجھ گئے کہ اردو شاعری کے افق پر ایک نیا ستارہ نمودار ہُوا ہے۔ اسی غزل میں ایک اور شعر تھا، جس کی سامعین نے بہت داد دی اور تقاضا کیا کہ اقبال صاحب اگلے مشاعرے میں بھی ضرور شامل ہوں۔ وہ شعر یہ تھا:

خوب سوجھی ہے ، تہِ دام پھڑک جاؤں گا میں چمن میں نہ رہوں گا تو میرے پر ہی سہی (۱۳)

مغربی طرز پر شاعری کرنے کے شوق کا اظہار:۔

اقبالؒ کے ایک کالج فیلو میر غلام بھیک نیرنگ، جو خود بھی شاعر تھے، ان ایام کی ادبی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری ان سہ سالہ صحبتوں میں اقبال اپنی ایک سکیم بار بار پیش کیا کرتے تھے۔ ملٹن کی مشہور نظم Paradise Lost اور Paradise Regained کا ذکر کر کے کہا کرتے تھے کہ واقعات کربلا کو ایسے رنگ میں نظم کروں گا کہ ملٹن کی Paradise Regained کا جواب ہو جائے۔ مگر اس تجویز کی تکمیل کبھی نہیں ہو سکی۔ میں اتنا اور کہہ دوں کہ اردو شاعری کی اصلاح و ترقی کا اور اس میں مغربی شاعری کا رنگ پیدا کرنے کا ذکر بار بار آیا کرتا تھا۔'' (۱۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبالؒ سب سے الگ انداز سے سوچتے تھے۔ وہ تبدیلی اور اصلاح کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ جہاں کہیں انہیں کوئی اچھی بات ملتی اپنا لیتے تھے۔ ہر فرد کی اچھی خصوصیات سے متصف ہونے کی کوشش کرتے تھے مگر اندھا دھند تقلید کے قائل نہ تھے۔ ہر وقت بہتر سے بہتر کی تلاش میں مصروف بہ عمل رہتے تھے۔ وہ انقلابی طرز فکر رکھتے تھے۔

بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (1899ء تا 1903ء):۔

ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کرنے کے فوراً بعد اقبال 13/ مئی 1899ء کو پنجاب یونیورسٹی میں بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر مقرر ہوئے۔ یہاں انہوں نے مئی 1903ء تک درج ذیل فرائضِ منصبی ادا کئے:

1- اورینٹل کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔
2- بعض موضوعات پر کتب تالیف کیں یا ترجمہ کیا۔
3- عربی مطبوعات کا اہتمام کیا۔

بحیثیت میکلوڈ عربک ریڈر ان کے تالیف و ترجمہ کی کارکردگی یہ رہی:

1- نظریہ توحید مطلق، پیش کردہ شیخ عبدالکریم الجیلی (انگریزی)
2- Stubbs کی کتاب Early Plantagents کا اردو ترجمہ مع حواشی۔
3- واکر کی تصنیف 'Political Economy' کا اردو ترجمہ مع حواشی۔
4- Ladd کی تصنیف Premier of Psychology کے اردو ترجمہ پر نظر ثانی۔
5- علم الاقتصاد (Political Economy) پر 1903ء میں ایک اردو کتاب تالیف کی جو 1904 میں شائع ہوئی۔ (۱۵)

اردو نثر میں مضامین:۔

اس دوران اقبالؒ نے اردو نثر میں درج ذیل چند مضامین لکھے جو ''مخزن'' میں شائع ہوئے:

1- بچوں کی تعلیم و تربیت۔ ''مخزن'' (جنوری 1902ء)

2- اردو زبان۔ڈاکٹر وائٹ بریخٹ کے انگریزی مضمون کا ترجمہ (ستمبر 1902ء)
3- اردو زبان پنجاب میں (اکتوبر 1902ء) (۱۶)

شعر وشاعری:۔

اس عرصہ میں اقبالؒ نے قومی ووطنی مسائل اور مناظرِ فطرت پر بھی کئی نظمیں لکھیں جن میں سے چند خاص نظمیں درج ذیل ہیں:

1- نالہ یتیم (مسدس) 2- خدا حافظ (نظم) 3- یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے (ترکیب بند)
4- اشکِ خون (ترکیب بند) 5- ہمالہ (نظم) 6- مرزا غالب (نظم)
7- ابر کوہسار (نظم) 8- آفتاب (نظم) 9- خفتگان خاک سے استفسار (نظم)
10- شمع (نظم) 11- ایک آرزو (نظم) 12- خیر مقدم (نظم)
13- دین ودنیا (نظم) 14- فریادِ امت (ترکیب بند نظم) (۱۷)

بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (1903ء تا 1905ء)

3/ جون 1903 کو اقبالؒ گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ مقرر ہوئے۔ 26/ فروری 1904ء کو جب پروفیسر طامس آرنلڈ گورنمنٹ کالج چھوڑ کر انگلستان روانہ ہوئے تو اقبال نے اپنے شفیق استاد کی جدائی کے موقع پر ''نالۂ فراق'' لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ یہ نظم ''مخزن'' میں مئی 1904ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں اقبال نے حصولِ تعلیم کے لیے انگلستان جانے کی خواہش کا بھرپور اظہار کیا ؎

توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو!

قومی زندگی:۔

مخزن، اکتوبر 1904ء میں اقبالؒ کا ایک نثری مضمون ''قومی زندگی'' شائع ہوا۔ اس مضمون میں اجتہاد کے بارے میں اقبال کے ابتدائی خیالات کے نقوش ملتے ہیں۔ (۱۸)

نظموں کے تراجم اور دیگر اہم نظمیں:۔

اس دورانیے میں اقبالؒ نے ایمرسن، لانگ فیلو ٹینی سن اور ولیم کوپر کی بعض نظموں کے تراجم بھی کیے۔ اس طرح انگریزی ادب میں بھی طبع آزمائی کی اور فن شاعری کو نئی نہج دی۔ اس دور میں اقبال نے کئی نظمیں لکھیں جو مشہور ہوئیں۔ اہم نظمیں درج ذیل ہیں:

1- تصویر درد 2- زہد اور رندی 3- طفلِ شیر خوار 4- رخصت اے بزمِ جہاں
5- بلالؓ 6- ہمارا دیس 7- ہندوستانی بچوں کا گیت 8- نیا شوالہ
9- ترانۂ ہندی 10- داغ دہلوی 11- ایک پرندہ اور جگنو 12- بچہ اور شمع
13- التجائے مسافر 14- کنار راوی (۱۹)

موضوعاتِ کلام:۔

اس دور میں لکھی گئی نظموں اور غزلیات کے موضوعات درج ذیل تھے:

1- مناظر قدرت
2- حسن، عشق اور موت کے تصورات

3- حب الوطنی اور ہندی قومیت کا احساس
4- ہندو مسلم یکجہتی کا تصور
5- ملک کے معاشرتی مسائل

یہ موضوعات اقبالؒ کے فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ 1905ء تک اقبال کا کلام سو سے زائد صفحات میں ''بانگِ درا'' میں ملتا ہے۔ اس ضمن خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''ان نظموں میں بھی وہ اقبال ملتا ہے جو دل کی بصیرت اور وجدان کو حسی ادراک اور استدلالی عقل پر مرجح سمجھتا ہے۔ جا بجا خودی بھی اُبھرتی ہوئی نظر آتی ہے، طبیعت میں وہ اضطراب اور تپش بھی موجود ہے جو بڑھتے بڑھتے بعد میں کوہ آتش فشاں بن جائے گی، ذوقِ انقلاب وارتقا بھی ناپید نہیں، وطن کی محبت شدت سے موجود ہے لیکن وہ عالمگیر انسانی ہمدردی اور ہمہ گیر اخوت کے راستے میں حارج نہیں، تصوف کے روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ اپنا مخصوص حیات پرور عرفان بھی جا بجا جھلکتا ہے، اقبال جو کچھ بعد میں بنا اس کی داغ بیل ان نظموں میں بھی موجود ہے۔''(۲۰)

1905ء میں اقبالؒ کی عمر قریباً تیس سال تھی یہ پختگی کی عمر ہے۔ اس عمر کے بعد بہت کم تبدیلی کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس عرصے تک کی شاعری کو اقبال نے خود اپنی سخن گوئی کا دور اول قرار دیا۔(۲۱)

سفرِ یورپ کے دوران اقبالؒ کی تدریسی، تصنیفی، تخلیقی اور تحقیقی سرگرمیاں (1905ء تا 1908ء)

اقبالؒ ستمبر 1905ء سے جولائی 1908ء تک تین سال یورپ میں رہے۔ انہوں نے کیمبرج، ہائیڈل برگ اور میونخ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مغرب کی تہذیب ومعاشرت کا بغور مطالعہ کرتے رہے جس کا ان کے ذہنی وفکری، رجحانات پر گہرا اثر ہوا۔ ان تاثرات کا اظہار انہوں نے چند نظموں اور غزلوں میں کیا۔ یہ نظمیں اور غزلیات بانگِ درا حصہ دوم میں موجود ہیں۔ اس دور کی زیادہ مشہور نظمیں ''طلبہ علی گڑھ کے کالج کے نام''، ''عبدالقادر کے نام''، ''صقلیہ (جزیرہ سلی)'' ہیں۔ مارچ 1907ء کی تخلیق کردہ ''زمانہ آیا ہے بے حجابی کا' عام دیدار یار ہوگا'' بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔(۲۲)

اقبالؒ نے قیام یورپ کے دوران اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور قانون میں بار ایٹ لاء کی سند ہی حاصل نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنے ذہن وفکر میں انقلابی تبدیلیوں کے عمل کے ساتھ ساتھ عزائم کا ایک منشور بھی پیش نظر رکھا جس کا والہانہ اظہار ''عبدالقادر کے نام'' منظوم خط میں ہوا۔(۲۳)

اہم مقالہ جات:۔

☆ یورپ میں قیام کے دوران جرمن زبان کے امتحان کے لیے اقبال نے ''تاریخ عالم'' پر مقالہ لکھا۔
☆ میونخ یونیورسٹی میں انہوں نے اپنا مقالہ 'Development of Metaphysics in Persia' پیش کیا۔ اس سلسلے میں زبانی امتحان میں کامیابی کے بعد انہیں نومبر 1907ء میں پی ایچ ڈی کی سند ملی۔
☆ جرمنی سے لندن واپس آ کر بار ایٹ لاء مکمل کیا۔ اسی دوران چند ماہ پروفیسر طامس آرنلڈ کی رخصت کے زمانے میں یونیورسٹی کالج لندن میں ''معلّمِ عربی'' کے فرائض بھی انجام دیے۔
☆ قیام یورپ کے دوران مارچ 1907ء میں اقبالؒ نے وجدانی کیفیت میں الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ایک غزل لکھی۔ ان کی یہ پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوگئیں۔(۲۴)

لندن میں تدریس اور لیکچرز:۔

لندن میں اپنے قیام کے آخری ایام میں اقبال نے لندن یونیورسٹی میں تدریسِ عربی کے علاوہ ثقافت اور تاریخ پر لیکچروں کا ایک

سلسلہ بھی شروع کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں:

''انگلستان میں مَیں نے اسلامی تہذیب وتمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایک لیکچر ہو چکا ہے۔ دوسرا ''اسلامی تصوف'' پر فروری کے تیسرے ہفتے میں ہوگا۔ باقی لیکچروں کے معانی یہ ہوں گے ''مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر''، ''اسلامی جمہوریت'' ''اسلام اور عقل انسانی وغیرہ۔'' (۲۵)

انہی ایّام میں اقبال کا ایک آرٹیکل Islam and Khilafat لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا۔ اسی سال لوزاک کمپنی لندن نے ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ Development of Metaphysics in Persia شائع کیا۔ یورپ میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد اقبال جولائی 1908ء کو وطن واپس آ گئے۔

فلسفۂ عجم:۔

1908ء میں اقبالؒ کی ایک انگریزی نثری تصنیف منظر عام پر آئی۔ یہ دراصل ان کا وہ مقالہ تھا جو انہوں نے "The Development of Metaphysics in Persia" کے عنوان سے میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لکھا تھا۔ اسے ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار 1908ء میں لندن میں شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ 'فلسفۂ عجم' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ ترجمہ میر حسن الدین نے 1928ء میں کیا تھا جو 1936ء میں شائع ہوا تھا۔ علامہ اقبالؒ 'فلسفۂ عجم' کی تمہید میں اس کتاب کے نفسِ مضمون کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں دو امور سے بحث کی گئی ہے:

الف: میں نے ایرانی تفکر کے منطقی سراغ لگانے کی کوشش کی ہے اور اس کو میں نے فلسفۂ جدید کی زبان میں پیش کیا ہے۔

ب: تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنٹفک طریقے سے بحث کی ہے اور ان ذہنی حالات وشرائط کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو اس قسم کے واقعے کو معرضِ ظہور میں لے آتے ہیں۔ لہٰذا اس خیال کے برخلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی واخلاقی قوتوں کے باہمی عمل واثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔''

وطنیت کی بجائے عالمگیر قومیت کی پیغام رسانی:۔

اقبالؒ نے یورپ میں مغرب کی ترقی اور مشرق کے تنزل کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے اسلامی ممالک کی سیر بھی کی تھی اور ان کے مسائل سے آگاہ تھے۔ وہ مسلمانوں کی بے حسی، بے بسی اور محکومی کو بچشمِ خود دیکھ چکے تھے۔ 1910ء میں جنگِ طرابلس نے ان کے دل میں مسلمانوں کی مظلومیت کو اور گہرا کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ یورپی اقوام وطنیت اور قومیت کی آڑ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ جنگ بلقان اور جنگ طرابلس نے اقبالؒ کے خدشات کو صحیح ثابت کر دیا۔ اقبالؒ کو یورپ کے نظریۂ وطنیت اور نظریۂ قومیت کی خامیوں کا پتہ چل چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے 'ہندی ترانہ' کی بجائے 'اسلامی ترانہ' لکھا اور وطنیت کی محدود فضاؤں سے نکل کر عالمگیر قومیت کی پیغام رسانی کی۔ اپنی نظم 'وطنیت' میں وہ کہتے ہیں ؎

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے (۲۶)

'ترانۂ ملی' میں وہ 'ترانۂ ہندی' کی طرح یہ نہیں کہتے کہ 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا'..... بلکہ ان کی لَے یہ ہے:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا (۲۷)

اقبالؒ نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے، انہیں ان کے ماضی کی روشن تصویریں دکھائیں تاکہ ان میں حرکت پیدا ہو۔ 'شکوہ' (اپریل 1911ء) اور 'جوابِ شکوہ' (1913) اس قسم کے خیالات سے معمور ہیں۔

'شکوہ' میں مختلف پیرائے اور انداز سے ہمارے اسلاف کی تین بنیادی صفات 1- قوتِ ایمانی 2- اعمال صالحہ اور 3- علمی برتری کا

ذکر کیا گیا ہے جن کی بدولت انہیں ہر شعبۂ زندگی میں اقوامِ عالم پر فضیلت اور برتری حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت اعلیٰ مراتب اور مقامات نصیب ہوئے۔

'جواب شکوہ' میں مسلمانوں کی درج ذیل کمزوریوں کا ذکر ہے جن کی بدولت ملت اسلامیہ زوال کا شکار ہوئی۔

1- مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کمزور ہو گیا۔
2- مسلمان بے عملی اور دیگر اخلاقِ رذیلہ کا شکار ہو گئے۔
3- مسلمان جمود کا شکار ہو گئے۔ علم وعرفان سے دلچسپی لینا چھوڑ دی۔
4- مسلمان قومی اتحاد اور یکجہتی کے فقدان کا شکار ہو گئے۔
5- مسلمان ہر شعبۂ زندگی میں اعلیٰ قیادت کے فقدان کی وجہ سے زوال کا شکار ہو گئے۔

'جواب شکوہ' کے آخر پر اقبالؒ مسلمانوں کو مندرجہ بالا خامیاں دور کر کے پھر سے عظمتِ رفتہ کے حصول کا طریقہ یوں بتاتے ہیں ؎

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۲۸)

اقبالؒ نے 1914ء میں مثنوی اسرارِ خودی اور نومبر 1917ء کو مثنوی رموزِ بے خودی لکھی۔ اسرار خودی 1915ء کو اور رموز بے خودی 1918ء کو شائع ہوئیں۔ 1923ء کو دونوں کتابیں اسرار و رموز کے نام سے شائع ہوئیں۔

مثنوی اسرارِ خودی (1915ء)

'مثنوی اسرارِ خودی' میں اقبالؒ نے نہایت جامع اور مدلل انداز سے اپنا فلسفۂ خودی پیش کیا۔ 'خودی' سے مراد اپنے آپ کو پہچاننا اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہونا ہے۔ اقبالؒ کی یہ مثنوی بہت مقبول ہوئی۔ 1920ء میں مشہور مستشرق آر۔اے۔ نکلسن (وفات 1944ء) نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے اہلِ یورپ کو فلسفۂ خودی سے روشناس کرایا۔

مثنوی رموزِ بے خودی (1918ء)

'مثنوی اسرارِ خودی' میں اقبالؒ نے فرد کی تربیت کے لیے انفرادی خودی کا تصور پیش کیا تھا۔ مثنوی رموزِ بے خودی میں انہوں نے اجتماعی خودی یا قومی خودی کا تصور پیش کیا۔ 'بے خودی' سے مراد اپنی 'خودی' کو قوم وملت کی خدمت کے لیے وقف کرنا ہے۔ جب انسان صاحبِ خودی ہو جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ صاحبِ بے خودی ہو جائے یعنی اپنی صلاحیتیں اصلاحِ عامہ کے لیے اور ملک وقوم کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ اسلام کے اساسی موضوعات پر مباحث کے اعتبار سے 'مثنوی رموزِ بے خودی' نے اقبال کی کتابوں میں بے حد نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کیا۔

پیامِ مشرق 1923ء میں شائع ہوئی۔ یہ جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے 'مغربی دیوان' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

بانگِ درا کے حوالے سے اقبالؒ کے ذہنی سفر کی روداد:۔

'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بے خودی' اور پیامِ مشرق (تینوں فارسی مجموعوں) کے بعد اقبالؒ کا اردو میں پہلا مجموعہ 'بانگِ درا' 1924ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ:۔ پہلا حصہ آغاز سے لے کر 1905ء تک کے کلام پر مشتمل ہے۔
دوسرا حصہ: حصہ دوم میں 1908ء تک کا کلام ہے۔
تیسرا حصہ: حصہ سوم میں 1908ء کے بعد کا کلام درج ہے۔

اقبالؒ کی کئی مشہور نظمیں مثلاً شکوہ، جوابِ شکوہ، شمع وشاعر، طلوعِ اسلام اور خضرِ راہ، اس مجموعے میں شامل ہیں۔

عملی سیاست کا خارزار:۔

1926ء میں دوسری مرتبہ پنجاب قانون ساز کونسل کے انتخابات میں اقبالؒ نے عملی طور پر حصہ لیا اور 6/ دسمبر 1926ء کو انہیں تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب قرار دیا گیا۔ اقبالؒ 1927ء سے 1930ء تک پنجاب قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ اس سال وہ پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری بھی بن گئے۔ یوں انہیں برصغیر کے مسلمانوں کی قومی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کا موقع مل گیا اور یہی ان کی سیاسی زندگی کا اہم ترین پہلو تھا۔ اقبالؒ نے عملی سیاست میں قدم رکھنے کی وجہ یوں بیان کی:

''اب قوم کی مصیبتیں مجبور کر رہی ہیں کہ اپنا حلقۂ عمل قدرے وسیع کر دوں۔ شاید میرا ناچیز وجود اس طرح اس ملت کے لیے زیادہ مفید ہو سکے جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل ونہار گزرے ہیں۔''(۲۹)

زبورِ عجم (1927ء)

اقبالؒ کا چوتھا فارسی مجموعہ کلام 'زبورِ عجم' 1927ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کلام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں 56 اور دوسرے میں 75 غزلیں یا غزل نما قطعات ہیں۔ پہلے حصے میں شاعر خدا سے مخاطب ہے اور دوسرے میں بنی نوع انسان سے۔ دونوں حصوں میں پڑھنے والوں سے خطاب ہے جسے 'سرنامہ' کہیں گے۔

'زبورِ عجم' کے ضمیمہ میں دو مثنویاں، 'مثنوی گلشن رازِ جدید' اور 'مثنوی بندگی نامہ' شامل ہیں 'مثنوی گلشن رازِ جدید' ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے صوفی شاعر شیخ محمود شبستری تبریزی کی مثنوی 'گلشنِ راز' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اقبالؒ نے اس مثنوی میں اپنے فلسفۂ خودی کی روشنی میں تفکر، علم، خدا، کائنات، انسان، مردِ کامل اور عارف کے تصورات واضح کیے ہیں۔ مثنوی 'بندگی نامہ' میں اقبالؒ نے غلامی کی مذمت کی ہے۔

تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ:۔

یہ کتاب علامہ اقبالؒ کے سات فلسفیانہ خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1930ء میں شائع ہوا تھا اور اس میں 6 خطبات شامل تھے۔ ساتواں خطبہ بعد کی اشاعت میں شامل کیا گیا تھا۔ اصل خطبات انگریزی میں ہیں اور ان کا نام Reconstruction of Religious Thought in Islam ہے۔ ان خطبات کے عنوانات درج ذیل ہیں:

-1	علم اور مذہبی تجربہ	Knowledge and Religious Experience
-2	مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار	The Philosophical Test of the Revelations of Religious Experience
-3	ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا	The Concept of God and the Meaning of Prayer
-4	انسانی خودی، اس کی آزادی اور بقا	The Human Ego - His Freedom and Immortality
-5	اسلامی ثقافت کی رُوح	Th Spirit of Muslim Culture
-6	الاجتہاد فی الاسلام	The Principle of Movement in the Structure of Islam
-7	کیا مذہب کا امکان ہے؟	Is Religion Possible?

ان خطبات میں اقبالؒ نے جدید اسلامی علمِ کلام کی بنیاد رکھی ہے۔ انہوں نے اہم مذہبی امور پر اسلام اور جدید فلسفہ کی رو سے تفصیلی بحث کر کے عہدِ حاضر کے مفکرین کے لیے اسلام کو ایک قوت کی حیثیت سے پیش کیا۔ علامہ اقبالؒ کے افکار کو سمجھنے کے لیے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔(۳۰)

خطبہ الٰہ آباد... مُسلم ریاست کا تصور:۔

1930ء کو الٰہ آباد کے مقام پر اپنے خطبے میں اقبالؒ نے برصغیر میں الگ مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ اس مطالبے نے آگے چل کر

تحریکِ پاکستان کی شکل اختیار کی۔

خطبہ الٰہ آباد کے درج ذیل الفاظ تاریخی لحاظ سے بہت اہم ثابت ہوئے اور قیامِ پاکستان کا سبب بنے:

''..... میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر، مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظّم ریاست قائم کرنی پڑے گی.....''(۳۱)

1931ء میں برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن میں گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے اور واپسی پر بیت المقدس میں اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ 1932ء میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے اور واپسی پر سپین کا دورہ کیا اور مسجد قرطبہ میں نوافل ادا کئے۔

جاوید نامہ (1932ء)

جاوید نامہ کا زیادہ تر حصہ ڈرامے اور کالموں کی صورت میں ہے۔ اس کتاب میں اقبالؔ نے اپنا نام زندہ رُود (بہتی ہوئی ندی) رکھا ہے۔ اٹلی کے شاعر ڈینٹے (وفات 1321ء) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ معراج سے متاثر ہو کر ڈیوائن کامیڈی (طربیہ الٰہی) لکھی تھی۔ اقبالؒ نے اسی کی طرز پر 'جاوید نامہ' لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے افلاک کی سیر، مختلف حکماء، فلاسفہ اور دانشوران کی باہمی ملاقات، ان سے اپنی ملاقات اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی حاضری کا نہایت دلچسپ انداز سے ذکر کیا ہے۔

1933ء میں نادر شاہ کی دعوت پر علامہ اقبالؒ نے افغانستان کا دورہ کیا۔ افغانستان سے واپسی پر 1934ء میں آپ اکثر بیمار رہنے لگے۔ آپ کی بیماری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کو گلے کی تکلیف تھی جو کہ روز بروز بڑھتی ہی گئی۔

بالِ جبریل (1935ء)

'بالِ جبریل' 1935ء میں شائع ہوئی۔ یہ اقبالؒ کا دوسرا اردو مجموعہ کلام ہے۔ اس میں ستر غزلیں، تقریباً پچاس چھوٹی بڑی نظمیں اور بیالیس کے قریب قطعات و رباعیات شامل ہیں۔ اقبال نے اپنے جن خاص خیالات کا اظہار 'اسرارِ خودی'، 'رموزِ بے خودی' اور 'جاوید نامہ' وغیرہ میں کیا ہے انہیں ایجاز و اختصار اور رمز و کنایہ کے ذریعے 'بالِ جبریل' کے غزلیہ اشعار میں پیش کیا۔ بالِ جبریل کی چھوٹی نظمیں ان کے فکر و خیال کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتی ہیں مگر بڑی نظمیں ان کے فکر و فن کا شاہکار نمونہ ہیں۔ ان میں سے مسجد قرطبہ، ذوق و شوق اور ساقی نامہ خصوصی طور پر نظم کی تاریخ کا سنہری باب ہیں۔

پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر (1936ء)

'مثنوی مسافر' اقبالؒ کے سفرِ افغانستان کی سرگزشت ہے۔ اقبالؔ اکتوبر اور نومبر 1933ء کے قریباً دو ہفتے افغانستان میں رہے تھے۔ اس مثنوی میں انہوں نے افغان قوم، امتِ مسلمہ، بابر، حکیم سنائی اور سلطان محمود غزنوی کے حوالے سے اپنی قلبی کیفیات بیان کی ہیں اور امتِ مسلمہ کو عظمتِ رفتہ حاصل کرنے کے لیے عملِ پیہم اور جہدِ مسلسل کی تلقین کی ہے۔

'مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق' 1936ء میں شائع ہوئی اور مثنوی 'مسافر' کو بھی اس کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر شائع کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں مثنویاں ایک ساتھ شائع ہوتی رہی ہیں۔ 'مثنوی پس چہ باید کرد' قریباً سوا پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مضامین کے لحاظ سے اقبالؒ کی اہم ترین کتابوں میں شامل ہوتی ہے۔

ضربِ کلیم (1936ء)

ضربِ کلیم 1936ء کے وسط میں شائع ہوئی۔ ضربِ کلیم میں اقبال نے تہذیبِ حاضر کی انسانیت دشمن آزادی کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو دورِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں 'اسلام اور مسلمان' کے زیرِ عنوان

متفرق نظمیں ہیں۔ اس کے بعد تعلیم وتربیت، عورت، ادبیات (فنونِ لطیفہ) اور سیاسیات مشرق ومغرب کے عنوانات اور پھران کے مزید ذیلی عنوانات قائم کرکے نظمیں درج کی گئی ہیں۔ آخری حصے میں ''محراب گل افغان کے افکار'' کے زیرعنوان ایک فرضی کردار کے نام سے کچھ نظمیں تحریر کی گئی ہیں۔

علامہ اقبالؒ 21/ اپریل 1938ء کو دارِ فانی سے خالقِ حقیقی کے پاس چلے گئے۔ لاہور کی بادشاہی مسجد کے بائیں جانب آپ کی آخری آرام گاہ بنی ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (۳۲)

ارمغانِ حجاز (1938ء)

'ارمغانِ حجاز' علامہ اقبالؒ کی وفات کے چند ماہ بعد چھپی۔ اس کا زیادہ تر حصہ فارسی میں ہے مگر کچھ حصہ اردو میں ہے۔ اس مجموعہ کلام کی دو بیتیوں میں اقبالؒ نے اللہ تعالیٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ملتِ اسلامیہ، عالمِ انسانی اور اپنے دوستوں سے خطاب کیا ہے اور حقائق ومعارف کے دریا بہادیئے ہیں۔

تصانیفِ اقبال کا اجمالی خاکہ

اردو:	1- بانگِ درا	1924ء
	2- بالِ جبریل	1935ء
	3- ضربِ کلیم	1936ء
	4- ارمغانِ حجاز (اردو حصہ)	1938ء (وفات کے چند ماہ بعد)
فارسی:	1- اسرارِ خودی	1915ء
	2- رموزِ بیخودی	1918ء
	3- پیامِ مشرق (گوئٹے کے دیوان کے جواب میں)	1923ء
	4- زبورِ عجم	1927ء
	5- جاوید نامہ (1929ء میں لکھنا شروع کیا تھا)	1932ء،
	6- پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق مع مثنوی مسافر	1936ء
	7- ارمغانِ حجاز (حصہ فارسی)	1938ء
اردو نثر:	1- علم الاقتصاد	1904ء
	2- ملتِ بیضا پر عمرانی نظر	1910ء
انگریزی نثر:	1- فلسفۂ عجم Development of Metaphysics in Persia	1908ء
	2- Reconstruction of Religious Thought in Islam	1930ء (چھ خطبات)
	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	1934ء (سات خطبات)

اقبال اور اسلام

اسلامی شعائر وعبادات کے سلسلے میں علامہ اقبال مخصوص ومنفرد تحقیقی وتنقیدی شعور اور نقطہ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے واضح کیا کہ دین اسلام محض رسومات وعبادات کا نام نہیں ہے بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ فرد کی انفرادی اور قوم کی اجتماعی زندگی میں وحدت، تنظیم، حرکت، انقلاب اور تکمیل کا پیامبر اور نقیب ہے۔ وہ عقائد اور ارکانِ اسلام کو وحدتِ اسلامی کا سبب قرار دیتے تھے۔ اس ضمن میں ایک جگہ پر وہ لکھتے ہیں:

''وحدتِ اسلامی کے بنیادی اصولوں کو کوئی بیرونی یا اندرونی قوت متزلزل نہیں کر سکتی۔ وحدتِ اسلامی، اسلام کے دو بنیادی عقائد (توحید و رسالت) اور پانچ مشہور ارکانِ شریعت (کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) پر مشتمل ہے۔ وحدتِ اسلامی کے یہی عناصر ہیں جو رسولِ کریم ﷺ کے زمانے سے اب تک قائم ہیں۔''(۱)

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ (ﷺ)

اسلام ایک مکمل دین ہے اور دو عقائد پر اس کی اساس ہے: ایک یہ کہ خدا واحد ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت محمد ان انبیاء کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں جو وقتاً فوقتاً تمام ممالک اور ہر زمانے میں انسانوں کی رشد و رہبری کے لیے خدا کی طرف سے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

عقیدۂ توحید و عقیدۂ رسالت وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی بدولت مسلمانوں کو جغرافیائی حدود سے بالاتر 'عالمی وحدت' حاصل ہوتی ہے۔ یہ دونوں عقائد فلاحی اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں۔

تصورِ توحید کی عمرانی توضیح:۔

توحید سے مراد اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور جاننا ہے۔ اس سے مراد اس عقیدے کا اظہار اور اقرار ہے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ صفات میں۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس میں توحید کا عقیدہ مکمل اور پاکیزہ صورت میں موجود ہے۔ مگر افسوس کہ یہ عقیدہ اب صرف زبانی کلامی دعویٰ بن کر رہ گیا ہے۔ مسلمان اس کے عملی تقاضوں سے بے خبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ملی وحدت پارہ پارہ ہوگئی ہے اور مسلمان تعداد کی برتری کے باوجود تنزلی کا شکار اور ہر شعبۂ زندگی میں بے عملی اور زوال کا شکار ہیں۔ مسلمانوں میں باہمی اخوت، حریت اور مساوات نظر نہیں آتی۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے ملی کمزوریوں کی نشاندہی کی اور اپنے کلام سے انہیں عقیدۂ توحید کی عملی افادیت، ضرورت اور اہمیت بیان کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ توحید کے تقاضے یہ ہیں کہ مسلمان فکر و عمل کے لحاظ سے متحد ہوں۔ انہوں نے تمام مسلمانوں، علماء کرام، قائدین، فقہا کو ان ملی تقاضوں سے آگاہ کیا اور دعوتِ اصلاح وعمل دی۔ مثلاً فرماتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام (۲)
روشن اس ضَو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے — قُل ھُوَ اللّٰہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام (۳)
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا، نہ فقیہہ — وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے — اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام (۴)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے تقاضے سمجھ کر صحیح زندگی گزارنے والا انسان بے خواہشات، منفی جذبات، خراب عادات اور دیگر انسانوں کی غلامی سے بھی نجات پا جاتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات (۵)

توحید کا علم، عقل اور انسانی ہدایت سے تعلق بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ذریعے انسان کو توحید کی روشنی عطا نہ فرماتا تو انسان محض عقل کے سہارے حقیقت الحقائق تلاش نہ کر پاتا۔ توحید کے سوا عقل کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ راستہ نہ ملتا تو اس کی کشتی موجوں ہی کے تھپڑے کھاتی رہتی، ساحل پر ہرگز نہ پہنچتی ۔

در جہانِ کیف و کم گردید عقل پے بہ منزل بُرد از توحید عقل (۶)

ترجمہ:۔ عقل اس مادی جہاں میں حیران وسرگرداں رہی۔ صرف توحید کے ذریعے سے اس کے لیے منزل تک پہنچنے کا بندوبست ہُوا۔

توحید کا اقرار صرف عبادات، نماز، ذکر وفکر کی شکل میں ہی ضروری نہیں بلکہ ہمیں اپنے عمل سے بھی توحید کا اقرار کرنا چاہیے۔ عمل سے توحید کے اقرار کی اعلیٰ ترین مثال میدانِ کربلا میں سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کا اعلانِ حق کرنا اور پھر ہر طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔ توحید کے اس عملی اقرار کی بدولت ہی تو انہیں نہایت اعلیٰ مقام حاصل ہُوا۔

اگر اسلامی معاشرے میں تمام مسلمان حق پرستی، حق گوئی، بے باکی کے شعار اپنالیں تو معاشرہ ہر قسم کی برائیوں اور کمزوریوں سے پاک ہوجائے گا۔ شخصی اور ملی خودی مستحکم ہوگی اور امتِ مسلمہ عقیدہ توحید کے عملی اثبات کا مظہر ہوگی۔ اس لیے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں ۔

تا ز اسرارِ تو بنماید ترا امتحانش از عمل باید ترا (۷)

ترجمہ:۔ تو توحید کے بھیدوں سے اس وقت تک پوری طرح آگاہ نہیں ہوسکتا جب تک عمل کے ذریعے سے اس کی آزمائش نہ کرلے (یعنی محض زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بلکہ توحید پر عمل پیرا ہونا اور اس کی عملی افادیت، ضرورت اور اہمیت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔)۔

توحید کی قوت پست کو بلند، ادنیٰ کو اعلیٰ اور کمزور کو طاقت ور کردیتی ہے۔ یہ عاشقوں کو عمل کی قوت وقدرت عطا کرتی ہے۔ دین توحید سے ہے۔ توحید نہیں تو دین بھی نہیں اور شریعت بھی نہیں۔ عقل توحید سے ہے۔ وہ افراد جو توحید کے حقیقی مفہوم سے آگاہ نہیں بے عقل، بے علم اور نادان ہیں۔

قدرتِ او برگزیند بندہ را نوعِ دیگر آفریند بندہ را (۸)

ترجمہ:۔ توحید کی قوت انسان کو بلندی پر پہنچادیتی ہے اور اس میں نئی طرح کی زندگی پیدا کردیتی ہے۔(۹)

علامہ اقبالؒ، عقیدہ توحید کے حوالے سے دلچسپ اور حیات افروز نکات بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کی سوچ، عقائد اور تصورات ونظریات کا اس کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ توحید کے قائل افراد کی سوچ نہایت بلند ہوتی ہے۔ وہ حریت، اخوت، مساوات، جذبِ باہمی اور عدل وانصاف کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور تمام شعبہ جاتِ زندگی میں نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ روشن ستاروں کی طرح مخلوقِ خدا کے رہنما ثابت ہوتے ہیں۔ جب توحید کے فکری، عملی، اعتقادی رابطے خالق اور مخلوق کے درمیان استوار اور مستحکم ہوتے ہیں تو اہلِ توحید دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ وہ مسائل دنیا کا شکار نہیں رہتے۔ وہ اہلِ دنیا کے در پر سائل بن کر نہیں جاتے بلکہ دنیا ان کے فیوض وبرکات اور سخاوتوں سے فیضیاب ہوتی ہے۔

چوں مقامِ عبدہٗ محکم شود کاسہ دریوزہ جامِ جم شود (۱۰)

ترجمہ:۔ جب خدا کا بندہ، عبدہٗ کے مقام پر جم کر بیٹھ جاتا ہے تو بھیک کا کاسہ، جامِ جم (بادشاہ جمشید کا پیالہ) بن جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بندگی کی بدولت بھکاری بے نیازی کے بلند ترین مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔(۱۱)

علامہ اقبالؒ کلمۂ توحید کو اساس ومیزانِ فکر وعمل قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ معبودانِ باطن کی نفی کی طرح، باطل تصورات، باطل اعمال، باطل نظریات کی نفی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح معبودِ حقیقی کے اقرار اور اثبات کی طرح درست وصحیح عقائد، تصورات اور نظریات کا اقرار بھی ضروری ہے۔ نفی واثبات کا یہ عمل فکر وعمل دونوں میں جاری رہنا چاہیے۔ اگر پتھر دل انسان بھی اس روحانی اصول پر عمل کرے تو اس کا دل زندہ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان اس اصول پر عمل نہ کرے تو اس کا دل مردہ اور بے قیمت ہوجاتا ہے۔ ۔

نقشِ اُو گر سنگ گیرد دل شود دل گر از یادش نسوزد گِل شود (۱۲)

ترجمہ:۔ اگر پتھر 'لاالہٰ' کا نقش قبول کرتا ہے تو وہ دل بن جائے گا۔ اگر دل 'لاالہٰ' کی یاد سے حرارت حاصل نہ کرے وہ مٹی کی مانند حقیر، ہیچ اور بے قیمت رہ جاتا ہے۔ (۱۳)

اقبالؒ کہتے ہیں کہ ہمارا کل سرمایہ، شعارِ توحید ہے۔ اسی عقیدۂ توحید کی بدولت بُت پرستی کا خاتمہ ہُوا، کفر و جہالت کے اندھیرے دور ہوئے، ذات پات، رسم ورواج کے بندھن ٹوٹ گئے، ذاتی اختلافات دور ہوئے، رشتۂ اخوت قائم ہوا، تمیز آقا و غلام ختم ہوئی، مساوات قائم ہوئی، دینی رشتوں کو تمام رشتوں پر ترجیح دی گئی ہے۔

اسود از توحید احمر می شود خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

دل مقامِ خویشی و بیگانگی است شوق را مستی ز ہم پیمانگی است (۱۴)

ترجمہ:۔ توحید کی برکت سے سیاہ رنگ کا آدمی سرخ رنگ کے آدمی کا ہمسر بن جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے یگانہ بزرگان، ملت سے اپنایت کا رشتہ پیدا کر لیتے ہیں۔ دل اپنایت اور اجنبیت کا مقام ہے۔ شوق کا تقاضا ہے کہ اکٹھے بیٹھ کر پئیں اور مستی طاری ہو۔ (۱۵)

علامہ اقبالؒ افراد و قوم اور خودی و بے خودی کے باہمی تعلق کی اہمیت، ضرورت اور افادیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ توحید سے حق کی تڑپ پیدا ہوتی ہے اور حق کی تڑپ سے قوم میں فکری اور عملی وحدت پیدا کی جاسکتی ہے۔ فکری و عملی وحدت کی بدولت افراد بھی ترقی کریں گے اور قوم بھی۔ اس سے معاشرہ میں امن اور سلامتی کی فضاء قائم ہوگی۔ افراد مادی، روحانی، معاشی، غرضیکہ ہر لحاظ سے ترقی کریں گے۔ اس طرح قوم بھی ترقی کرے گی۔

دنیا کی جتنی بھی قومیں ہیں ان کی بنیاد رنگ، نسل، نسب یا جغرافیائی حدود ہیں۔ صرف امتِ مسلمہ ہی ایسی امت ہے جس کی بنیاد عقیدۂ توحید پر قائم ہے۔ ہمارے دلوں میں عقیدۂ توحید کی بدولت جذبِ باہم ہے۔ جس طرح تاروں کے درمیان کشش یا جذب ہمیں نظر نہیں آتا اسی طرح ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اگرچہ وہ نظر نہیں آتا مگر ہمارے دل اس میں بندھے ہوئے ہیں۔

رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است چوں نگہ ہم از نگاہِ ما گم است (۱۶)

اس قوم کا رشتہ ستاروں کے باہمی تعلق کا سا ہے۔ وہ موجود ہیں مگر نگاہ کی طرح ہماری نگاہوں سے گم ہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا .... (۱۷)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا فرمائی ہے اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ تمہارا یہ حال تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ لیکن اس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے۔'' (۱۸)

علامہ اقبالؒ اس قرآنی آیت کا مفہوم شعر میں بیان کرتے ہوئے، عقیدۂ توحید کو اس کے حقیقی مفہوم کے ساتھ عملی زندگی میں اپنانے اور اس کے جملہ ثمرات سے مستفید ہونے کا درس دیتے ہُوئے کہتے ہیں:

ما ز نعمتہائے او اخواں شدیم یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم (۱۹)

اس (ذاتِ باری تعالیٰ) کے فضل و کرم سے ہم آپس میں بھائی بھائی بن گئے ہیں۔ یک زبان، یک دل اور یک جاں ہو گئے ہیں۔

مایوسی، غم اور خوف ام الخبائث ہیں۔ ایسے افراد جو دل سے اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے اور جانتے ہیں اور اپنے جملہ امور میں اس عقیدے کو اپناتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اخلاقِ رذیلہ سے پاک کر دیتا ہے۔ وہ مایوسی، غم اور خوف سے چھٹکارا پا لیتے اور فلاحِ دارین حاصل کر لیتے ہیں۔ عقیدۂ توحید کی عمرانی اہمیت بیان کرنے کے فوراً بعد علامہ اقبالؒ ان منفی جذبات (مایوسی، غم اور خوف) کے مضر اثرات کا ذکر

کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ توحید پرست افراد مایوسی، غم اور خوف سے چھٹکارا پا لیتے ہیں اور ان کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح توحید پرست قوم بھی ان جذبات کے چنگل سے آزاد ہوتی ہے۔

علامہ اقبال مایوسی کے منفی اثرات اور ان سے چھٹکارا پانے کا طریقہ یوں بیان کرتے ہیں:

مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست		زندگانی محکم از لَا تَقْنَطُوا است (۲۰)

ترجمہ:۔ موت کا سروسامان آرزو کا کٹ جانا ہے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی بشارت ’’ لَا تَقْنَطُوا ‘‘ سے محکم ہوتی ہے۔ (۲۱)

مراد یہ ہے کہ مایوسی اور ناامیدی انسان کے جذبات کو مردہ کر دیتی ہے۔ ایسا انسان بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے اور ناکام و محروم رہتا ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ‘‘ (۲۲)

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

غم بھی انسانی حواس، قویٰ اور جذبات پر منفی اثرات رکھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ غم سے بچنے کی تعلیم یوں دیتے ہیں:

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر		از نبیؐ تعلیم لَا تَحْزَنْ بگیر (۲۳)

ترجمہ:۔ ’’اے مخاطب! تو کیوں غم کے قید خانے میں جکڑا بیٹھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے لاتحزن کا سبق حاصل کر‘‘۔ (۲۴)

مراد یہ ہے کہ حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہو جائیں کبھی غمگین نہیں ہونا چاہیے۔

خوف سے طرح طرح کی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ خوف زدہ شخص قوتِ عمل اور حق پرستی سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ ناموافق چیزوں کو بھی خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ہر شرِ پنہاں کہ اندر قلبِ تست		اصلِ او بیم است اگر بینی دست
لابہ و مکاری و کین و دروغ		ایں ھمہ از خوف می گیرد فروغ (۲۵)

ترجمہ:۔ جو برائیاں تیرے دل کے اندر چھپی ہوئی ہیں اگر تو غور کرے تو واضح ہو جائے گا کہ وہ سب خوف سے پیدا ہوئیں (ان کی اصل جڑ خوف ہی ہے)۔ خوشامد، مکر وحیلہ، کینہ، جھوٹ، یہ سب خوف ہی سے فروغ پاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ خوف سے چھٹکارا پانے کا طریقہ یوں تجویز فرماتے ہیں:

قوتِ ایماں حیات افزایدت		وردِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِم بایدت! (۲۶)

ترجمہ:۔ ایمان کی قوت تیری زندگی بڑھاتی ہے۔ تجھے چاہیے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِم کا ورد جاری رکھے۔ یعنی خوف تیرے پاس پھٹکنے نہ پائے۔ (۲۷)

جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو دل و جان سے ایک مان لیتا ہے، اس کی اطاعت بجا لاتا ہے، ضبطِ نفس کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کمزوریاں اور خامیاں دور فرما دیتا ہے۔ ایسا شخص مایوسی، خوف اور غم جیسے منفی جذبات سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت کی امید ہوتی ہے۔ اسے کسی دشمن کا ڈر یا خوف نہیں ہوتا۔ وہ موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ وہ بہادر، بے باک اور شجاع ہوتا ہے۔ توحید پرستی اور بندگی کی بدولت وہ مقامِ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوید اور بشارت ملتی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں انہیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم۔ ایسا مردِ مومن خدا کی بارگاہ میں سراپا عجز و نیاز ہوتا ہے اور باطل کے لیے خدائی قہر بن جاتا ہے۔

تصورِ توحید علامہ اقبالؒ کی تمام تصانیف، بانگِ درا (دیکھیں شمع و شاعر)، جاوید نامہ، مثنوی مسافر وغیرہ میں کسی نہ کسی شکل میں بیان ہُوا ہے۔ مثلاً

فرد از توحید لاہوتی شود		ملت از توحید جبروتی شود (۲۸)

قوت سلطان ومیر از لَآ اِلٰــــــــہ ہیبتِ مرد فقیر از لَآ اِلٰــــــــہ (۲۹)
صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لَآ اِلٰــــــہ میں ہے (۳۰)
تا نہ رمز لَآ اِلٰــــــــہ آید بدست بندِ غیر اللہ را نتواں شکست
پیش غیر اللہ لَآ گفتن حیات تازہ از ہنگامہ او کائنات (۳۱)
کسے کو لَآ اِلٰــــــــہ را در گرہ بست ز بندِ مکتب و ملاّ بروں جست (۳۲)

۱۔ فردتوحید کی بدولت نیک صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ملت توحید کی بدولت طاقت،عظمت اور بزرگی پاتی ہے۔
۲۔ بادشاہ اور امیر باطل (قوتوں،نظریات،تصورات) کی نفی سے قوت پاتے ہیں۔مردِ فقیر باطل کی نفی سے رعب ودبدبہ پاتا ہے۔
۳۔ یہ دنیا بت کدہ ہے اور اس میں مردِ حق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا کردار ادا کرتا ہے۔یہ وہ خاص راز ہے جو باطل کی نفی سے آشکار ہوتا ہے۔
۴۔ جب تک باطل قوتوں کی نفی کرنے کا راز سمجھ نہیں آتا،غیر اللہ کی غلامی سے نجات نہیں ملتی۔
۵۔ غیر اللہ کے سامنے برائی کی نفی کرنا ہی زندگی ہے۔اسی نفی سے ہی کائنات میں خیر وشر کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے۔
۶۔ وہ انسان جو لَآ اِلٰہ کے فلسفے کو اپنا لیتا ہے،وہ مکتب اور ملاّ کی قید سے نجات پالیتا ہے۔

اقبالؒ کے تصورِ توحید کے ضمن میں ڈاکٹر این میری شمل لکھتی ہیں:

''اقبال عمر بھر نغمہ توحید الاپتے رہے اور خدائے حی وقیوم سے استمداد کرتے رہے۔عقیدۂ توحید سے ان کے بقول مومن کو تقویت ملتی ہے۔ انہوں نے مثنوی رموزِ بیخودی،بالِ جبریل اور پس چہ باید کرد،وغیرہ میں یہ نکات بار بار واضح کئے ہیں کہ توحید مسلمانوں کو غیر معمولی ایمانی قوت مہیا کرتی ہے۔یہ مردِ مسلمان کے ہاتھ میں ایک شمشیر برہنہ ہے۔یہ عقیدہ اگر مومن کے تن من میں مکمل طور پر سرایت کر جائے تو وہ ہر قسم کے خوف وحزن سے محفوظ رہتا ہے۔'' (۳۳)

علامہ اقبالؒ نے اپنے تصورِ خودی (انفرادی خودی)،بے خودی (اجتماعی خودی) اور خودیٔ مطلق کا باہمی تعلق بیان کیا اور واضح کیا کہ توحید کے تقاضے پورے کرنے سے خودی مستحکم ہوتی ہے اور اس کا خودیٔ مطلق سے رابطہ قائم ہوتا ہے۔ضربِ کلیم کے درج ذیل اشعار میں یہ مضمون بخوبی ادا کیا گیا ہے ؎

لَــآ اِلٰـــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ

خودی کا سرِّ نہاں لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ خودی ہے تیغ،فساں لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں، لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا فریبِ سود وزیاں! لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم وگماں! لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری نہ ہے زماں،نہ مکاں! لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں، لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں، لَآ اِلٰــہَ اِلَّا الــلّٰــــہ (۳۴)

مقام رسالت:

اسلامی قومیت کا دوسرا رکن رسالت ہے۔رسالت درجے اور رتبے کے لحاظ سے یقیناً توحید کے بعد آتی ہے مگر ہیئت اجتماعیہ کے نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت توحید سے کم نہیں۔(۳۵)

جب سے اقبال کو قومیت کے جدید تصور کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہوا تھا اور وہ اسلام کے عمرانی تصورات کی صداقت کے قائل ہوئے

تھے۔اس زمانے سے لے کر زندگی کے آخری ایّام تک وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی مرکزی حیثیت پر زور دیتے رہے۔وہ ابھی ولایت ہی میں تھے کہ انہوں نے اس موضوع پر اپنا پہلا شعر ۱۹۰۶ء میں کہا تھا ؎

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

(بانگِ درا) (۳۶)

وفات سے صرف چند ماہ پہلے انہوں نے اپنا وہ تاریخی قطعہ کہا تھا جس میں مولانا حسین احمد مدنی کو مخاطب کر کے قومیتِ اسلام کا راز بیان کیا،نظریۂ قومیت دہرایا اور مسلمانوں کو خبردار کیا کہ رسالت محمدیہ سے وابستگی میں ذرہ برابر کمی نہ آنے دیں کیونکہ مسلمانی اور کافری کے درمیان یہی تعلق خاطر حدِّ فاصل ہے۔جب تک یہ رشتہ قائم ہے،دین قائم ہے۔جب یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا تو دین بھی باقی نہ رہے گا۔وہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

عجم ہنوز نہ دانند رموزِ دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغانِ حجاز) (۳۷)

رسالت بنائے اتحادِ ملت:

علامہ اقبالؒ نے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی مرکزی حیثیت کو واضح کیا ہے۔رسالت کی بدولت ہمارے دلوں میں اتحاد کی شمع روشن ہے۔رسالت نے ہمیں ہم نفس اور ہم نوا بنایا ہے اور ہمارے اتحاد و وحدت کو پختہ بنیاد بخشی ہے۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما از رسالت دین ما آئینِ ما (۳۸)

ترجمہ:۔ ہمارا وجود اس دنیا میں رسالت سے ہے۔رسالت ہی سے ہمیں دین ملا،رسالت ہی سے شریعت ملی۔(۳۹)

از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما (۴۰)

ترجمہ:۔رسالت نے ہمیں ہم نوا اور ہم آہنگ کیا۔ہم ایک دوسرے کے ساتھی،رفیق اور ہمدرد بنے (۴۱)

حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے ؎

لَا نَبِیَّ بَعْدِی زاحسانِ خدا است پردہ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است (۴۲)

ترجمہ:۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔یہ خدا کا احسان ہے اور یہ دینِ مصطفیٰ کے ناموس کا پردہ ہے۔(۴۳)

دین اسلام،قرآن حکیم اور رسالتِ محمدی زماں اور مکاں کی پابندیوں سے وریٰ ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔تمام دنیا کے مسلمانوں میں عقیدۂ رسالت کی وجہ سے اتفاق و اتحاد ہے۔آپ ﷺ کے بعد کئی افراد نے نبوت کے جھوٹے دعوے کئے مگر خائب و خاسر ہو کر واصلِ جہنم ہُوئے۔اتحادِ ملی کو ختم کرنے کے لیے اہلِ باطل اس طرح کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہُوئے اور نہ ہی ہوں گے۔ملت کی وحدت کا راز آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور آپ ﷺ کی بدولت اسلام کا شیرازہ ابد تک کے لیے باندھ دیا۔

جب ملت کا وجود و اتحاد رسالت مآب ﷺ کا رہینِ منت ہے تو پھر رسالت سے ہمارا رشتہ جس قدر محکم ہوگا قوم میں اسی قدر زندگی اور تابانی بڑھے گی اور جس قدر یہ رشتہ کمزور ہوگا ملت کمزور ہوگی۔دامنِ رسالت (ﷺ) کو ہاتھ سے چھوڑنا گویا اپنے ضعف و انتشار کو دعوت دینا ہے۔اس سے ملت خزاں دیدہ چمن کی طرح مرجھا جائے گی ؎

دامنش از دست دادن مردن است چوں گل از بادِ خزاں افسردن است (۴۴)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ کا دامن ہاتھ سے دینے کا مطلب ہے کہ موت قبول کر لی جائے اور وہ حالت پیدا ہو جائے جو موسمِ خزاں میں پھول کی ہوتی ہے یعنی افسردہ ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔(۴۵)

رسالتِ محمدیہ کا مقصود.....انسانی حرّیت، اخوّت اور مساوات:۔

حریت:

حریت کا لفظی مطلب 'آزادی' ہے۔علامہ اقبالؒ نے یہ اصطلاح 'روحانی جمہوریت' کے مفہوم میں استعمال کی ہے۔حریت یہ ہے کہ قانونِ خداوندی کی پیروی کی جائے اور دین وسیاست کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔

اخوت:۔

اخوت کی رو سے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں جن میں برتری کا معیار تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔

مساوات:۔

مساوات سے مراد قانون کی نظر میں برابری ہے کیونکہ معاشی مساوات کا تصور غیر منطقی اور غیر عملی ہے۔

''رسولِ اکرم ﷺ کا بنیادی پیغام توحید۔۔۔اگرچہ پہلے انبیاء کرام سے مختلف نہیں ہے لیکن توحید کی اساس پر جس قسم کی سوسائٹی آپ ﷺ نے تعمیر کی اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ بنی اسرائیل کے انبیاء حق وصداقت کی تعلیم دیتے رہے لیکن عملاً جو معاشرہ یہود نے قائم کیا اس میں نسلی امتیاز کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نسلی امتیاز وتفریق کو مٹانے کی کوشش کی لیکن ان کے ماننے والوں نے بہت جلد مذہب کو ایک ذاتی معاملہ، ایک پرائیویٹ شے قرار دے لیا جس سے عیسائیت کے معاشرتی اصول مناسب نشوونما نہ پا سکے اور مطلوبہ معاشرت وجود میں نہ آئی۔اس کے برعکس رسولِ کریم ﷺ نے ۲۳ سال کی طویل جدوجہد اور شبانہ روز محنت سے ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو انسان کی حریت، اخوت اور مساوات کی نہایت زندہ اور پائندہ مثال ہے۔''(۴۶)

زمانہ جاہلیت کا انسان اپنے درجے اور مرتبے کو بھول کر ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کا صید زبوں تھا۔محکوم طبقہ ان حاکموں اور پیشواؤں کے سامنے بے بس اور ناکس تھا اور وہ انسان پرستی پر مجبور ہو چکا تھا۔غلامی نے اس کی فطرت مسخ کر ڈالی اور وہ اندر ہی اندر سے روحانی و اخلاقی طور پر مر چکا تھا ؎

از غلامی فطرت او دوں شدہ نغمہ ہا اندر نئے اُو خوں شدہ (۴۷)

غلامی کی بدولت اس کی فطرت پست ہوگئی ہے۔اُس کی سرشت میں انقلاب کا جذبہ دم توڑ گیا ہے۔

قدرت نے ان محکوم اور مظلوم انسانوں کی مدد کے لیے نبی کریم ﷺ کو مقرر فرمایا۔آپ ﷺ نے اپنی رسالت کے ذریعہ انسانوں کو ایک بالکل نئے تخیل سے آشنا کیا۔یہ تخیل یہودی، عیسائی، یونانی اور رومی تہذیبوں میں موجود نہیں تھا۔آپ ﷺ نے مذہبی آزادی، مذہبی رواداری، حریت، مساوات اور اخوت کی تعلیم دی اور انقلاب برپا کر دیا۔اس کی بدولت غریبوں اور محنت کشوں کی آبرو قائم ہوئی اور ملوکیت اور خواجگی کے آثار مٹنے لگے۔

۱۔ اعتبارِ کاربنداں را فزود خواجگی از کارفرمایاں ربود!
۲۔ قوت او ہر کہن پیکر شکست نوع انساں را حصارِ تازہ بست
۳۔ تازہ جاں اندر تنِ آدم دمید بندہ را باز از خداوناں خرید (۴۸)

۱۔ حضور نبی کریم ﷺ کی برکت سے مزدوروں کی عزت بڑھ گئی۔جو لوگ کارفرما بنے بیٹھے تھے ان سے آقائی اور برتری کا منصب چھن گیا۔

۲۔ انہوں نے ہر پرانے ڈھانچے کی قوت توڑ کر رکھ دی اور عالمِ انسانیت کے گرد ایک نیا حصار حفاظت کیلئے قائم کر دیا۔

۳۔ آدمی کے جسم میں نئی جان ڈالی۔غلاموں کو ان کے حاکموں سے خرید کر آزاد کر دیا۔(۴۹)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش دراصل پرانی دنیا کی موت تھی اور آپ ﷺ کے ضمیرِ پاک سے حریتِ آدم نے جنم لیا۔

زادنِ اُو مرگِ دنیائے کہن مرگِ آتش خانہ و دیر و شمن

حریت زاد از ضمیرِ پاک اُو ایں مئے نوشیں چکید از تاکِ اُو (۵۰)

ترجمہ:۔اس وجودِ پاک کا ظہور پرانی دنیا کے لیے موت کا پیغام تھا۔آتش کدے سرد ہو گئے، بت خانوں کا نام ونشان باقی نہ رہا (مٹ گیا)۔اس وجود کے پاک ضمیر سے آزادی پیدا ہوئی۔

دنیا پہلی بار رسالتِ محمدیہ (ﷺ) کی بدولت انسانی حریت، مساوات اور اخوت کے تصورات سے آگاہ ہوئی۔اس انقلابی تحریک کی بدولت دنیا میں امتِ مسلمہ حقیقی، فطرتی اصولوں کے مطابق وجود میں آئی۔اسلام نے رنگ، نسل، نسب اور وطن کی بنا پر انسانی تقسیم کو رد کر دیا، تمام باطل امتیازات کو مٹا دیا اور انسان کو خود شناسی، خدا شناسی کا سبق دے کر ایک وحدت میں پرو دیا۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ

۱۔ مسلمان روحِ اسلام کے پیشِ نظر اپنی اصلاح کریں اور متفق ومتحد ہو جائیں۔

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر (۵۱)

۲۔ آج دنیا جن حالات سے دوچار ہے، جن گوناگوں مشکلات میں گرفتار ہے، ان سے نکلنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جسے اسلام نے آج سے صدیوں پہلے تجویز کیا تھا۔یعنی مادی اور طبعی رنگ کی قومیتوں کو مٹا کر روحانی اور اخلاقی اصولوں پر انسانوں کی وحدت کا قیام۔دنیا کے ذہین افراد میں یہ احساس روز بروز بڑھ رہا ہے کہ وطنیت کی بنیاد پر اٹھائے جانے والا نظامِ اجتماعیت، نوعِ انسانی کے مجموعی مفادات کی حفاظت میں ناکام رہا ہے۔وہ وطنیت کی عائد کردہ قیود کو توڑنے کے لیے بے تاب ہیں۔ایسے افراد کے لیے اسلام کے بے نظیر تجربے میں ہدایت ورہنمائی ہے۔''(۵۲)

عقیدہ ختم نبوت پر علامہ اقبال کا منفرد، منطقی استدلال:

علامہ اقبالؒ، عقیدہ نبوت کے بارے میں بھی خاص نقطۂ نظر رکھتے تھے۔اس ضمن میں وہ کہتے ہیں:

۱۔ اسلام کا ظہور۔۔۔۔استقرائی عقل کا ظہور ہے۔اسلام میں نبوت چونکہ کمال کو پہنچ گئی۔لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔

۲۔ نبوت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس سے مخصوص وحی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔تاہم، الہام کا سلسلہ جاری رہے گا مگر اس الہام کی بنا پر کوئی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔جو کوئی ایسا دعویٰ کرے اور اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، وہ خود کافر ہے۔وہ اور اس کا گروہ اسلامی وحدت کے لیے خطرہ ہے کیونکہ اسلامی وحدت ختمِ نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے۔

۳۔ نبوت کے خاتمے کے بعد انسان کو اپنے شعورِ ذات کی تکمیل کے لیے حصولِ علم کے مختلف ذرائع؛ باطنی مشاہدہ، مطالعۂ فطرت اور تاریخ سے کام لینا ہوگا۔

۴۔ عقیدۂ ختم نبوت ملائیت، پاپائیت اور ملوکیت کے خاتمے کا اعلان ہے۔

۵۔ ملائیت، پاپائیت اور ملوکیت کا خاتمہ، عقلِ استقرائی کا ظہور، عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ، یہ سب تصورِ خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

اس طرح علامہ اقبالؒ نے ''ختم نبوت'' کے جامع تصور کے ساتھ ارتقائے حیات کا تصور پیش کیا اور مسلسل حصولِ علم، مسلسل اصلاح اور ترقی کا سفر جاری رکھنے کی تلقین کی ہے کیونکہ انقلاب وارتقا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔(۵۳)

نماز ودعا:

کلمہ طیبہ کے بعد 'نماز' دین اسلام کا دوسرا رکن ہے۔دعا 'نماز' کا ایک اہم پہلو ہے جو نماز کے بعد اور اس کے علاوہ کہیں بھی اور کسی

وقت بھی کی جاسکتی ہے۔ پھر ذکرِ خدا ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ خدا کی یاد اور اس کی توصیف میں بعض کلمات بار بار ادا کئے جائیں۔ علامہ اقبالؒ کی بہترین نظمیں دعائیہ غزلیں ہیں یا دعا و نماز کے جذبے نے ان کی آنچ کو تیز کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس بات پر زور دیا کہ

۱۔ تمام عبادات بطور رسم ادا نہ کی جائیں بلکہ ان کے حقیقی تقاضے مدنظر رکھنے چاہئیں اور ان کے حقیقی مقاصد فکری و عملی دونوں سطحوں پر حاصل ہونے چاہئیں۔

۲۔ نماز و دعا محض اطاعت ہی نہیں بلکہ محبت کے اظہار کا ذریعہ بھی ہیں۔

۳۔ فرض نماز کی ادائیگی مومن کو ماسوا اللہ سے آزادی کا درس دیتی ہے۔ (۵۴)

۴۔ نماز باجماعت کے فوائد بیان کرتے ہُوئے، علامہ اقبال کہتے ہیں:

''.....اگر ہم چاہتے ہیں، عبادت کا مقصد زیادہ کامیابی سے حاصل ہو سکے تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اسے اجتماعی شکل دیں۔ یوں بھی اگر عبادت میں خلوص اور صداقت کا رنگ موجود ہے تو اس کی روح ہمیشہ اجتماعی ہوگی..... یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ بحالتِ اجتماع ایک عام انسان کی قوتِ ادراک کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس کے جذبات میں کچھ ایسی شدت اور ارادوں میں وہ حرکت پیدا ہوتی ہے جو دوسروں سے الگ تھلگ رہتے ہُوئے ہرگز ممکن نہیں۔ لہٰذا بہ لحاظ ایک نفسیاتی مظہر کے دعا ایک راز ہے.....اسلام نے عبادت کو اجتماعی شکل دے کر (صلوٰۃ/نماز باجماعت میں) روحانی تجلیات میں بھی جو اجتماعی شان پیدا کر دی ہے، اس پر ہمیں خاص طور سے توجہ کرنی چاہیے۔'' (۵۵)

۵۔ نماز باجماعت سے مساواتِ اجتماعی اور سماجی مساوات کا بھی درس ملتا ہے۔

۶۔ عبادت کے لیے مخصوص سمت کا تعین اس لیے ہے کہ جماعت کے اندر ایک ہی قسم کے جذبات موجزن ہو سکیں۔

۷۔ عبادات کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور قلب و باطن کی اصلاح ہے۔

۸۔ تمام عبادات حضورِ قلب سے ادا ہونی چاہئیں۔ حضورِ قلب کے بغیر عبادات سے کوئی روحانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ دعا ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب (۵۶)
تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر (۵۷)

۹۔ 'اذان' کی صدا اسلامی نظریۂ حیات کو منعکس کرتی ہے۔ یہ حیات کی علامت ہے۔ عصرِ حاضر میں تمام عبادات کی طرح اذان بھی بطور رسم دی جاتی ہے۔ عصرِ حاضر کی اذانیں بے روح ہیں ؎

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالیؓ نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی (۵۸)
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا (۵۹)

۱۰۔ تکبیر یا اللہ اکبر انسانی شعور کو بدل دیتے ہیں۔ اس کی سب زندگی متغیر اور سراپا روحانی بن جاتی ہے۔ اگر عبادات سے انسان کی خودی مستحکم نہ ہو، خودیٔ مطلق سے اس کا رابطہ قائم نہ ہو تو ایسی عبادات کا کوئی فائدہ نہیں ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات (۶۰)

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

''مذہب کے عزائم فلسفہ سے بلند تر ہیں۔ مذہب کے لیے یہ ممکن نہیں کہ صرف تصورات پر قناعت کر لے۔ وہ چاہتا ہے اپنے مقصود و مطلوب کا زیادہ گہرا علم حاصل کرے اور اس سے قریب تر ہوتا چلا جائے لیکن یہ قرب حاصل ہوگا تو دعا کے ذریعے۔ دعا وہ چیز ہے جس کی انتہا روحانی تجلیات پر ہوتی ہے.....'' (۶۱)

روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد:

ان عبادات کی غرض وغایت اور حقیقی مقاصد کے بارے میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

۱۔ ارکانِ اسلام (توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کی ادائیگی کا حقیقی مقصد بہترین انسان اور بہترین امت بننا ہے۔

۲۔ اسلام کا ہر رکن انسانی زندگی کی صحیح نشوونما کے لیے اپنے اندر ہزار ہا ظاہری اور باطنی مصلحتیں رکھتا ہے۔

۳۔ روزے سے انفرادی سطح پر ہر مسلمان جسم اور جان دونوں لحاظ سے تزکیہ پاتا ہے۔ اس سے اجتماعی سطح پر اقتصادی ومعاشرتی مساوات قائم ہوتی ہے۔ صدقہ عیدالفطر، زکوٰۃ اور اصول تقسیم وراثت اقتصادی ومعاشرتی مساوات قائم کرنے کا تیسرا ذریعہ ہے۔ مسلمان ماہِ رمضان میں کامل تزکیۂ نفس کے ساتھ پورا مہینہ نزول قرآن حکیم کی سالگرہ مناتے ہیں اور اجتماعی حیات کا قانون بھی سیکھتے ہیں۔

۴۔ روزوں سے کفایت شعاری، میانہ روی، اعتدال، سماجی ومعاشی مساوات کا عملی سبق ملتا ہے، ساتھ ہی اس بات کا درس ملتا ہے کہ اپنی قوت اور سرمایہ حکم ربی کے مطابق ذاتی، انفرادی اور اجتماعی فلاح کے لیے خرچ کریں اور ناحق ایک دوسرے کے مال ودولت نہ کھائیں۔ (۶۲)

۵۔ حج مسلمانانِ عالم کے لیے اتحاد وملاقات کے بے نظیر مواقع فراہم کرتا ہے۔ یہ انہیں رشتۂ اخوت قائم کرنے اور اسے مضبوط کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

مومناں را فطرت افروز است حج ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایۂ جمعیتے رابطہ اوراقِ کتابِ ملتے (۶۳)

۱۔ حج سے مؤمن کی فطرتِ سلیمہ قوت پاتی ہے۔ اس سے برائی اور بری جگہ سے ہجرت کا جذبہ پیدا ہوتا اور بے جا وطن پرستی کا جذبہ ختم ہوجاتا ہے۔

۲۔ باہمی اتفاق واتحاد کا اصل سرمایہ جذبۂ اطاعت ہی ہے۔ کتابِ ملت کے اوراق اسی قوت سے یکجا (متحد) ہیں۔

خانہ کعبہ مسلمانوں کی مرکزیت اور اتحاد کی علامت ہے۔

حلقۂ ملت محیط افزاستے مرکز اُو وادیٔ بطحاستے
تانہ ایں وحدت ز دست ما روَد ہستیٔ ما با ابَد ہمدم شوَد! (۶۴)

حلقۂ ملت مسلسل وسعت پذیر ہے۔ اُس کا مرکز وادیٔ بطحا ہے۔

جب تک یہ وحدت ہمارے ہاتھ میں ہے، ہمارا وجود ابد سے ہم کنار ہے (یعنی ہم تا ابد قائم رہیں گے)۔

مکہ مکرمہ جمعیتِ آدمؑ کا مرکز ہے۔

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟ (۶۵)

خانہ کعبہ جہاں مسلمانوں کی وحدت کا مرکز ہے وہاں وہ عالمِ انسانی کے اتحاد کا نمائندہ بھی ہے۔

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے حرم کا راز توحیدِ امم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے (۶۶)

۶۔ اقبال جنگ کے خلاف تھے خواہ یہ اشاعتِ اسلام کے لیے ہی کی گئی ہو۔ تاہم، وہ جہاد کے قائل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمان اپنے اور اپنے دین کے دفاع میں تلوار اٹھا سکتا ہے۔ ایسا جہاد فرضِ عین ہے۔ بقول ان کے جہاد میں فتح یا شکست اہم نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ مومن راہِ حق میں جان قربان کردے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی (٦٧)

اقبال ہر اس کوشش کو جہاد قرار دیتے تھے جس سے انسان اور ملت کی خودی مستحکم ہو، جس سے دنیا و عقبیٰ بہتر ہو سکے۔(٦٨)

ایمان مفصل کی توضیح:

علامہ اقبالؒ نے اپنے نظم و نثر میں مختلف پیرائے میں فرشتوں کا ذکر بھی کیا ہے اور ابلیس کا بھی۔ اقبال عظمتِ انسانی کے قائل ہیں اور مومن کو اس کے اوصاف کی بناء پر فرشتوں سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ اس میں عشق اور آرزو کی استعداد ہے۔ انسان متحرک ہے جبکہ فرشتہ ساکن ہے۔ فرشتے عبادت و سجود کی بنا پر مقدس ہیں کیونکہ انہیں آزادئ رائے میسر نہیں ہے ۔

فرشتہ گرچہ بروں از طلسمِ افلاک است نگاہ او بتماشائے ایں کفِ خاک است

فرشتہ را دگر آں فرصتِ سجود کجاست کہ نوریاں بتماشائے خاکیاں مستند! (٦٩)

فرشتہ گرچہ طلسمِ افلاک سے باہر ہے، اس کی نگاہ اس مٹھی بھر خاک (انسان) کے کاموں پر ہے۔

فرشتوں کو دوبارہ سجدے کی فرصت کہاں ہے۔ اب یہ نوری مخلوق، خاکی مخلوق کے کام دیکھنے میں مصروف ہے۔

ملائکہ اپنی بلند مقامی کے باوجود انسانوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر مسحور ہوتے ہیں اور غلامانِ محمد ﷺ کی ان پر برتری بالکل واضح ہے:

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تُو فروغِ دیدۂ افلاک ہے تُو

ترے صید زبوں افرشتہ و حُور کہ شاہینِ شہِ لولاکؐ ہے تو (٧٠)

فرشتوں میں سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا زیادہ آیا ہے۔ دیگر فرشتوں کا بھی ذکر ہے مگر اس قدر کثرت سے نہیں جس قدر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر ہُوا ہے۔ ؎

حضورِ حق میں اسرافیلؑ نے میری شکایت کی یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریلؑ اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیلؑ

میری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی کہ بانگِ صورِ سرافیلؑ دل نواز نہیں (٧١)

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول (٧٢)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابلیس شر کا مظہر ہے۔ وہ ایک طاقتور، فعال اور چاک و چوبند دشمن ہے اور انسان کو فعال، باہمت، حوصلہ مند، جفاکش بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ابلیس پختہ تر حریف اور مدّ مقابل کا طالب ہے مگر عصرِ حاضر میں اسے ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ وہ خدا سے التماس کرتا ہے کہ وہ اسے ایسے پختہ تر انسان سے دوچار کرے جو اس کے سارے بل نکال سکے:

بندۂ باید کہ پیچد گردنم لرزہ اندازد نگاہش در تنم (٧٣)

مجھے ایسا بندہ چاہیے جو میری گردن مروڑ دے (اور) اس کی نگاہ سے میرے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے۔

انسانوں میں سے جو ابلیس کی پیروی کرتے ہیں وہ کردار میں ابلیس ہی کا مقام و درجہ رکھتے ہیں۔ یہ آب و گل کے شیطان آتشیں ابلیس سے بھی زیادہ ہولناک ہیں ؎

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (٧٤)

مغرب کے سیاستدانوں کو بھی اقبال اس عصر کے ابلیس کہتے ہیں ؎

فسادِ عصرِ حاضر آشکار است سپہر از زشتیٔ اُو شرمسار است

اگر پیدا کنی ذوقِ نگاہے! دو صد شیطاں ترا خدمت گزار است (٧٥)

ابلیس کا ایک سیاسی سفیر میکیاولی تھا جس نے دنیا میں بے رحم سیاست کی تبلیغ کی ؎

آں فلارنساوئ باطل پرست سرمۂ او دیدۂ مردم شکست (٧٦)

فلارنس کا وہ باطل پرست (میکاولی) جس کے سرمے نے انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی (انہیں دھوکا دیا)۔

(ب)......وبکتبہٖ :۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ قرآن حکیم سے خصوصی فکری و روحانی نسبت رکھتے تھے۔ ان کے تمام اساسی افکار و تعلیمات قرآن پر مبنی ہیں۔ وہ خود بھی قرآن مجید کی ایک آیت (۲:۱۳۸) کا حوالہ دیکر قرآن مجید کے رنگ میں اپنے رنگے ہونے کا ذکر کرتے ہیں ؎

گوھرِ دریائے قرآں سفتہ ام شرحِ رمزِ صِبْغَةُ اللّٰہ، گفتہ ام (۷۷)

میں نے قرآن حکیم کے سمندر سے موتی نکال لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جانے کا راز بیان کر دیا ہے۔

ان کے مکتوبات، تحریریں اور کلام ان کے مطالعہ قرآن کے مظہر ہیں۔ وہ خطبات میں قرآن حکیم کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ ''...... جب تک مومن کے دل پر کتاب (قرآن مجید) کا نزول ویسے نہ ہو جائے جیسے آنحضرت ﷺ پر ہوا تھا اس کا سمجھنا محال ہے۔'' (۷۸)

۲۔ ''قرآن...... کا حقیقی منشا...... یہ ہے کہ ذہن انسانی میں اس کا تعلق جو اسے کائنات اور خالقِ کائنات سے ہے اعلیٰ اور بہتر شعور پیدا کرے۔'' (۷۹)

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف (۸۰)

اقبال کہتے ہیں کہ قرآن حکیم ہمارے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کا حل ہے ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقراں زیستن (۸۱)
چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست نقشہائے کاہن و پاپا شکست
مثلِ حق پنہان و ھم پیداست ایں زندہ و پائندہ و گویا است ایں (۸۲)

اگر تم مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو قرآن حکیم کو زندگی کا حصہ بنائے بغیر یہ ممکن نہیں۔

قرآنِ حکیم کیا ہے؟ ظالم و جابر کے لیے پیغامِ موت ہے۔ یہ بے کس و بے بس، مسکین و نادار کا دستگیر (مددگار) ہے۔

جب اس جہان میں قرآنِ حکیم جلوہ افروز ہوا تو کاہنوں اور پاپاؤں کے نقوش مٹ گئے۔

(قرآنِ حکیم) حق (اللہ تعالیٰ) کی طرح باطن بھی ہے اور ظاہر بھی ہے۔ یہ زندہ و پائندہ اور کلام کرنے والی کتاب ہے۔

ایک دوبیتی میں اقبال خدا اور مومن انسان کا رشتہ قرآن اور اس کے سیپارے کا سا بتاتے ہیں اور ان کے فلسفۂ خودی کی رو سے یہ بات غور طلب ہے:

تو خورشیدی و من سیّارۂ تو سراپا نورم از نظارۂ تو
ز آغوش تو دُورم، ناتمام تو قرآنی و من سیپارۂ تو (۸۳)

تو سورج ہے اور میں تیرے گرد سیارہ ہوں۔ میں تیرا دیدار کرنے کی بدولت سراپا نور بن گیا ہوں۔

تیری آغوش سے دور ہو جاؤں تو میں ناقص ہوں۔ تو قرآن ہے تو میں تیرا سپارہ ہوں۔

اپنے فلسفہ خودی کے ضمن میں ۱۹۳۶ء میں اقبال نے ایک خط میں لکھا ہے:

''...... حدودِ خودی کے تعیّن کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔ جب احکامِ الٰہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیویٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں اور صرف رضائے الٰہی اس کا مقصود ہو جائے، تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا کہا ہے۔ بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔'' (۸۴)

اقبال اور قرآن

علامہ اقبال روزانہ صبح نہایت ذوق وشوق اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے۔ان کے والد شیخ نور محمد درویش منش انسان تھے۔وہ روزانہ اقبال کو تلاوت کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ایک دن انہوں نے اقبال کو قرآن حکیم کے ساتھ قلبی ربط اور تعلق قائم کرنے کا طریقہ بتایا کہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے وقت یہ سمجھو کہ یہ اس وقت تمہارے اوپر نازل ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہم کلام ہے۔(۱) ان کی اس نصیحت کا علامہ اقبال کے اوپر گہرا اثر ہوا وہ تاحیات اسی طرح قرآن حکیم کی تلاوت کرتے رہے۔اس کے نتیجے میں ان کا اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوتا رہا۔اس رابطے کے احساس کی وجہ سے ان پر شدید رقت طاری ہو جاتی۔ان کے آنسوؤں سے قرآن حکیم کے اوراق تر ہو جاتے۔وہ قرآن حکیم کے پیغام پر غور وفکر کرتے رہے۔قرآن حکیم سے ان کو حکمت حاصل ہوئی۔انہوں نے قرآن سے حاصل ہونے والی اسی بصیرت کی مدد سے امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب کی نشاندہی کی اور ان خرابیوں کو دور کرنے کا حل تجویز کیا۔اسی وجہ سے انہیں حکیم الامت کا خطاب ملا۔

قرآن حکیم، زندہ آسمانی کتاب ہے۔علامہ اقبال کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ پر قرآن کریم عربی عبارت میں نازل ہوا۔یہ خیال کرنا غلط ہے کہ ان پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا اور انہوں نے اسے متن کی شکل دی۔اس سلسلے میں فقیر سید وحید الدین روزِ فقیر میں لکھتے ہیں:

''فرمایا: ایک مرتبہ فارمن کرسچن کالج لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے بھی اس میں دعوت شرکت دی۔ اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اور کہنے لگے چائے پی کر چلے نہ جانا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ہم لوگ چائے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس آئے اور مجھے ایک گوشے میں لے گئے اور کہنے لگے: ''اقبال مجھے بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا اور چونکہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی انھوں ؐ نے قرآن کریم عربی میں منتقل کر دیا یا یہ عبارت ہی اسی طرح اتری تھی؟''

ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا کہ: اقبال! تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ عبارت ہی اسی طرح اتری ہے!۔

میں نے کہا: ڈاکٹر لوکس، یقین! میرا تجربہ ہے مجھ پر شعر پورا اترتا ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر عبارت کیوں نہیں پوری اتری ہوگی۔''(۲)

قرآن حکیم مکمل ضابطہ حیات اے علامہ اقبال نے مشرقی تے مغربی علوم دا بغور مطالعہ کیتا۔اونہاں نے مذہب، سائنس، تہذیب و تمدن، فلسفہ، معاشیات تے سماجی علوم دا بغور مطالعہ کیتا۔اونہاں دا پختہ ایمان سی کہ قرآن حکیم زندگی دے ہر شعبے وچ مکمل رہنمائی مہیا کردا اے۔ایس ضمن وچ ''روزگارِ فقیر'' وچ لکھیا ہویا اے:

''ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر ایک ملاقاتی آئے۔ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔اتنے میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا: آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ، فلسفہ وغیرہ پر جو کتابیں پڑھی ہیں ان میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپ کی نظر سے کونسی گزری ہے؟

ڈاکٹر صاحب کرسی سے اٹھے اور اندر چلے گئے دو تین منٹ میں واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔اس کتاب کو اس شخص کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے فرمایا: ''قرآن حکیم''۔(۳)

قرآن حکیم، نور ہدایت ہے۔اس سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ روزانہ اس کی تلاوت کرنے کے بعد اس کے مفہوم پر غور کرتے رہیں۔ہمیں اس کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے اور اس عمل کے نتیجے میں دل ودماغ پر مرتب ہونے والے اس کے اثرات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔اس سلسلے میں علامہ اقبال، نیاز الدین کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب محمدیؐ نسبت پیدا کرے۔اس نسبت محمدیہ ؐ کی تولید کیلئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں خلوص دل کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔''(۴)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہر وقت فلسفے کے مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔ علامہ اقبال نے ان پر زور دیا کہ وہ اس مرض کے علاج کے لیے قرآن حکیم سے روحانی اور قلبی تعلق قائم کریں۔ وحیدالدین لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال نے ان کی توجہات کا رخ مذہب کی طرف موڑ دیا اور اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ قرآن کریم فلسفے اور الٰہیات کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ اس کا مقصد دل کو اطمینان عطا کرنا ہے اس سلسلے میں انھوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ قرآن کریم کو اس زاویہ نگاہ سے پڑھو کہ اللہ تعالیٰ سے میرا کیا رشتہ ہے اور کائنات میں میرا کیا مقام ہے۔ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ وہ انسان میں خدا سے ربطِ قلبی کا اعلیٰ شعور پیدا کر دے تا کہ انسان اس ربط کی بدولت مشیت ایزدی سے ہم آہنگی پیدا کر سکے''۔ (۵)

علامہ اقبال کا قرآن حکیم کے ساتھ روحانی و قلبی تعلق آخر دم تک قائم رہا۔ زندگی کے آخری ایام میں گلے کی تکلیف کے باعث وہ قرآن پاک کی تلاوت سے محروم ہو گئے تھے اور انہیں اس بات کا بہت دکھ تھا۔ (۶)

علامہ اقبال نے قرآن حکیم کی تعلیمات سے آگاہی کے لیے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ''مثنوی معنوی'' سے بھی بہت مدد لی۔ قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ ''مثنوی معنوی'' بھی زندگی بھر ان کے مطالعہ میں رہی۔ (۷)

علامہ اقبال نے زندگی کے ہر طرح کے مسئلے کے حل کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے کا درس دیا۔ ان کے تمام افکار و نظریات کا سرچشمہ قرآنِ حکیم ہے۔ ان کے طرز فکر کو سمجھنے کے لیے قارئین کے لیے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ فقیر وحیدالدین لکھتے ہیں:

''ممتاز حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے سلسلے میں روشنی کی رفتار کا ذکر آیا تو میں نے کہا: عجیب بات ہے اب تک خلا میں روشنی سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی چیز دریافت نہیں ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشنی بجائے خود طبیعیاتی نقطہ نگاہ سے ایک قدر مطلق ہے۔''

علامہ نے نہایت متانت سے میرا سوال سنا اور فرمایا:

''کیا تمہیں قرآن حکیم کی وہ آیت یاد نہیں؟

''اللہ نور السموت والارض'' (سورہ النور: ۳۵)۔ (۸)

زندگی کے آخری ایام میں وہ قرآن مجید پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے ۲۶ اپریل ۱۹۳۵ء کو سر راس مسعود کو ایک خط میں لکھا:

''.... اور اس طرح میرے لئے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے وہ نوٹ تیار کر لیتا جو عرصہ سے میرے زیر غور ہیں لیکن اب تو نہ معلوم کیوں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر مجھے حیاتِ مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا سامان میسر آئے تو میں سمجھتا ہوں قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر کوئی پیش کش مسلمانانِ عالم کو نہیں کر سکتا۔''

اس کے بعد انہوں نے ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کو دوسرے خط میں لکھا:

''چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں۔'' (۹)

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے علم اور قدرت کا مظہر ہے۔ علم اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح یہ صفات بھی غیر مخلوق اور قدیم ہیں۔ خالق کی صفات، خالق کی طرح، غیر مخلوق اور مخلوق کی صفات، مخلوق کی طرح، مخلوق ہیں۔ علمائے حق کے نزدیک قرآن حکیم (کلام الٰہی) غیر مخلوق ہے مگر اس کلام کے مظہر، مطبوعہ اور تحریری الفاظ، حروف اور صفحات مخلوق ہیں۔ کلام الٰہی اور مطبوعہ اور تحریری کلام کے درمیان روح اور جسم کا رشتہ ہے۔ علامہ اقبال بزرگوں کے اسی عقیدہ کے مطابق فرماتے ہیں ؎

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیر و ثبات

قرآن حکیم ایک زندہ کتاب ہے جس کی حکمت کو زوال نہیں اور یہ قدیم ہے۔ یہ زندگی کے وجود میں آنے کے رازوں کا خزینہ ہے۔

بے ثبات (فانی) بھی اس کی طاقت کے ساتھ ثبات (بقا) حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے نام (اسماء) کا ذکر کرنا برابر قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے نام ہیں ان کے ذریعے اس سے مدد مانگو۔ (الاعراف:۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور کلمات سے مدد مانگنا دراصل اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (مسلم ۲۷۰۸)

میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جنہیں اس نے پیدا فرمایا ہے۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا اے:

☆ **القرآن احب الی اللّٰہ من السموات و الارض۔** (مشکوٰۃ)

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کو آسمان وزمین (کائنات) سے زیادہ محبوب ہے۔

☆ کلام الٰہی کو دیگر ہر کلام پر اتنا ہی بلند درجہ حاصل ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوقات پر حاصل ہے۔ (عثمان دارمی)

قرآن حکیم کے بے حساب فضائل کے پیشِ نظر، علامہ اقبال نے قرآن حکیم کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل کی تاکید کی اور اس کے نور کو اپنا دل اور دماغ روشن کرنے کی راہ سمجھائی ہے ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

علامہ اقبال ''رموزِ بیخودی'' میں فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن (۱۰)

اگر تو مسلمان بننا چاہتا ہے تو قرآن حکیم کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

وہ ہر مسلمان کو اللہ کے رنگ میں رنگ جان اور اس کی محبت میں ڈوب جانے کا درس دیتے ہیں:

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
طبع مسلم از محبت قاہر است مسلم ار عاشق نبا شد کافر است (۱۱)

اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لو۔ عشق کو عزت اور نام اور قدر و منزلت دو۔

مسلمان کی فطرت محبت کی وجہ سے ہی غلبہ حاصل کرتی ہے۔ اگر مسلمان عاشق نہیں تو (انکارِ نعمت کی وجہ سے) کافر ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے خطبات ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) کے دیباچے میں اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن حکیم میں فکر کے بجائے عمل پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جو دین اسلام کے مطابق اپنی سوچ اور عمل درست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مختلف باطنی تجربات (inner experiences) میں سے گزار کر اپنا قرب اور اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے پہلے خطبے ''علم اور مذہبی تجربہ'' (Knowledge and Religious Experience) میں مذہبی تجربات کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے دوسرے خطبے 'مذہبی تجربے کا فلسفیانہ معیار' (The Philosophical Test of Religious Experience) میں ان مذہبی تجربات کو پرکھنے کے لیے اصولوں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جدید دور کا انسان اپنی مادی سوچ کی وجہ سے روحانی، باطنی، مذہبی مشاہدات کو سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ (۱۲)

ہمیں چاہیے کہ علامہ اقبال کے کردار اور افکار کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر کے اس کا قرب حاصل کرنے

کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہیں تا کہ زندگی کا مقصد بہترین طریقے سے پورا ہو سکے۔

اقبال بطور مفسرِ قرآن:۔

قدیم مفسرین کے مقابلے میں اقبال کی توضیحات چونکا دینے والی ہیں۔ اقبال کی آخری عمر میں آرزو تھی کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی بیان کریں۔ چنانچہ ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کے مکتوب بنام ڈاکٹر سید راس مسعود میں لکھتے ہیں:

''تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے اسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں تا کہ (روز قیامت) آپ کے جدامجد (رسول اکرم ﷺ) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضور اکرم ﷺ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجالا سکا۔'' (۱۳)

طویل علالت کے باعث اقبال قرآن کے بارے میں مجوزہ کتاب نہ لکھ سکے۔

ڈاکٹر این میری شمل لکھتی ہیں کہ اقبال دو جہتوں پر کام کرتے رہے: ایک یہ کہ آیاتِ قرآنیہ کا مفہوم مغرب کے علوم کی زبان میں سمجھائیں اور دوسرے یہ کہ مغربی علوم اور قانون کو قرآن کے ذریعے جانچیں اور پرکھیں۔ وہ ایک ایسے عالم دین کے آرزومند تھے جو قرآن کی قانونی تعلیمات جدید قانون کی رو سے بیان کرے اور ایسے عالم کو وہ اسلام کا محسن اور مجدد کہتے تھے۔ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۵ء کو مثنوی پس چہ باید کرد میں کہتے ہیں ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم تا کجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن! نکتہ شرعِ مبیں را فاش کن (۱۴)

اے (بندۂ خدا) تو قرآنِ عظیم پر ناز کرتا ہے۔ تو کب تک اپنے حجرے میں گوشہ نشین رہے گا۔
(باہر نکلو! اور) دنیا میں اسرارِ دین ظاہر کر دو۔ شرع مبین کا راز فاش کر دو۔

اسی احساس نے ۱۹۲۵ء میں ان سے اجتہاد کے موضوع پر ایک مقالہ لکھوایا جس میں انہوں نے اجتہاد کے اصول بیان کیے۔ وہ اجتہاد کے موضوع پر Islam As I Understand It کے عنوان پر کتاب لکھنا چاہتے تھے مگر بوجوہ ایسا نہ کر سکے۔ (۱۵)

اقبال نے فقۂ اسلامی کی ابدی حیثیت اور اس کی ارتقا پذیری پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ خطبہ ششم میں انہوں نے واضح کیا کہ فقہ اسلامی ہر عصر کا ساتھ دے سکتا ہے، اس کی تجدیدِ نو کی ضرورت ہے۔

اقبال اسلامی اصول فقہ پر انگریزی میں ایک کتاب لکھنے کے آرزومند تھے مگر نامعلوم وجوہ کی بنا پر وہ یہ کام بھی انجام نہ دے سکے۔ (۱۶)

اقبال کا اسلوبِ تفسیر:۔

اسلامی شعائر اور عبادات کے ضمن میں علامہ اقبال کے مخصوص، منفرد اور عصرِ حاضر کے تقاضوں پر مبنی نقطہ نظر کی تفہیم کے لیے ان کی منظوم تفسیر سورۂ اخلاص کا جائزہ لینا چاہیے جو مثنوی رموزِ بے خودی کا جزو ہے۔ اس میں اقبال عقیدۂ توحید کے اجتماعی و انفرادی اثرات و مضمرات، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبانی بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کی معاشرتی حالت کو واضح کرتے ہیں۔

سورۂ اخلاص.....فلسفہ خودی و بے خودی کی تفسیر اور سند:۔

سورۂ اخلاص میں توحید کی حقیقت اور دین کی اصل نہایت حسنِ اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس میں 'عقیدہ توحید' بھی ہے اور اس اسلامی نظام کا اجمال بھی ہے جس کی تکمیل 'عقیدہ رسالت' سے ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خوبصورت، جامع، موثر اور دلچسپ انداز سے سورۂ اخلاص کے حوالے سے مسلمانوں کی عمرانی زندگی کا مکمل اور جامع تصور پیش کیا ہے اور عالمگیر امتِ مسلمہ کا حقیقی تصور بیان کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کہہ دو اللہ ایک ہے اللّٰہُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْ لَدْ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی نے اسے جنم دیا ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور اس کے برابر کوئی نہیں ہے۔(سورۂ اخلاص)

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ:۔

سورۂ اخلاص کی پہلی آیت (ترجمہ:۔اللہ ایک ہے) ملّتِ اسلامیہ کے لیے اتحادِ فکر وعمل کا ایک زبردست پیغام ہے۔جب مسلمان مقصودِ خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا پر ایمان لائے ہیں تو پھر ان کے اندر بھی وحدت کی شان نمایاں ہونی چاہیے۔توحید پر ایمان فرقہ آرائی اور گروہ بندی کو برداشت نہیں کرسکتا مسلمان مختلف گروہوں،فرقوں،ذاتوں اور جماعتوں میں بٹ کر کمزور ہوگئے ہیں ؎

صد ملل از ملتے انگیختی بر حصارِ خود شبیخوں ریختی (۱۷)

تم نے ایک ملّت کو سو ملّتوں میں بانٹ کر اپنے قلعے پر خود شبخون مارا ہے اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی چلائی ہے۔

اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان ایک ہو جائیں۔ان کی یہ عملی وحدت خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا زندہ ثبوت ہوگی۔(۱۸)

اللّٰہُ الصَّمَدُ:۔

اللہ بے نیاز ہے کی تفسیر میں اقبال نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خودی،خودداری،غیرت مندی اور بے نیازی کی تعلیم دی ہے۔صرف خدا کی ذات پر اور اس کی عطا کردہ ذاتی قوتوں،وسائل اور صلاحیتوں پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔غیر اسلامی شعائر،طرزِ زندگی،نظام حکومت وسیاست کے بجائے اسلامی شعائر،اسلامی طرزِ زندگی،اسلامی نظامِ حکومت وسیاست اپنانے کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔انہیں ہمت،حوصلے،جرأت،بے باکی اور بے نیازی سے زندگی گزارنے کا درس دیا ہے۔

لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْ لَدْ:۔

نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ۔مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نسل ونسب کے تعلقات سے پاک ہے۔اس سے ہمیں روزمرہ زندگی میں یہ درس ملتا ہے کہ دینِ اسلام کے ماننے والے رنگ ونسب اور وطن ونسل کی قیود سے آزاد ہیں۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ :۔

سورۂ اخلاص کی آخری آیتِ شریفہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔کائنات میں کوئی ہستی اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔کوئی ذات اس کی مدِّ مقابل نہیں۔

ہمیں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر مسلمان کا کردار بے مثل اور منفرد ہونا چاہیے۔ہم بحیثیت ملت وقوم بھی بے مثل اور منفرد ہیں۔ہمیں اپنے اعلیٰ کردار سے اقوامِ عالم میں اپنی حیثیت منوانی چاہیے۔(۱۹)

سورۂ اخلاص کی مندرجہ بالا تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلامی شعائر وعبادات کے سلسلے میں مخصوص نقطۂ نظر رکھتے تھے۔وہ فکرِ اسلامی کی نشاۃ ثانیہ چاہتے تھے۔وہ فقۂ اسلامی کی تجدیدِ نو کی ضرورت پر زور دیتے رہے۔انہوں نے فرد کی اصلاح کے لیے تصورِ خودی اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اجتماعی خودی کا تصور دیا۔خودیٔ مطلق سے اور کائنات سے رابطے کا طریقہ واضح کیا۔جمعیتِ اقوام کی بجائے جمعیتِ آدم کا تصور دیا۔مشرق ومغرب کی اصلاح کے لیے اسلامی ضابطۂ حیات،عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا۔ان کے فکر وعمل،تصورات ونظریات کا رہنما قرآن مجید تھا۔اس ضمن میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> ''وہ (اقبال) جو کچھ سوچتا تھا،قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا۔جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا۔حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک واحد شے تھی۔اس معاملے میں ملک بھر کے بڑے بڑے علمائے کرام میں سے کوئی بھی اس ایم اے،پی ایچ ڈی،بار ایٹ لاء سے بڑھ کر فنافی القرآن میں نے نہیں دیکھا ہے۔''(۲۰)

اقبال خود بھی قرآن مجید کی ایک آیت (۲:۱۳۸) کا حوالہ دے کر قرآن مجید کے رنگ میں اپنے رنگے ہونے کا ذکر کرتے ہیں:

گوہر دریائے قرآن سفتہ ام شرح رمزِ صِبْغَةُ اللّٰہ گفتہ ام (۲۱)

میں نے قرآن حکیم کے سمندر سے موتی نکال لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگے جانے کا راز بیان کر دیا ہے۔

اقبال کے افکار وتصورات اور ان کی حقانیت، ان کے مطالعہ قرآن کے مظہر اور ثبوت ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و احوال سے واضح ہے کہ عشقِ رسول ﷺ اور قرآن مجید سے ان کے فکر وعمل کو عروج وکمال حاصل ہُوا۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے انہیں خاص بصیرت عطا فرمائی تھی اور وہ روحِ دین سے شناسا تھے۔ (۲۲)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبوی ﷺ اور قرآن حکیم سے اخذ وقبول میں نہایت صدق وخلوص اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس ضمن میں وہ بحضور رسالت مآب ﷺ عرض کرتے ہیں ؎

داستانے گفتم از یارانِ نجد نکہتے آوردم از بستانِ نجد
محفل از شمعِ نوا افروختم قوم را رمزِ حیات اموختم
گر دلم آئینہ بے جوہر است ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
اے فروغتِ صبح اعصار و دہور چشم تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُورْ
پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رختِ حیات اندر برم اہلِ ملت را نگہدار از شرم
سبز کشتِ نابسامانم مکن بہرہ گیر از ابر نیسانم مکن
خشک گرداں بادہ در انگورِ من زہر ریز اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرارِ قرآں سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است یک دعایت مزدِ گفتارم بس است
عرض کن پیشِ خدائے عزوجل عشق من گردد ہم آغوشِ عمل (۲۳)

۱۔ میں نے اس (مسلمان) کو نجد کے دوستوں کی داستان سنائی۔ میں اس کے لیے نجد کے گلستان کی خوشبو لایا ہوں۔
۲۔ میں نے اپنی آواز کی شمع سے محفل کو روشن کیا اور قوم کو رازِ حیات کی تعلیم دی۔
۳۔ اگر میرے دل کا آئینہ بے جوہر ہے، اگر میرے کلام میں قرآن حکیم کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے،
۴۔ آپ ﷺ کا نور زمانے کے لیے نورِ سحر ہے۔ آپ ﷺ کی پاک نگاہ پر دلوں کے راز ظاہر ہیں۔
۵۔ (اگر میری تعلیمات روحِ قرآن کے مطابق نہیں ہیں تو) آپ ﷺ میری فکر کا پردہ چاک کر دیں۔ اس خیاباں (دنیا) کو میرے کانٹے سے پاک کر دیں۔
۶۔ مجھ پر زندگی کے لباس کو تنگ کر دیجیے۔ اہلِ ملت (مسلمانوں) کو شرم سے بچا لیجیے۔
۷۔ میری کشتِ ویراں کو سرسبز نہ کیجیے۔ اسے ابرِ رحمت سے سیراب نہ کیجیے۔
۸۔ میرے انگور کی شراب کو خشک کر دیجیے۔ میری کافوری شراب میں زہر ڈال دیجیے۔
۹۔ مجھے روزِ محشر کو خوار ورسوا کر دیجیے۔ مجھے اپنے مبارک قدموں کا بوسہ لینے کی سعادت محروم کر دیجیے۔
۱۰۔ اگر میں نے اپنے شاعری میں اسرارِ قرآن پر مبنی موتی پروئے ہیں، اگر میں نے مسلمانوں سے حق بات کہی ہے،
۱۱۔ تو، آپ کہ جن کے احسان سے ناچیز، نہایت قیمتی چیز بن جاتا ہے، آپ کی صرف ایک دعا ہی میری گفتگو کا حاصل ہوگی۔
۱۲۔ خدائے عزوجل کے حضور عرض کیجیے کہ میرا عشق عمل سے ہم آغوش ہو جائے۔

آخر کے اشعار میں کس قدر صدق وخلوص کا اظہار ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہوں تو مجھے ختم کر دیا جائے اور قوم کو میرے شر سے محفوظ رکھا جائے۔ نیز مجھے قیامت میں رسوا کیا جائے اور اپنی پابوسی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اس قدر خلوص تو اہل اللہ کے ہاں بھی بہت کم نظر آتا ہے۔(۲۴)

حیات اقبال میں ایسے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں جو ان کی قرآن فہمی اور قرآنی بصیرت کا بیّن ثبوت ہیں۔ ان واقعات کے علاوہ علامہ کے نظم ونثر کا بیشتر حصہ اسلامی تعلیمات کا پرتو ہے۔ اسی لیے تو ان کو ''قرآن کا شاعر'' اور ''شاعروں کا قرآن'' کہا گیا ہے۔(۲۵)

اقبال کی دین فہمی وقرآن فہمی کے بارے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آراء:۔

مولانا مودودی کی رائے:۔

''اقبال کے سارے کام کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسلام کا داعی تھا۔ کسی دوسرے نظریے یا نظام کا داعی نہیں تھا۔ وہ اس چیز کا ہرگز قائل نہ تھا کہ اسلام کے سوا کسی چیز کو یا اسلام کے ساتھ کسی چیز کو اختیار کر کے ہماری نجات ہوسکتی ہے۔''(۲۶)

ایرانی انقلاب کے فکری رہنما ڈاکٹر علی شریعتی کی رائے:۔

''انہوں نے بیسویں صدی کے مسلمان نوجوانوں کو حقیقی اسلام سمجھایا اور ان کی کردار سازی کی۔ میرے نزدیک اقبال کے اس کارنامے کی نظیر نہیں ملتی۔''(۲۷)

ترک دانشور ڈاکٹر علی نہاد تارلانی کی رائے:۔

''اقبال نے حضرت فخر موجودات ﷺ کی، جو اس طریق کے مرشد الٰہی ہیں، پیروی کی اور از روئے تحقیق دین اسلام کی بلندی پر ایمان لا کر متصوفین اسلام کے راز سے آگاہی حاصل کی ہے۔ وہ دنیا کے فکری اور فلسفیانہ واقعات وحادثات سے پوری طرح آشنا ہے۔''(۲۸)

مصری دانشور ڈاکٹر عبدالوہاب عزام کی رائے:۔

''اقبال! اے شاعرِ اسلام! تو نے مقاصد واضح کر دیے ہیں۔ اس کے فضائل کو جلا بخش دی ہے، اس کے چراغ کو روشن کر دیا ہے اور اس کے اصولوں کی توضیح کر دی ہے۔ تو نے ملتِ اسلامیہ کو ایسے عزم اور بلندی کی دعوت دی ہے جو ان کے منصب کے لیے موزوں ہے جو ان کے طریق زندگی اور تاریخ کے عین مطابق ہے۔''(۲۹)

جرمن مفکر ڈاکٹر این میری شمل کی رائے:۔

''اقبال کی پوری شخصیت دین اسلام کی وحی نبوت کی روشنی میں تعمیرِ نو کرنے کے لیے وقف رہی ہے اور اسی لیے وہ عصرِ جدید اور معاشرے کی ضروریات کا سامان اپنی تصانیف میں سمو گئے ہیں۔ اقبال کو کوئی پیغمبر نہیں کہے گا۔ ایسا کہنا تاریخِ ادیان اور دین اسلام کے عقیدۂ ختمِ نبوت کے منافی ہے مگر ہمیں اتنا کہنے کی اجازت دیجئے کہ وہ شہپر جبریل سے مس ضرور ہوئے تھے۔''(۳۰)

اطالوی مصنفہ لیوس متح کلوڈ کی رائے:۔

''.....شاعر اقبال قدم قدم پر قرآن مجید سے استفادہ کرتا ہے چنانچہ اس کے کلام میں آیات کے جو بار بار حوالے ملتے ہیں تو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال ہر ممکن طور پر پیغمبر کے متعین کردہ صراطِ مستقیم سے انحراف نہیں کرتا۔''(۳۱)

سید ابوالحسن علی ندوی کی رائے:۔

''علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کرتے گزاری، قرآن مجید پڑھتے، قرآن سوچتے، قرآن بولتے۔ قرآن مجید ان کی وہ محبوب کتاب تھی جس سے انہیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا۔''(۳۲)

گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام شرح رمزِ صِبْغَةُ اللّٰہ گفتہ ام (۳۳)

میں نے قرآن کے بحر بیکراں کے موتی پرو لیے ہیں اور صبغت اللہ کے اسرار ورموز کی شرح بیان کی ہے۔

اقبال کا عقیدۂ ختمِ نبوت

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقیدۂ ختمِ نبوت ہی وہ نقطہ ہے جس کی بنیاد پر اسلامی معاشرے کو دوام حاصل ہوسکتا ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت بنائے وحدتِ اسلامی ہے۔ یہ عقلِ استقرائی کا ظہور ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کی بدولت سلسلۂ نبوت و رسالت تکمیل پا گیا ہے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اس بات کا اعلان ہے کہ دین اسلام دائمی، ابدی، عالمگیر حیثیت کا حامل ہے اور یہ آخری دینِ الٰہی ہے۔

آخری دینِ الٰہی.....دین اسلام

اسلام ہمارا دین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا واحد پسندیدہ دین ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین تو صرف اسلام ہے۔(۱)

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ○

اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین (اختیار کرنا) چاہے گا تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔(۲)

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ پر غور کرنے سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

ا۔ 'الدین' اور 'الاسلام' مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہُوئے ہیں۔ دونوں الفاظ کے شروع میں 'ال' لگا ہُوا ہے جس سے مراد ہے خاص دین صرف اسلام ہے۔ عربی زبان میں 'ال' انگریزی میں 'The' کی طرح کسی اسم (نام) کی تخصیص کیلئے استعمال ہوتا ہے۔
تمام انبیاء ورُسل اسی خاص دین (اسلام) کی تعلیم وتبلیغ کے لیے تشریف لاتے رہے۔ اس کے بنیادی عقائد (مثلاً توحید، رسالت، آخرت) اور عبادات واحکام (مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ) اور معاملات واخلاقیات کے اصول ہمیشہ یکساں ہی رہے۔ تمام انبیاء ورسل علیہم اور ان کے پیروا اپنے زمانے کے مسلمان تھے۔ ہمارے پیارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے بھی، جو سب سے آخری نبی ہیں یہی دین (اسلام) پیش کیا۔ جو پہلے انبیاء ورسل پیش کرتے رہے۔ فرق صرف دو باتوں میں ہے۔

(ا) پہلی امتیں اپنے رسولوں کی اکثر تعلیمات صحیح شکل میں محفوظ نہ رکھ سکیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اصل تعلیمات کی خصوصی طور پر حفاظت فرمائی ہے۔

(ب) پہلے کبھی دین کی باتیں اتنی جامع اور مکمل بھی نہیں بتائی گئیں جتنی آنحضور ﷺ کے ذریعے بتائی گئیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات ہر دور کے ہر انسان کے لیے ہیں۔(۳)

عقیدۂ رسالت

عقیدۂ رسالت یا ایمان بالرسل یعنی رسولوں پر ایمان لانا، دین اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ (اصول) ہے۔ کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت، دونوں کلموں میں، نصف اول حصہ توحید اور نصف دوم، رسالت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ عقیدۂ رسالت کے ساتھ عقیدۂ توحید پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر کوئی عقیدۂ توحید رکھتا ہے مگر عقیدۂ رسالت نہیں رکھتا تو اسے مسلمان قرار نہیں دیا جائے گا۔ دنیا کی بہت سی اقوام ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں وجودِ باری تعالیٰ تسلیم کرتی ہیں مگر عقیدۂ رسالت (رسالتِ محمدی) تسلیم نہیں کرتیں، اس لیے وہ غیر مسلم اقوام ہیں۔ اسی طرح یہودی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو نبی اور رسول تسلیم نہیں کرتے، عیسائی، حضرت محمد ﷺ کو نبی اور رسول تسلیم نہیں کرتے، اس لیے یہودی اور عیسائی غیر مسلم ہیں۔

عقیدۂ ختم نبوت

عقیدۂ ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء تشریف لائے۔ کچھ کو علیحدہ آسمانی کتابیں عطا ہوئیں اور کچھ اپنے سے پہلے انبیاء کی کتابوں اور شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ پر ایک جامع اور ہمیشہ رہنے والی کتاب نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو ایک کامل شریعت دی گئی۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوئی اور آپ ﷺ کی شریعت نے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کسی قسم کا کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

عقیدۂ ختمِ نبوت، قرآن، حدیث اور اجماعِ امت تینوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ (۴)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱۔ ''بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (۵)

۲۔ ''میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی۔ مگر ایک کنارے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور وہ اینٹ میں ہوں۔'' (۶)

تمام علمائے کرام اور فقہائے عظام کا اس مسئلہ پر اجماع واتفاق ہے کہ کوئی ایسا شخص یا گروہ جو نبوت کا دعویٰ کرے واجب القتل ہے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ صحابہ کرام ؓ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور انہیں قتل کیا۔ (۷)

نبوت ورسالت کی ضرورت

انسان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ از خود ہر ایک چیز کے بارے میں سب کچھ صحیح طور پر جان سکے۔ اس مقصد کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو وحی کا علم عطا فرمایا اور اس ذریعے سے اسے ان تمام ضروری امور سے آگاہ کر دیا جنہیں جانے اور سمجھے بغیر انسان کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس طرز کی وحی کا سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر ختم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ الہام کا رشتہ بھی قائم فرمایا اور اس کے ذریعے اس کے حسبِ حال رہنمائی کا سلسلہ قائم فرما دیا۔ جو لوگ حق اور سچائی کی تلاش میں صدق اور خلوص سے جستجو کرتے ہیں، اس الہامی رشتے سے اسے وجدانی علم عطا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں عطا فرمائیں اور ان کے ذریعے اسے مشاہدے اور تجربے سے سیکھنے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتی اور جبلی علم کی بنا پر، فہم وادراک سے کام لینے کی تعلیم دی۔ وحی والہام سے اسے مدد فراہم کی اور مقصدِ حیات کی کامیابی سے تکمیل کے تعلیم وتربیت کا مکمل نظامِ حیات پیش فرمایا۔ حصولِ علم کے مندرجہ بالا ذرائع کے پیشِ نظر علم کی درج ذیل چار اقسام سامنے آتی ہیں:

۱۔ فطرتی یا جبلی علم ۲۔ فہم وادراک پر مبنی علم ۳۔ وجدانی علم ۴۔ وحی پر مبنی علم

۱۔ فطرتی یا جبلی علم جو کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات اور مقصدِ تخلیق کے لحاظ سے عطا کیا جاتا ہے۔

۲۔ جبلّی علم سے اوپر کا درجہ یعنی عقل جو کہ ترقی یافتہ صورت میں انسان کو عطا ہوئی ہے کیونکہ اس کا مقصدِ حیات بھی سب مخلوقات سے افضل اور کٹھن ہے۔

۳۔ عقل وسمجھ کی افادیت اپنی جگہ پر مسلّم ہے لیکن بعض جگہوں پر عقل جواب دے جاتی ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو ذریعہ

ہدایت ، وجدان (Intuition) عطا ہوتا ہے۔ وجدان عقلی استدلال کے بغیر براہِ راست کسی معاملے میں حقیقت کو پانے یعنی Direct Perception کا نام ہے۔

۴۔ بعض مقامات ایسے آتے ہیں جہاں وجدان کی رہنمائی بھی کام نہیں آئے۔ ایسے معاملات میں اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں بذریعہ نبوت ورسالت رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ اس رہنمائی کا ذریعہ 'وحی' ہے۔ سلسلہ وحی حضور نبی کریم ﷺ کے بعد ختم ہوگیا ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت پر علامہ اقبال کے دلائل

علامہ اقبال کے نزدیک عقیدۂ ختمِ نبوت کے نمایاں پہلو تین ہیں:

۱۔ عقیدۂ ختم نبوت اور عقل استقرائی

اسلام کا ظہور..... استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چوں کہ کمال کو پہنچ گئی۔ لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہوگیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے شعورِ ذات کی تکمیل ہوگی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ اب انسان کو ہدایت کے لیے کسی غیبی سرچشمے سے رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اب اسے اپنے شعورِ ذات کی تکمیل کے لیے اپنے وسائل سے کام لینا ہوگا۔ یہ وسائل حصولِ علم کے مختلف ذرائع ہیں جن میں درج ذیل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

۱۔ باطنی مشاہدہ ۲۔ مطالعۂ فطرت ۳۔ تاریخ

۲۔ عقیدۂ ختم نبوت اور سلسلۂ نبوت ورسالت کی تکمیل

اگرچہ باطنی واردات اور روحانی مشاہدات کا تجربہ اب بھی حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اب یہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں رہا کہ وہ کسی ایسی روحانی واردات کا دعویٰ کرے جس سے انکار کفر ہو۔ لہٰذا اب کسی بھی قسم کی باطنی واردات اور روحانی مشاہدات خواہ ان کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، آزاد تنقید سے نہیں بچ سکتے۔ اب کوئی شخص بھی اپنے باطنی مشاہدے اور روحانی کمالات کی بناء پر نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اقبال اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

''.....اسلام جدید تفکر اور تجربے کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے اور کوئی ولی پیغمبر اس کو قرونِ وسطیٰ کے تصوف کی تاریکی کی طرف واپس نہیں لے جاسکتا.....''(۸)

۳۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور وحدتِ اسلامی

اسلامی وحدت ختمِ نبوت سے ہی استوار ہے۔ اگر کوئی فرد، افراد یا گروہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو گویا وہ اسلامی وحدت ختم کرکے اسے مذہبی انتشار میں مبتلا کرنا چاہتا ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''.....ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنائی نبوت پر رکھے اور بزعمِ خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لیے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لیے کہ اسلامی وحدتِ ختمِ نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے۔''(۹)

قادیانیت سے اسلامی وحدت کو خطرہ تھا۔ اس سے انسانی سوسائٹی میں فتنہ، فساد اور مزید افتراق وانتشار کے امکانات تھے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ ختمِ نبوت کے اساسی و بنیادی پہلوؤں کی بنا پر ہی ان خطرات کی نشاندہی کی اور ان کا سدِ باب کیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

''.....یہ ظاہر ہے کہ اسلام، جو تمام جماعتوں کو ایک رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی سوسائٹی کے لیے مزید افتراق کا باعث بنے۔''(۱۰)

اخبار ''اسٹیٹسمین'' نے اقبال کا بیان ''قادیانی اور جمہور مُسلمان'' شائع کیا اور اس پر اپنے اداریہ میں تنقید بھی کی۔ اس کے جواب

میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار کو خط لکھا جو ۱۰ جون ۱۹۳۵ء کو شائع ہُوا۔ اس خط میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیوں اور ان کے حوالے سے عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں اپنا موقف مزید واضح انداز سے بیان کیا۔ انہوں نے لکھا:

۱۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہُوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسولِ کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہونِ منت ہے۔

۲۔ رسولِ کریم ﷺ کی ختمِ رسالت پر ایمان لانا ہی وہ حقیقت ہے جو مُسلم اور غیر مُسلم کے درمیان وجۂ امتیاز ہے۔ جو لوگ ختمِ نبوت کے قائل نہیں انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً

(ا) برہمو خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعے وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولِ کریم ﷺ کی ختمِ نبوت کو نہیں مانتے۔

(ب) ایران میں بہائیوں نے ختمِ نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔

۳۔ قادیانیوں کو بھی چاہیے کہ وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا خلوص دل سے ختمِ نبوت پر ایمان لے آئیں۔

۴۔ قادیانی تو محض اس وجہ سے مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچا رہے ہیں کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔ (۱۱)

۵۔ قادیانی خود کو مسلمان اور سب مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ سب سے الگ دین رکھتے ہیں اور کافر ہیں۔ (۱۲)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات کے جواب میں مسلمانانِ ہند کے احمدیوں (قادیانیوں) کے بارے میں طرزِ عمل کی مزید توضیح کی اور عقیدۂ ختم نبوت کی رو سے احمدیت کے عواقب ونتائج یوں بیان کیے:

۱۔ احمدیت کی وجہ سے امتِ مسلمہ کی اجتماعی زندگی خطرے میں ہے۔ اس لیے مسلم اکثریت کو اپنی بقا کے لیے قادیانی، فتنہ انگیز اقلیت کے خلاف ردِ عمل حیات افروز ہے نہ کہ حیات کش اور اس لحاظ سے یہ قابلِ قبول ہے۔ (۱۳)

۲۔ اسلام کا سیدھا سادہ مذہب دو قضایا پر مبنی ہے۔ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اسی سلسلۂ انبیاء کے آخری نبی ہیں۔ ان دونوں کا یا کسی ایک کا منکر کافر ہے۔ اس لیے مسلمانانِ ہند کا احساس قادیانیوں کے خلاف اس قدر شدید ہے۔ (۱۴)

۳۔ قادیانیوں کا اختلاف فروعی مسائل میں نہیں بلکہ دو بنیادی عقائد توحید اور رسالت میں سے رسالت کے مسئلہ پر ہے۔ اس لیے قادیانی ''الحاد کبیرہ'' کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ خارج از اسلام ہیں۔ (۱۵)

۴۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں ہے جس سے انکار کفر ہے۔ جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ قادیانیوں کا اعتقاد ہے کہ تحریک احمدیت کا بانی ایسے الہام کا حامل تھا۔ لہٰذا وہ تمام عالمِ اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اپنے دعوے اور اعلان کی رو سے وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ (۱۶)

۵۔ تحریک احمدیت کا بانی دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ آخری نبی نہیں۔ میں آخری نبی ہوں۔ وہ دلیل دیتا ہے کہ میں پیغمبر اسلام کا 'بروز' ہوں۔ اس طرح وہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ وہ پیغمبرِ اسلام کی ختم نبوت کو مسترد نہیں کرتا۔ اپنی ختم نبوت کو پیغمبرِ اسلام کی ختمِ نبوت کے مماثل قرار دے کر بانی احمدیت ختمِ نبوت کے تصور کے زبانی مفہوم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ 'بروز' کا لفظ مکمل مشابہت کے مفہوم میں بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔ کیونکہ بروز ہمیشہ اس شے سے الگ ہوتا ہے جس کا یہ بروز ہوتا ہے۔ (۱۷)

۶۔ مرزا قادیانی ہسپانیہ کے برگزیدہ صوفی محی الدین ابن العربی کی سند پر مزید دعویٰ کرتا ہے کہ ایک مسلمان ولی کے لیے اپنے روحانی ارتقا کے دوران اس قسم کا تجربہ حاصل کرنا ممکن ہے جو شعورِ نبوت سے مختص ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے کسی کا شعورِ نبوت تک پہنچنا ممکن ہے تاہم اس کا تجربہ اجتماعی اور سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ اس کو کسی نئی تنظیم کا مرکز بناتا ہے اور نہ یہ استحقاق عطا کرتا ہے کہ وہ اس نئی تنظیم کو پیروانِ محمد ﷺ کے ایمان یا کفر کا معیار قرار دے۔ (۱۸)

۷۔ وحدتِ اسلامی کے بنیادی اصولوں کو کوئی بیرونی یا اندرونی قوت متزلزل نہیں کر سکتی۔ وحدتِ اسلامی، اسلام کے دو بنیادی عقائد (توحید ورسالت) اور پانچ مشہور ارکانِ شریعت (کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوۃ، حج) پر مشتمل ہے۔ وحدتِ اسلامی کے یہی عناصر ہیں جو رسولِ کریم ﷺ کے زمانے سے اب تک قائم ہیں۔(۱۹)

۸۔ احمدیت (قادیانیت) امتِ مسلمہ کی وحدت کو کمزور کرنے کے لیے ایک ڈرامہ ہے اور اس کے کردار سادہ لوح کٹ پُتلی بنے ہُوئے ہیں۔(۲۰)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدۂ ختم نبوت کے مختلف پہلوؤں پر اظہار رائے کرتے ہوئے مدلل انداز سے واضح کیا کہ عقیدۂ ختمِ نبوت امتِ مسلمہ کی وحدت کی اساس ہے۔ اس کی کوئی بھی ایسی تاویل قابلِ قبول نہیں جس سے اس عقیدے کی اصل روح مجروح ہو اور امتِ مسلمہ کی وحدت کمزور ہو۔

''عقیدۂ ختمِ نبوت اور وحدتِ اسلامی'' کی فکرِ اقبال کی رو سے تفہیم کے بعد اس کے دیگر دو پہلوؤں ''عقیدہ ٔختمِ نبوت اور عقلِ استقرائی'' اور ''عقیدۂ ختمِ نبوت اور سلسلۂ نبوت ورسالت کی تکمیل'' کی وضاحت کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو ایک نبی اور ولی کے مقام اور باطنی مشاہدے کے مابعد کے نتائج اور اثرات میں فرق بیان کرتے ہیں اور پھر دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔

''شعورِ نبوت'' کی اصطلاح کے تحت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ واضح کرتے ہیں کہ ایک نبی کا 'مقام' اور 'کام' کیا ہے۔ جب یہ 'مقام' اور نبی کا 'کام' انتہائے کمال کو پہنچ گیا تو سلسلۂ نبوت بھی مکمل اور ختم ہو گیا۔

شعورِ نبوت

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک معروف صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل قول کے حوالے سے نبوت اور ولایت میں فرق بیان کرتے ہیں:

''محمدؐ عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد واللہ اگر من رفتمے ہرگز باز نیامدے۔

محمد ﷺ فلک الافلاک پر پہنچ کر واپس تشریف لے آئے، واللہ اگر میں وہاں پہنچتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔''(۲۱)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ شیخ موصوف کے اس قول کے حوالے سے 'شعورِ نبوت' اور 'شعورِ ولایت' میں فرق بیان کرتے ہُوئے کہتے ہیں:

''.....صوفی نہیں چاہتا واردات اتحاد میں اسے جو لذت اور سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے، لیکن اگر آئے بھی، جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوعِ انسانی کے لیے کوئی خاص نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے، نبی کی بازآمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ ان واردات سے واپس آتا ہے تو اس لیے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ وتصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔ صوفی کے لیے تو لذتِ اتحاد ہی آخری چیز ہے، لیکن انبیاء کے لیے اس کا مطلب ہے ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیروزبر کر سکتی ہیں اور جن سے کام لیا جائے تو جہانِ انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان واردات کو ایک زندہ اور عالم گیر قوت میں بدل دیں۔''(۲۲)

ولی کا تجربہ ذاتی رہتا ہے۔ اس کے برعکس نبی روحانی تجربہ ومشاہدہ سے حاصل ہونے والے شعور اور قوت کو بنی نوع انسان کی حیات میں انقلاب لانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس لحاظ سے نبی کا ذاتی تجربہ ومشاہدہ اس کے شعور کی وسعت سے اجتماعی نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس لحاظ سے نبوت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''نبوت.....شعورِ ولایت کی وہ شکل ہے جس میں واردات اتحاد اپنی حد سے تجاوز کر جاتیں اور ان قوتوں کی پھر سے رہنمائی یا ازسرِ نو تشکیل کے وسائل ڈھونڈتی ہیں جو حیاتِ اجتماعیہ کی صورت گر ہیں۔ گویا انبیاء کی ذات میں زندگی کا متناہی مرکز اپنے لامتناہی اعماق میں ڈوب جاتا ہے تو اس لیے کہ پھر سے ایک تازہ قوت اور زور سے ابھر سکے۔ وہ ماضی کو مٹاتا اور پھر سے زندگی کی نئی راہیں اس پر منکشف کر دیتا ہے۔''(۲۳)

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کا طریقہ بیان کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا اندازہ ان کی تعلیمات کے نتیجہ میں ان کے ماننے والوں کی زندگی میں آنے والی تبدیلیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ گویا انسانوں کے تہذیب وتمدن میں آنے والی تبدیلی سے انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہم یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہُوئے علیٰ ہذا یہ کہ تہذیب وتمدن کی وہ کیا دنیا تھی جس کا ظہور ان کی دعوت سے ہُوا۔'' (۲۴)

شعورِ نبوت اور شعورِ ولایت میں فرق بیان کرنے کے بعد، علامہ اقبال نے نبوت کے مقاصد ونتائج اور انہیں پرکھنے کے میزان کا ذکر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے سلسلۂ نبوت ختم ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔ جب سلسلہ نبوت کے مقاصد تکمیل پا گئے اور حتمی نتائج حاصل ہو گئے تو سلسلۂ نبوت ورسالت ختم ہو گیا۔

تمام انبیاء کی تشریف آوری کا مقصد حیاتِ انسانی میں انقلاب لانا ہی تھا۔ یہ انسانی اصلاح، ترقی اور فلاح کا ایسا سلسلہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہُوا، تمام انبیاء ورُسل اپنے اپنے زمان ومکاں میں اس ارتقائی سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ حتیٰ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے عقل استقرائی اور آزادانہ تنقید کے دروازے کھول کر اسلامی ثقافت کو اپنی ہیئت اور دائرہ زمان ومکان میں بے حدود کر دیا۔ اس سلسلہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شعورِ نبوت کو گویا کفایت فکر اور انتخاب سے تعبیر کرنا چاہیے لیکن جہاں عقل نے آنکھ کھولی اور قوتِ تنقید بیدار ہوئی تو پھر زندگی کا مفاد اس میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے اولین مراحل میں ہماری نفسی توانائی کا اظہار جن ماورائے عقل طریقوں سے ہُوا تھا ان کا ظہور اور نشوونما رُک جائے۔'' (۲۵)

جب فیضِ نبوت کی بدولت عقلِ انسانی سنِ بلوغت کو پہنچ گئی اور قیامت تک کے لیے ضابطۂ حیات واضح ہو گیا تو سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، گویا اسلام مکمل ہو گیا اور قرآن وسنت کو کسوٹی قرار دیتے ہوئے انسان کو راہِ حیات پر عقل وتجربے، مشاہدۂ فطرت اور مطالعۂ تاریخِ عالم کی بنا پر آزادی سے گامزن ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ (۲۶)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس امر کو یوں بیان کرتے ہیں:

''.....پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمہ وحی کے آپ ﷺ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے ہے۔ یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر عمل و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہُوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے۔ لہٰذا اسلام کا ظہور..... استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت چوں کہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔'' (۲۷)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ختم نبوت کے بعد شعورِ ذات کی تکمیل کیسے ہوگی؟ کیا ملائیت، پاپائیت یا ملوکیت کا سہارا لینا ہوگا؟ آئندہ علمِ انسانی کن سرچشموں سے حاصل ہوگا؟ ان سوالات کے جواب دیتے ہُوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

''اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعورِ ذات کی تکمیل ہوگی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا یا عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ کو علمِ انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے کیوں کہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔'' (۲۸)

مندرجہ بالا اقتباسات سے نہ صرف مذکورہ بالا سوالات کے جوابات ملے بلکہ ان سے واضح ہُوا کہ

۱۔ ملائیت، پاپائیت اور ملوکیت کا خاتمہ، عقلِ استقرائی کا ظہور، عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ، یہ سب تصورِ خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اپنے سرچشمہ وحی کے اعتبار سے دنیائے قدیم اور اپنے شعور کی تخلیقی قوت اور عملی جہت کے اعتبار سے دنیائے جدید سے تعلق رکھتی ہے۔

۳۔ آپ ﷺ نے اپنے علم وحکمت سے، عقلِ انسانی کو وہ بالغ نظری عطا کی جس کی بدولت وہ آئندہ زندگی از خود عقل وتجربے، مشاہدۂ

فطرت اور مطالعہ تاریخ سے گزار سکتی ہے۔اب انسان اس قابل ہوگیا ہے کہ وہ عقل و تجربے کی مدد سے فطرت کو تسخیر کرسکتا ہے۔ اپنے گزرے کل کا دیانتدارانہ تجزیہ کر کے اپنے ہی انفرادی اور اجتماعی تجربات سے استفادہ کرسکتا ہے اور آنے والے کل کے لیے بہتر لائحہ عمل طے کرسکتا ہے۔اس طرح آپ ﷺ نے انسانی شعور، مظاہرِ فطرت اور تاریخ کو ارتقاء کے تسلسل یا حرکت کی وحدت میں پرو کر انسان کے لیے لامتناہی امکانات کا سامان فراہم کر دیا۔انسان کی نفسیات تبدیل کر کے اسے ایسا متحرک عامل ثابت کر دیا جس نے اس اسلامی ثقافت کے لیے توسیع وارتقاء کے ان گنت امکانات کا تسلسل رواں کر دیا۔(۲۹)

انسانی عقل، تجربے، مشاہدے اور تجزیے پر بار بار زور دینے کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ 'جذبات' کی اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی بیان کرتے ہیں کہ عقیدۂ ختمِ نبوت کی رو سے اب کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ فوق الفطرت سرچشمہ علم کو بنیاد بنا کر لوگوں کو اطاعت بجالانے کا کہے اور انکار کرنے والے کو کافر قرار دے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ صوفیانہ واردات کو خواہ ان کی حیثیت کیسی ہی غیر معمولی اور غیر طبعی کیوں نہ ہو ایسا ہی فطری اور طبعی سمجھیں، جیسے اپنی دوسری واردات اور ان کا مطالعہ بھی تنقید و تحقیق کی نگاہ سے کریں۔(۳۰)

سرچشمہ ہائے علم وحکمت

مشاہدۂ باطن اور اس کی نبوت جیسے مضبوط ادارے کی حیثیت سے تہذیبی قدر و قیمت کا جائزہ لینے کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ دیگر دو کلیدی سرچشمہ ہائے علم وحکمت کی طرف یوں متوجہ کرتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ خطبے میں لکھتے ہیں:

> ''مشاہداتِ باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا۔قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں؛ ایک عالمِ فطرت، دوسرا عالمِ تاریخ جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہُوا ہے۔قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس وقمر، یہ سایوں کا امتداد، یہ اختلافِ لیل ونہار، یہ رنگ اور زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد وشد، حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالمِ فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے، حقیقتِ مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور وتفکر سے کام لے۔یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے کیوں کہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا۔''(۳۱)

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن پاک کی ہدایت اور رہنمائی کے مطابق انسان مشاہدۂ فطرت اور مطالعۂ تاریخ کی طرف متوجہ ہُوا اور اس طرح جملہ جدید سائنسی علوم کی بنیاد رکھی گئی۔علومِ جدیدہ کے علاوہ بھی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام نے بے انتہا روح پرور اثر ڈالا۔یہ حیات وکائنات کے وہ حرکی تصورات ہیں جن کی بدولت اسلامی ثقافت کا باطن پوری شدت سے متحرک ہے۔ حرکت کا یہی اصول ہر فرد اور قوم کی حیات وبقاء کی ضمانت ہے اور کائنات میں ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔اس سلسلہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

> ''اسلامی فکر نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس کی انتہا جس پہلو اور جس رنگ میں بھی دیکھئے کائنات کے حرکی تصور پر ہوتی ہے۔''(۳۲)

اس طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''ختمِ نبوت'' کے جامع تصور کے ساتھ ارتقائے حیات کا تصور پیش کیا اور مسلسل حصولِ علم، مسلسل اصلاح اور ترقی کا سفر جاری رکھنے کی تلقین کی کیونکہ انقلاب وارتقا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اسلام ایک خالص ترین پیغامِ حیات ہے۔نہ نبی کی ترقی کی کوئی انتہا ہے اور نہ عام انسانوں کی ترقی کی کوئی آخری حد ہے۔ارتقا جاری ہے اور جاری رہے گا لیکن نبوت کا مقصد، حقیقتِ حیات کو واضح کر دینے کے بعد پورا ہوگیا۔''اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' کے یہی معنی ہیں۔(۳۳)

ایک مغربی مفکر کا اعتراض

ایک مغربی مفکر نے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد پر اعتراض کیا کہ ارتقائے لامتناہی کا قائل ختمِ نبوت کا کس طرح قائل ہوسکتا ہے؟ جب زندگی ابدالآباد تک نئے اقدار، نئے اندازِ حیات پیدا کرسکتی ہے تو کسی ایک شخص کی تعلیم یا زندگی خاتم کیسے ہوسکتی ہے؟(۳۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ تناقض ایک ظاہری تناقض ہے۔ زندگی کے لامتناہی ارتقا اور اس کے لامتناہی ممکنات کو واضح کر دینا ہی نبوت کا منتہیٰ تھا۔ یہ کام پورا ہوا تو نبوت بھی لازماً ختم ہوگئی۔ خود نبی کے انسانِ کامل ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی اپنی ذات کے لیے کوئی بلند تر درجہ ارتقا باقی نہیں رہا۔ ارتقا کی آخری منزل تو خدا ہے مگر کوئی شخص لامتناہی ارتقا سے بھی خدا نہیں بن سکتا۔ نہ عمل کی کوئی انتہا ہے اور نہ علم کی۔ اس لیے نبی مسلسل استغفار بھی کرتا ہے اور ''رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا'' کی دعا بھی مانگتا ہے۔ عرفان کی بھی کوئی انتہا نہیں اس لیے مدارج میں بھی ''مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِك'' کہتا ہے۔ (۳۵)

دما دم رواں ہے یمِ زندگی ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی (۳۶)

☆

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہبِ زمانہ! کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں! جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں (۳۷)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وحی ایک ایسا خاصۂ حیات ہے جو نہ صرف انسان سے مخصوص ہے بلکہ حیوانات اور نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

.....رَبُّنَا الَّذِی أَعْطَی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَیO (طٰہٰ ۲۰ آیت ۵۰)

''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی فطرت بخشی اور اسے ہدایت دی۔'' (۳۸)

سورۃ النحل میں ہے:

وَأَوْحَی رَبُّكَ إِلَی النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِی مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُونَO (النحل ۱۶ آیت ۶۸)

''اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کر دی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور چھتریوں میں، جو لوگ بناتے ہیں، گھر بناؤ۔'' (۳۹)

وحی ایک ایسا شعورِ حیات ہے، جس کی روشنی میں ہر ذی حیات سرگرمِ عمل ہے۔ یہ شعور اس کی جبلت اور طینت میں خمیر کر دیا گیا ہے۔ اس کی بدولت اسے علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، وہ مقاصد کیا ہیں، جن کے حصول کے لیے اسے جدوجہد کرنا ہے اور وہ وسائل و ذرائع کیا ہیں، جن کے استعمال سے ان مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ (۴۰)

وحی انسان کو خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ جس طرح وحی کا مبداء خدا ہے، اسی طرح عقل و مشاہدہ سے حاصل کیا ہُوا علم بھی خدا کا دیا ہُوا ہے، اور دونوں، مصدر و منبع کے لحاظ سے ہم رتبہ ہیں۔

جہاں تک خالص طبعی زندگی کا تعلق ہے جو انسان اور حیوان میں مشترک ہے اور جبلت کے تابع ہے یعنی کھانا، پینا، سونا، جاگنا اور جنسی خواہش، اس زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جیسے شعور کی ضرورت تھی، وہ تو نوع کے ہر فرد کو عطا ہُوا، لیکن وہ علم جس کی روشنی میں حیاتِ اجتماعیہ متشکل اور منظم ہونی تھی، وہ ہر فرد کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے لیے صرف ان افراد کا انتخاب کیا گیا جو باقی افراد کی نسبت کہیں زیادہ ذہن رسا کے مالک، بلند بین اور حساس ہونے اور کہیں زیادہ پختہ عزم اور اعلیٰ استعدادِ عمل رکھنے کے باعث نہ صرف ان قوانین و ہدایات اور ضوابط و قواعد سے باخبر تھے، جن پر عمل کر کے افراد نہ صرف اجتماعی بقائے دوام اور تحفظ و امن اور انفرادی فلاح و بہبود اور سربلندی و کامرانی حاصل کر سکتے تھے، بلکہ وہ خود ان پر عمل کرنے اور دوسرے افراد کو اپنے دائرۂ عمل میں داخل کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یہ تمام علم ان کو باطنی واردات پر مبنی وجدانات کی صورت میں ملتا تھا۔ اس باطنی مشاہدے میں انہیں یہ یقین محکم بھی ملتا تھا کہ ان کا یہ علم خود اکتسابی نہیں بلکہ یہ انہیں ذاتِ مطلق کے فیضان سے ملا ہے۔ یہ چیدہ چیدہ افراد انبیاء کہلائے اور وحی جو خدا کی طرف

سے نازل ہوتی ہے، انہیں اشخاص سے مخصوص ہے۔(۴۱)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کو حاصل ہونے والے مذکورہ بالا شعور کو، شعورِ نبوت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ عام انسانوں کو شعورِ حیات حاصل ہوتا ہے۔ اولیاء کو شعورِ ولایت حاصل ہوتا ہے۔ شعورِ نبوت، شعورِ ولایت کی ترقی یافتہ شکل ہے اور یہ خاتم الانبیاء اور نبی آخر الزماں ﷺ میں کمال کو پہنچا۔ وحی (شعورِ نبوت کی تکمیل اور سلسلۂ نبوت) کے خاتمے کے بعد عقل استقرائی رہنما قرار پائی کیونکہ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ اب انسانوں کو جس علم کی ضرورت تھی وہ وحی کا علم نہیں بلکہ انسان کی عقل استقرائی سے حاصل کیا ہوا علم تھا۔

ان خیالات کے اظہار کے سات سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں جب لاہور کے ایک ہفت روزہ ''لائٹ'' کے مدیر نے یہ لکھا کہ اقبال عقل کو نبوت پر ترجیح دیتے ہیں تو ان کا اس ضمن میں ایک وضاحتی بیان ''طلوعِ اسلام'' میں شائع ہُوا۔ جس میں انہوں نے واضح الفاظ میں اس تعبیر کی تردید کی۔ چنانچہ اس بیان میں وہ کہتے ہیں کہ ''لیڈنگ سٹرنگس (Strings)'' سے مراد لیڈنگ سٹرنگس آف ریلی جین (Leading Strings of Religion) نہیں بلکہ لیڈنگ سٹرنگس آف فیوچر پرافٹس آف اسلام (Leading Strings of Future Prophets of Islam) ہے یا یوں کہیے کہ ایک کامل الہام و وحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام اور وحی کی غلامی حرام ہے۔ بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک کی غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہو جائے اور لطف یہ ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی غلامی، غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت کے احکام دینِ فطرت ہیں، یعنی فطرتِ صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحہ کا انہیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوئے ہیں، اس واسطے عین دینِ فطرت ہیں۔ یہ ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہیں۔(۴۲)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ ختمِ نبوت سے ایک اور پیغام یہ ملتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا پیغام (وحی) خود ایک سائنسی پیغام ہے۔ ایک سائنسی ضابطۂ حیات ہے۔ کائناتِ فطرت میں جاری وساری قوانین اور اسلام کے قوانین کی ماہیت اور نوعیت ایک جیسی ہے۔ جس طرح قوانینِ فطرت عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں اسی طرح دینی قوانین یا احکام بھی عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں۔ نبوت کے خاتمے کے بعد انسانوں کو چاہیے کہ دینی قوانین و احکام کی پیروی کرتے ہوئے قوانینِ فطرت کی تفہیم حاصل کریں۔ تاریخ کے مطالعے سے بھی ان قوانین کی تفہیم حاصل کریں اور تحقیقی وتنقیدی شعور سے کام لیتے ہوئے، سفرِ حیات جاری رکھیں۔

مذکورہ بالا موقف کی تصدیق وتائید کے لیے قرآن حکیم کی درج ذیل آیات دعوتِ غور وفکر دیتی ہیں:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ O (الروم ۳۰ آیت ۳۰)

سو تم ایک طرف ہو کر دین (حق) کی طرف رُخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے۔(۴۳)

وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ O (البقرۃ ۲ آیت ۱۲۰)

اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔ (ان سے) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے، اور اے پیغمبرؐ! اگر آپ اپنے پاس علم (یعنی وحی خدا) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذاب) خدا سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔(۴۴)

وَكَذَلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ O
(الرعد ۱۳ آیت ۳۷)

اور اس طرح ہم نے اس قرآن کو، عربی زبان کا فرمان، نازل کیا ہے اور اگر تم علم (دانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو خدا کے سامنے نہ کوئی تمہارا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔(۴۵)

''اور یہ بھی فرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے، تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل خدا کے آگے عاجزی کریں''۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ O (الحج ۲۲ آیت ۵۴)

اور تاکہ وہ لوگ جنہیں علم (صحیح) عطا کیا گیا ہے جان لیں کہ وہی (وحی جس کی پیغمبر نے تلاوت کی ہے) آپ کے رب کی طرف سے (مَبنی) برحق ہے سو وہ اسی پر ایمان لائیں (اور شیطانی وسوسوں کو ردّ کر دیں) اور ان کے دل اس (رب) کے لئے عاجزی کریں، اور بیشک اللہ مومنوں کو ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمانے والا ہے۔(۴۶)

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً O (الاسراء ۱۷ آیت ۳۶)

''اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے ضرور باز پرس ہوگی''۔(۴۷)

عربی زبان میں علم کے معنی ہیں سائنسی علم اور قرآن حکیم کی رو سے بھی علم وہ شے ہے جس کو آنکھ نے دیکھا ہو، کان نے سنا ہو اور فواد (قلب) نے اس کے دھوکا نہ ہونے کی گواہی دی ہو۔

اقبال اور رومی

مولانا جلال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ [۱] المعروف مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴ھ (۸-۱۲۰۷ء) کو بلخ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد محترم محمد بن حسین مشہور صوفی بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ [۲] کے خلیفہ تھے۔ان کو سلطان علاء الدین خوارزم شاہ کے دربار میں خاص مقام حاصل تھا۔وہ ۶۱۷ھ (۲۱-۱۲۲۰ء) میں بلخ سے بغداد کے راستے حج کے لیے روانہ ہوئے۔نیشاپور میں ان کی شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو مل کر بڑے خوش ہوئے۔انہوں نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مثنوی ''اسرار نامہ'' دی۔اس کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا کے ہمراہ بغداد کے راستے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔حج وزیارت کے بعد ملاطیہ پہنچے اور وہاں چار سال قیام کیا۔وہاں سے سلجوقی خاندان کے دارالحکومت لارندہ تشریف لے گئے اور وہاں سات سال قیام کیا۔اس کے بعد سلطان علاء الدین کیقباد (۶۱۷-۶۱۴ھ) کی دعوت پر اس کے دارالحکومت قونیہ تشریف لے گئے۔[۳] وہاں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد درس وتدریس میں مشغول رہے۔قونیہ میں ہی انہوں نے جمعے کے روز ۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کو وفات پائی۔[۴]

اپنے والد محترم کی وفات کے بعد مولانا نے نو سال تک قونیہ میں ہی موجود اپنے والد محترم کے مرید سید برہان الدین محقق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ [۵] سے تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد مولانا حلب چلے گئے اور وہاں کے مشہور مدرسے 'حلاویہ' سے تعلیم حاصل کی۔انہوں نے 'حلب' کے کچھ دوسرے مدرسوں سے بھی تعلیم حاصل کی۔[۶]

'حلب' کے بعد مولانا دمشق تشریف لے گئے۔مولانا نے دمشق کے مدرسے 'مقدیسیہ' میں سات سال دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔اس وقت مولانا چالیس سال کے ہو گئے تھے۔[۷]

'دمشق' سے مولانا واپس 'قونیہ' تشریف لے آئے۔یہاں انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے علم کی وجہ سے بہت مشہور ہو گئے۔

۶۴۲ھ (۴۵-۱۲۴۴ء) میں مولانا کی ملاقات درویش خدا مست شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔انہوں نے مولانا کو احساس دلایا کہ صرف ظاہری علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں مل سکتی۔اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے ریاضت ومجاہدے کی ضرورت ہے۔انہوں نے اپنی نگاہ کے ساتھ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی حالت بدل دی۔انہوں نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت کا چراغ روشن کر دیا۔[۸]

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں جا بجا اپنے مرشد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔اس ضمن میں مثنوی دفتر اول کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

شمس تبریزی کہ نور مطلق ست آفتاب ست و ز انوارِ حق ست (۹)
مثنوی معنوی (۱/۴۴)

شمس تبریزی جو مکمل نور ہے، سورج ہے اور حق کے نوروں سے ہے۔

این نفس جاں دامنم بر تافتہ ست بوئی پیراہان یوسف یافتہ ست
مثنوی معنوی (۱/۱۲۵)

اس وقت میری روح مستفید ہو گئی ہے۔اس نے یوسف کے لباس کی خوشبو سونگھی ہے۔

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست شرح آن یاری کہ او را یار نیست

مثنوی معنوی (۱۳۰/۱)

شرح این ہجران و این خونِ جگر این زمان بگزار تا وقت دگر

مثنوی معنوی (۱۳۱/۱)

میں کیا کہوں؟ میری ایک رگ بھی ہوش میں نہیں ہے۔ اس دوست کی تعریف جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس جدائی اور خونِ جگر کی شرح، اس وقت رہنے دیں (اور اسے) کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیں۔

گفتمش پوشیدہ، خوش تر سرّ یار خود تو در ضمن حکایت گوش دار

مثنوی معنوی (۱۳۵/۱)

خوش تر آن باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں (۱۰)

مثنوی معنوی (۱۳۶/۱)

میں نے اس سے کہا کہ یار کا راز چھپا ہوا اچھا ہوتا ہے۔ البتہ تو اسے حکایت کے ضمن میں سن لے۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ دلبروں کا راز دوسروں کے قصے میں بیان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ صدق اور خلوص پر مبنی عشق کے تقاضے پورے کرنے کے لیے اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سمجھنے کے لیے اس کی نازل کردہ آخری آسمانی کتاب قرآنِ حکیم کے ساتھ قلبی و ذہنی تعلق قائم کر لیتے ہیں۔ وہ اس کی تعلیمات سمجھتے اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ عبادات کے علاوہ اپنے اخلاق اور باہمی معاملات کو دین اسلام کے مطابق درست کر لیتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنا آپ درست کرتے ہیں بلکہ وہ دوسروں کی اصلاح کی بھی پوری کوشش کرتے ہیں۔ مولانا رومی میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں۔ وہ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ عشق کی وجہ سے ان کو کسی لمحہ بھی سکون نہیں تھا۔ وہ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ جب نیند آتی تو بیٹھے ہی سو جاتے تھے۔ اکثر روزے رکھتے تھے۔ نماز کا وقت آتا تو چہرے کا رنگ فوراً بدل جاتا اور نماز ادا کرنے لگ جاتے۔ نماز اس قدر محو ہو کر ادا کرتے کہ بعض اوقات عشاء ادا کرتے ہوئے نماز فجر کا وقت قریب آ جاتا۔ نماز کی حالت میں ان پر بہت زیادہ رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کا چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ (۱۱)

ان کو سلاطین، امرا اور عوام الناس کی طرف سے بہت سارے تحائف وصول ہوتے تھے۔ وہ سب کچھ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے بہت تھوڑا رکھتے تھے جس وجہ سے ان کے گھر نہایت تنگی رہتی تھی۔

سخی اس قدر تھے کہ اگر کوئی سائل سوال کرتا اور کچھ نہ ہوتا تو اپنا کرتہ یا عبا اتار کر اس کو دے دیتے تھے۔ انسان تو انسان وہ جانوروں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت تنگ گلی میں سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک کتا سو رہا تھا جس کی وجہ سے راستہ بند ہو گیا تھا۔ مولانا نے راستے میں کتے کو ہٹانا پسند نہ کیا اور کافی دیر تک وہاں کھڑے انتظار کرتے رہے۔

مولانا سلاطین اور امرا سے ملنے سے گریز کرتے تھے۔ جب کوئی ملنے آ جاتا تو اچھے طریقے کے ساتھ ان سے مل لیتے۔

آخری وقت جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو لوگ عیادت کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ حضرت شیخ صدر الدین قونوی عیادت کے لیے آئے تو مولانا کی تندرستی کے لیے دعا کی۔ مولانا نے فرمایا، میری یہ خواہش ہے کہ میں جلد اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جاؤں اور نور، نور کے ساتھ مل جائے۔ اس وقت مولانا نے یہ شعر پڑھا:

چہ دانی تو؟ کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم رخ زرین من منگر کہ پائی آہنیں دارم

دیوان کبیر (۱۵۰۷۴/۳)

تمہیں کیا خبر کہ میں اپنے باطن (دل) میں کس بادشاہ کو ہم نشین رکھتا ہوں؟ میرے زرد چہرے کو نہ دیکھو کہ میرے پیر لوہے کے ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ فرمایا کہ مولانا صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ میری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ اپنے عزیزوں اور مریدوں کو نصیحت کی کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کھانے، سونے اور گفتگو میں کمی کرو۔ گناہوں سے بچو۔ روزے رکھو۔ ہر طرح کی برائی سے بچو۔ مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاؤ۔ جب کوئی تکلیف پہنچائے تو برداشت کرو۔ نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرو۔ (۱۲)

۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء) بروز اتوار مغرب کے وقت آپ وفات پا گئے۔ وصیت کے مطابق شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے مگر غم کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔ آخر قاضی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قونیہ میں ان کا مزار زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔ (۱۳)

زندگی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت، عقیدت اور معرفت کا رشتہ قائم کرے اور اس رشتے کو مضبوط تر بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی محبت کرے اور ان کی خدمت کی بھرپور کوشش کرے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھا، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی، اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کے ساتھ محبت اور عقیدت کے رشتے کو پروان چڑھایا۔ انہوں نے مخلوقِ خدا کی خدمت کی بھی بھرپور کوشش کی۔ مرشدِ کامل کی رہنمائی اور مدد کے بغیر انسان کامیاب زندگی بسر کر سکتا۔ اس لیے مولانا نے اپنی مثنوی میں مرشد کی ضرورت، اہمیت اور اس کے ساتھ محبت اور عقیدت پر زور دیا۔ مثنوی کے دفتر اول میں وہ فرماتے ہیں:

سایۂ یزداں بود بندۂ خدا مردہ ایں عالم و زندۂ خدا
دامن او گیر زو تر بی گماں تا رہی از آفت آخر زماں
(۴۲۴-۴۲۳/۱)

اللہ کا بندہ اللہ کا سایہ ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا میں مردہ مگر اللہ کی محبت میں زندہ ہوتا ہے۔ اس کا دامن شک وشبہ کے بغیر جلد تھام لے تاکہ تُو آخرت کی مصیبت سے چھوٹ جائے۔

وہ مزید فرماتے ہیں:

پیر را بگزیں کہ بی پیر ایں سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر
(۲۹۴۵/۱)

گر نباشد سایۂ اُو بر تو گول پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول
(۲۹۴۸/۱)

پیر تلاش کرو کہ پیر کے بغیر یہ سفر آفتوں سے بھرا، پرخوف وخطر ہے۔ اے نادان! اگر تجھ پر رہبر ومرشد کا سایہ نہ ہو تو شیطان کی آواز تجھے پریشان کر دے گی۔

علامہ اقبال نے 'اسرارِ خودی' میں مرشد کی اہمیت اور عقیدت پر زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کیمیا پیدا کن از مشتی گِلی بوسہ زن بر آستانِ کاملی
(اسرارِ خودی، ص: ۱۸)

کسی کامل کے آستان پر بوسہ زن ہو کر اپنے خاکی وجود سے کیمیا پیدا کر۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی 'مثنوی معنوی' کا تاحیات مطالعہ جاری رکھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق سوچ اور عمل درست کرنے کی تعلیم دی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کی راہ دکھائی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سوچ کو اپنا لیا اور ان کے طریقے کے مطابق ہی قرآن حکیم کی تعلیمات کے ساتھ اپنی شاعری کو مزین کیا۔ ان کو مولانا رومی رحمۃ

اللہ علیہ کی تعلیمات سے اس قدر فائدہ ہوا کہ انہوں نے مولانا رومی کو اپنا مرشدِ معنوی تسلیم کرلیا۔ وہ فرماتے ہیں:

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
(اسرارِ خودی، ص:۹)

پیرِ رومی نے خاک کو اکسیر بنادیا اور میری خاک سے کئی جلوے تعمیر کردیے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اردو و فارسی کلام میں کئی مقامات پر اپنے مرشد رومی اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب شیبِ او فرخندہ چوں عہدِ شباب
پیکری روشن ز نورِ سرمدی در سراپایش سرورِ سرمدی
(جاوید نامہ، ص:۱۹)

۱۔ ان کا چہرہ سورج کی مانند روشن تھا اور ان کا بڑھاپا عہدِ جوانی کی طرح مبارک تھا۔
۲۔ ان کا پیکر نورِ سرمدی سے روشن تھا۔ ان کے تمام وجود میں سرمدی سرور تھا۔

رازِ معنی مرشدِ رومی کشود فکرِ من بر آستانش در سجود
(زبورِ عجم، ص:۱۸۵)

مرشد رومی نے مجھ پر معنوی اسرار کھولے۔ میری فکر ان کے آستان پر سجدہ ریز ہے۔

از نیستاں ہمچو نَے پیغام دہ قیس را از قوم حَے پیغام دہ
نالہ را اندازِ نو ایجاد کن بزم را از ہائے و ہو آباد کن
خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را از قُمِ خود زندہ تر کن زندہ را
خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ جوشِ سودائے کہن از سر بنہ
(اسرارِ خودی، ص:۱۰)

۱۔ بانسری کی طرح جنگل کا پیغام سنا۔ قیس کے لیے لیلیٰ کا پیغام لا۔
۲۔ آہ وزاری کے لیے نیا طریقہ ایجاد کر۔ محفل کو نالۂ وفغاں سے آباد کر۔
۳۔ اُٹھ اور ہر زندہ کو ایک نئی جان دے۔ اپنی 'کھڑا ہوجا' کی صدا سے ہر زندہ کو زندہ تر کردے۔
۴۔ اُٹھ اور ایک دوسرے راستے پر قدم رکھ۔ پرانے جنون کا جوش سر سے اُتار دے۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی برہمن زادہ رمز آشنائے رُوم و تبریز است
(زبورِ عجم، ص:۱۳)

مجھ کو دیکھ لے کہ ہندوستان میں میرے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھے گا۔ برہمن زادہ ہوں مگر رومی و تبریز کے راز سے آگاہ ہوں۔

مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد سِرِّ مرگ و زندگی بر ما کشاد
(پیامِ مشرق، ص:۲۰)

ربانی علم رکھنے والے، پاک فطرت مرشد رومی نے ہم پر موت اور زندگی کا راز ظاہر کردیا۔

بیا کہ من ز خُمِ پیرِ روم آوردم مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است
(پیامِ مشرق، ص:۱۶۵)

آؤ کہ میں پیرِ رومی کے شراب کے مٹکے سے ایسے سخن کی شراب لایا ہوں جو انگوری شراب سے جوں تر ہے۔

آمیزشے کجا گہر پاکِ اُو کجا از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

(پیام مشرق،ص:۲۱۲)

کہاں ملاوٹ، کہاں اُس کی پاک اصل۔ میں (براہِ راست) انگور سے شراب کشید کر کے پیالے میں ڈالتا ہوں۔

ز چشمِ مستِ رومی وام کردم سرورے از مقامِ کبریائی

(ارمغانِ حجاز فارسی،ص:۷۸)

میں نے رومی کی مست آنکھوں سے مقامِ کبریائی کا سرور لیا ہے۔

گرہ از کارِ ایں ناکارہ وا کرد غبارِ رہ گزر را کیمیا کرد
نئے آں نَے نوازے پاک بازے مرا با عشق و مستی آشنا کرد

(ارمغانِ حجاز فارسی،ص:۷۶)

۱۔ مجھ ناکارہ کی مشکلوں کی انہی نے گرہ کشائی کی ہے۔ انہوں نے راستے کی گرد کو کیمیا بنا دیا ہے۔
۲۔ اس پاکباز، نے نواز (رومی) کے نغموں نے مجھے عشق و مستی سے آشنا کر دیا۔

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم دفتر سربستہ اسرارِ علوم
جان او از شعلہ ہا سرمایہ دار من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

(اسرارِ خودی،ص:۸)

۱۔ پیرِ روم (حضرت مولانا رومی) کے فیض سے پھر وہ دفتر دنیا کو سنا دیا جس میں علوم کے اسرار بند ہیں۔
۲۔ اُن کی جان عشق کے شعلوں مالا مال ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے میں میری حیثیت اس چنگاری کی سی ہے جو لمحہ بھر کے لیے چمکی اور بجھ گئی۔

روح رومی پردہ ھا را بر درید از پسِ کُہ پارۂ آمد پدید
بر لبِ اُو سرِّ پنہانِ وجود بند ہائے حرف و صَوت از خود کشود
حرفِ اُو آئینۂ آویختہ علم با سوزِ دروں آمیختہ

(جاوید نامہ،ص:۱۹)

۱۔ اس دوران مولانا رومی کی روح آسمان کا پردہ چاک کر کے ایک پہاڑی کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔
۲۔ ان کے ہونٹوں پر پوشیدہ راز تھے۔ انہوں نے الفاظ اور آوازوں کی زنجیریں اپنے اوپر سے کھول رکھی تھیں۔ مراد یہ ہے کہ ان کی اسرار سے بھرپور باتیں اچھی طرح واضح تھیں۔
۳۔ ان کے الفاظ سامنے موجود آئینے کی طرح (حقیقت دکھا رہے) تھے۔ ان کا علم سوزِ عشق کی بدولت پرتاثیر تھا۔

'جاوید نامہ' میں علامہ اقبال نے مرشد رومی کی رہنمائی میں آسمانی دنیا کا روحانی سفر کیا۔ اس سفر پر انہوں نے مرشدِ رومی سے بہت کچھ سیکھا۔ وہ مرشد کی پیروی کا درس دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر کجا رومی برو، آنجا برو یک دو دم از غیرِ اُو بیگانہ شو

(جاوید نامہ،ص:۳۳)

رومی تمہیں جہاں کہیں لے جائیں، چلے جاؤ۔ ایک دو لمحے کے لیے اس کے سوا ہر شے سے بیگانے ہو جاؤ۔

مقام ذکر کمالات رومی و عطار مقام فکر مقالات بو علی سینا

(ضربِ کلیم،ص:۲۳)

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

(بالِ جبریل،ص:۳۹)

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گِل ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
(بالِ جبریل،ص:۱۱)

عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی
(بالِ جبریل،ص:۵۶)

علامہ اقبال نے مولانا رومی کی تعلیمات کی روشنی میں 'فلسفۂ خودی' پیش کیا۔ان کا فلسفۂ خودی دراصل زندگی گزارنے کا مقصد اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے اسلامی فلسفے پر مشتمل ہے۔انہوں نے اس فلسفے کے ذریعے اسلامی تصوف کی تعلیم دی جو قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی کے عین مطابق ہے۔ان کا فلسفۂ خودی عصرِ حاضر کے تقاضوں پر مبنی اسلامی تصوف کی تعلیم پر مشتمل فلسفۂ حیات ہے۔

اقبال اور تصوف

ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق پیدا کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ایسا طرز فکر وعمل جس کی انجام دہی میں مختلف قسم کے قلبی واردات اور انہی کی بنیاد پر بعض ماورائے عقل مشاہدات میں سے گزرنا پڑے یا گزرنے کی کوشش کی جائے یا ایسا کرنے کا دعویٰ کیا جائے تو یہ تصوف کہلائے گا۔(۱)

تصوف کا بنیادی مقصد:۔

جیسا کہ تصوف کی تعریف سے ظاہر ہے تصوف درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ سمجھنے کی ایک ایسی کوشش ہے کہ جس میں انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقی تفہیم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی ذاتی روحانی واردات کی بنیاد پر ایسا کر بھی لیتا ہے۔(۲)

تصوف درحقیقت اپنے آپ کو جاننے اور پہنچاننے کی ایک کوشش ہے۔ جب انسان خود کو پہچان لیتا ہے تو گویا وہ اپنے خدا کو پہچان لیتا ہے کیونکہ خالق کا اپنی مخلوق سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے۔ انسان جب اپنی ذات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل وکرم سے فکری ونظری پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور خوش نصیب لوگ ذاتِ باری تعالیٰ سے حقیقی ربط وتعلق قائم کر لیتے اور اس کی معرفت سے شرف پاتے ہیں۔

تصوف کا حقیقی مقصد ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ محبت وعقیدت اور معرفت کا رشتہ قائم کرنا، اس رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ ایسا صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رہنمائی سے ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے پیغمبر اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ ہر دور میں نیک لوگ، انبیا اور آسمانی کتب کی رہنمائی کی بدولت قربِ خداوندی حاصل کرتے رہے اور اولیاء اللہ، اہلِ حق، ربانیین کے نام سے موسوم ہوتے رہے۔ دین اسلام ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا حضرت محمد ﷺ کے دور میں تکمیل کو پہنچا۔ اب قیامت تک کے انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ دین اسلام ہے۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے۔

تصوف حق تک رسائی کا ایک راستہ، علم اور ضابطۂ عمل ہے۔ یہ روحِ دین اور اصل ہدایت ہے۔ یہ دین اسلام کی شریعتِ مطہرہ پر خلوص سے عمل کا نام ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کے نام پر غیر اسلامی افکار بھی تصوف میں شامل ہوتے گئے۔ اہلِ حق نے ہر دور میں ان کی نشاندہی کی اور ان کے رد اور ابطلان کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ انہوں نے اسلامی تصوف کا دائرہ کار وضع کیا اور غیر اسلامی تصوف کی بھی واضح نشاندہی کی اور اس کا رد کیا۔ اس لحاظ سے تصوف کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اسلامی تصوف:۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق پیدا کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ایسا طرزِ عمل جس کی بنیاد قرآن وحدیث کی تعلیمات پر ہو اور جس کی انجام دہی سے فرد کی شخصیت مضبوط وتوانا ہو جائے اور وہ فکر وعمل میں آزاد ہوتے ہوئے ملت کا فعال رکن بن سکے، 'اسلامی تصوف' کہلاتا ہے۔

غیر اسلامی تصوف:۔

ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ربط وتعلق پیدا کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ایسا طرزِ عمل جس کی بنیاد قرآن وحدیث کی تعلیمات پر نہ ہو

اور جس کی انجام دہی سے فرد بے عملی کا شکار ہو جائے، اس کی شخصیت کمزور ہو جائے اور وہ ملت کا فعال رکن نہ بن سکے، غیر اسلامی تصوف ہے۔

افکار، نظریات، فلاسفہ اور علاقہ جات کے لحاظ سے غیر اسلامی تصوف کی کئی اقسام اور نام ہیں۔ مثلاً

۱۔ وحدت الوجود یا عجمی تصوف
۲۔ وحدت الشہود یا سامی تصوف
۳۔ ترکی طریقِ تصوف یا وسطی ایشیا کا طریقہ تصوف
۴۔ ہندوستانی تصوف
۵۔ یونانی تصوف (۳)

اقبال اور تصوف:۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب ''مطالعۂ اقبال کے چند نئے رُخ'' میں اقبال اور صوفی اختلاف و اتفاق کی کہانی'' کے عنوان کے تحت تصوف کے بارے میں اقبال کی رائے اور پسند و ناپسند کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''.....تصوف کے بعض خاص رنگوں، رسموں اور طریقوں (مثلاً یونانی، رہبانی اور ہندو تصوف) کے تو واقعی مخالف تھے لیکن قرآنی تصوف کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بلکہ یوں کیوں نہ کہوں کہ وہ سچے تصوف (وارداتِ باطنی یا شعور ولایت) میں گہرا اعتقاد رکھتے تھے۔ انہوں نے صوفیانہ ادب سے خاصا استفادہ کیا۔ ''شبستری کی گلشنِ راز'' کا جواب لکھا، یہاں تک کہ ایک جلیل القدر صوفی رومی ہی کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا اور ایک بدنام مگر نامور صوفی حسین بن منصور الحلاج کو 'جاوید نامہ' میں بڑا رتبہ عطا کیا۔ بعض صوفی اکابر اور ان کی وارداتِ روحانی سے استناد بھی کیا اور ان کی صداقت کو تسلیم کیا۔'' (۴)

ڈاکٹر سید عبداللہ مزید لکھتے ہیں:

''میرا عاجزانہ مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ غلط تصوف کی بات الگ ہے مگر علامہ روح تصوف (صوفیانہ یا مذہبی واردات یا شعور ولایت) کو ایک زندہ حقیقت تصور کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے اپنی شاعری کے علاوہ، اپنے ایک سے زیادہ خطبوں میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے اور اسے اخلاص فی العمل کہہ کر حقیقی تصوف کو مذہب کا ناگزیر جُز قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہر زمانے کے بڑے بڑے صوفیوں کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ ان عظیم صوفیوں میں رومی، شبستری، جامی، مجدد سرہندی وغیرہ، یہاں تک کہ بعض مواقع پر شیخ اکبر ابن عربی کی عظمت کو، ان کی ''فصوص'' کو ناپسند کرنے کے باوجود، تسلیم کیا ہے۔ علامہ نے جہاں جہاں تصوف یا صوفیوں کے خلاف لکھا ہے ان موقعوں کے پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس ادراک کے بغیر ہم غلط نتیجے نکالیں گے اور یہ زیادتی ہوگی۔'' (۵)

اقبال اور تصوف کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے عین درست معلوم ہوتی ہے۔ تحقیقی و تنقیدی مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے کے مطابق اقبال قرآنی تصوف اور اہلِ حق صوفیہ کے معتقد اور قائل تھے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی طرف فطری اور آبائی میلان رکھتے تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح صوفی سلسلۂ قادریہ سے بیعت تھے۔ ان کی عملی زندگی بے غرض اور بے ریا تھی۔ وہ سادہ تھے، متوکل تھے اور عشقِ رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ صاحبِ کمال، صوفیہ کے معترف اور قدر دان تھے۔ خود لکھتے ہیں:

''حضرات صوفیہ میں جو گروہ رسول (ﷺ) کی راہ پر قائم ہے اور سیرتِ صدیقی کو اپنے سامنے رکھتا ہے میں اس گروہ کا خاک پا ہوں اور ان کی صحبت کو سعادتِ دارین کا باعث تصور کرتا ہوں۔'' (۶)

ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائرِ حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام..... جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے۔'' (۷)

واضح ہوا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ شعائرِ حقّہ اسلامیہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے اسلامی تصوف کے قائل، معترف حامی اور پیروکار تھے۔ غیر اسلامی شعائر کی شمولیت کی وجہ سے غیر اسلامی تصوف کے مخالف تھے اور اسے امتِ مسلمہ کی تنزلی کا ایک بڑا سبب سمجھتے ہوئے ان افکار کے حامل طبقہ صوفیہ اور عوام الناس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔

اقبال کے ابتدائی کلام میں تصوف کے اثرات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی کلام پر تصوف کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے متصوفانہ ماحول میں پرورش پائی۔ ان کے والد اور استاد دونوں حضرات صوفی بزرگ تھے۔ ان کی ابتدائی کتب صوفیانہ تعلیم پر مبنی تھیں۔ ہندوستان کا ماحول بھی صوفیہ، اولیاء اور فقرا کی تعلیمات کے زیر اثر تھا۔ انہیں آرنلڈ جیسا استاد ملا جو قدیم و جدید فلسفہ کا ماہر تھا اور تصوف کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ انہی وجوہ کی بنا پر تصوف کا ان پر گہرا اثر تھا۔ اس دور میں انہوں نے جو کلام کہا اس میں وحدت الوجود کا رنگ نمایاں نظر آتا تھا۔ مثلاً

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں — وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں
کبھی اپنا بھی نظارہ کیا ہے تو نے اے مجنوں؟ — کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محمل نشینوں میں
چھپایا حُسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے — وہی ناز آفریں ہے جلوہ پیرا نازنینوں میں (۸)
تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہِ سحر میں وہ — چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے (۹)
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی — جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے (۱۰)
محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن — آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن (۱۱)
روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس — ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس؟ (۱۲)
کھولی ہے ذوقِ دید نے آنکھیں تری اگر — ہر رہ گزر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ (۱۳)
منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت! — اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی (۱۴)

مطالعات کی وسعت، قرآن پر تدبر اور تاریخ پر تفکر کی بدولت اقبال رحمۃ اللہ علیہ غیر اسلامی تصوف کی مختلف اقسام اور مسلمان صوفیہ پر ان کے اثرات سے آگاہ ہوئے۔ پہلے پہل وہ تصوف کے بارے میں اس قدر زیادہ تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے اِن حقائق سے آگاہ نہ تھے۔ جب وہ اِن حقائق سے آگاہ ہوئے تو ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ تصوف کے دیگر حامیوں اور امتِ مسلمہ کی اصلاح کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کی۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے افراد اور ملتِ اسلامیہ کو عجمی تصوف کی خرابیوں سے آگاہ کرنے اور اس کے مضر اثرات سے پاک اور محفوظ رکھنے کے لیے ۱۹۱۴ء میں اسرارِ خودی لکھی جو ۱۹۱۵ء کو شائع ہوئی۔ خودی کے تصور کی مزید وضاحت کے لیے اور اجتماعی خودی کی توضیح کے لیے انہوں نے 'رموزِ بے خودی' لکھی جو نومبر ۱۹۱۷ء کو مکمل ہوئی اور ۱۹۱۸ء کو شائع ہوئی۔

مثنوی کے دیباچہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حافظ کی شاعری کے منفی اثرات پر اعتراض کیا، وحدت الوجود کی مخالفت کی اور خودی کا تصور پیش کیا۔ 'مثنوی اسرارِ خودی' کی اشاعت پر وجودی تصوف کے حامی صوفیوں، روایتی سجادہ نشینوں، عہدِ تنزل کی شاعری کے دلدادوں اور فرسودہ یونانی فلسفۂ اشراق کے پیروکاروں کی اقبال اور اس کے حامیوں کے ساتھ قلمی جنگ شروع ہوگئی جو ۱۹۱۵ء کے اواخر سے لے کر ۱۹۱۸ء یعنی ڈھائی تین برس تک جاری رہی۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی 'اسرارِ خودی' میں جو اشعار حافظ کے خلاف لکھے اور جن پر اعتراض ہوا۔ وہ اشعار یہ تھے:

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار — جامش از زہر اجل سرمایہ دار
رہنِ ساقی خرقۂ پرہیز اُو — مے علاجِ ہولِ رستا خیز اُو
نیست غیر از بادہ در بازارِ اُو — از دو جام آشفتہ شد دستارِ اُو

چوں جرس صد نالۂ رسوا کشید عشق ہم در منزل جاناں ندید
آں فقیہِ ملتِ مے خوارگاں آں امام امتِ بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموخت است عشوہ و ناز و ادا آموخت است
دلربائی ہائے او زہر است و بس چشم او غارت گرِ شہر است و بس
از بز یوناں زمیں زیرک تر است پردہ عودش حجاب اکبر است!
بگزر از جامش کہ درمینائے خویش چو مریدانِ حسن دارد حشیش
محفلِ او در خورِ ابرار نیست ساغرِ او قابل احرار نیست
بے نیاز از محفل حافظ گزر الحذر از گوسفنداں الحذر (۱۶)

۱۔ انگوری شراب پینے والے حافظ سے بچ کر رہو۔اس کے جام میں مہلک زہر ہے۔
۲۔ اس کی پرہیزگاری کی گدڑی ساقی کے پاس گروی ہے۔اس کے قیامت خیز خوف وہراس کا علاج شراب کے سوا کچھ نہیں۔
۳۔ اس کے بازار میں شراب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔شراب کے دو جام پی کر وہ سرتاپا پریشان ہو گیا ہے۔
۴۔ اس نے گھڑیال کی طرح (بلند آواز میں) سینکڑوں آہیں بھریں۔اس نے دیکھا کہ محبوب کے ہاں عشق مفقود ہے۔
۵۔ وہ شراب خور قوم کا (راہ سلوک سے ناآگاہ) فقیہ (عالم) ہے۔وہ ناچار امت کا سرور ورہنما ہے۔
۶۔ وہ بھیڑ کی طرح ہے اور اس نے عاجزی سیکھی ہوئی ہے۔اس نے ناز وادا اور عشوہ گری بھی سیکھ رکھی ہیں۔
۷۔ اس کی دلبری زہر کے سوا کچھ نہیں (فقط زہر ہے)۔اس کی آنکھیں (نگاہیں) شہر کے لیے تباہ کن ہیں۔
۸۔ وہ یونانی بھیڑ سے زیادہ عقلمند ہے۔اس کی شخصیت اس کے اشعار کے بہت بڑے پردے کے پیچھے (چھپی) ہے
۹۔ اس کی صراحی میں موجود جام کو نظر انداز کر دے۔وہ حسن کے مریدوں کے لئے بھنگ کے مترادف ہے۔
۱۰۔ اس کی مجلس نیک وپارسا لوگوں کے لئے مناسب نہیں۔اس کا جام آزادگان کے لائق نہیں ہے۔
۱۱۔ حافظ کی مجلس کے قریب سے بے نیازی سے گزر جاؤ۔ان بھیڑوں سے بچو،ان سے پرہیز کرو۔

اس قلمی ہنگامہ آرائی کا فائدہ یہ ہُوا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کا مزید موقع مل گیا اور عجمی تصوف اور وحدت الوجود کے بارے میں ان کے افکار اور زیادہ وضاحت سے سامنے آ گئے۔

اس قلمی ہنگامہ آرائی کے دوران اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حسن نظامی کے نام ایک مکتوب میں مروجہ تصوف کے بارے میں اپنے افکار میں آنے والی تبدیلیوں کی وجہ یوں بیان کی ہے:

''میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے، میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا تھا کیونکہ فلسفہ یورپ بحیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔''(۱۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے عین واضح ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے **تدبر فی القرآن** اور **مطالعۂ تاریخ اسلام** کی بدولت مروجہ تصوف کی خامیوں اور خوبیوں سے آگاہ ہونے پر، اس کی مخالفت کی۔

تصوف کے سلسلہ میں اپنے افکار کی وضاحت کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۷ء میں درج ذیل وضاحتی مضامین لکھے تھے:

۱۔ اسرارِ خودی اور تصوف ۱۹۱۶ء
۲۔ سر اسرارِ خودی ۱۹۱۶ء
۳۔ علم ظاہر و علم باطن ۱۹۱۶ء

۴۔ تصوف وجودیہ ۱۹۱۶ء

۵۔ اسلام اور تصوف ۱۹۱۷ء

مندرجہ بالا تمام مضامین ''مقالات اقبال'' میں موجود ہیں۔تصوف کے سلسلے میں اقبال کے تمام مضامین' مکتوبات' ملفوظات، کلام اور اس موضوع سے متعلق دیگر تحقیقی وتنقیدی کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر مروجہ تصوف کو اسلامی معاشرے کے لیے مضر خیال کرتے تھے:

۱۔ تصوف میں غیر اسلامی عناصر (افلاطونیت، نوافلاطونیت) کی موجودگی کے زیرِ اثر ملت کی انفرادی، اجتماعی قوتِ عمل مفقود ہوگئی تھی۔ اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ ملت کے زوال کی وجوہات میں اس تصوف کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔

۲۔ مروجہ تصوف نے شعر وادبیات کی حیات بخشی سلب کر کے انہیں خواب آور بنا دیا۔(۱۸)

۳۔ رمز اور تاویل کی رسم جس سے محکماتِ دین کو نقصان پہنچا۔

۴۔ صوفیوں کے خلافِ شرع اقوال اور اصطلاحات خاصہ جو عام آدمی کے لیے گمراہ کن ثابت ہوسکتی تھیں۔

۵۔ صوفیوں نے منظّم سلسلے قائم کر کے مسجدوں کے مقابلے میں خانقاہیں قائم کرلیں۔اس دوعملی نے مسجد کے فوق الکل احترام کو نقصان پہنچایا اور کچھ انتشار بھی پیدا ہُوا۔(۱۹)

تصوف میں غیر اسلامی عناصر کی موجودگی اور اس کے اثرات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں غیر اسلامی عناصر کی موجودگی کی نشاندہی کی اور نہایت شدومد سے ان کی اصلاح کی اہمیت پر زور دیا۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی 'فصوص الحکم' اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی 'حکمت الاشراق' کوئی دس دس دفعہ بالاستیعاب اور نہایت غور وخوض سے پڑھی ہیں۔ان بزرگوں کے علم وذوق میں کوئی کلام نہیں لیکن کتابوں کے اکثر مندرجات کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔کم ازکم میں انہیں عقائد وتعلیماتِ اسلامیہ سے کوئی تطابق نہیں دے سکتا۔''(۲۰)

''ہمہ اوست مذہبی مسئلہ نہیں، یہ فلسفہ کا مسئلہ ہے۔وحدت اور کثرت کی بحث سے اسلام کو کوئی سروکار نہیں۔اسلام کی روح توحید ہے اور اس کی ضد کثرت نہیں بلکہ شرک ہے۔وہ فلسفہ اور وہ مذہبی تعلیم جو انسانی شخصیت کی نشوونما کے منافی ہو بے کار چیز ہے۔تصوف نے Scientific روح کو نقصان پہنچایا ہے۔ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتے، تعویز تلاش کرتے ہیں۔گوش وچشم کو بند کرنا اور صرف چشمِ باطن پر زور دینا جمود اور انحطاط ہے۔قدرت کی تسخیر جدوجہد سے کرنے کی جگہ سہل طریقوں کی تلاش ہے۔شجرِ ممنوعہ، میرا خیال ہے تصوف سے مراد ہے، خالص اسلامی تصوف یہ ہے کہ احکامِ الٰہی انسان کی اپنی ذات کے احکام بن جائیں۔''(۲۱)

''میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہے۔''(۲۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود غیر اسلامی افکار ہیں جن کی بدولت انسان کاہلی، سستی، بے عملی، جمود اور انحطاط کا شکار ہوجاتا ہے۔مروجہ تصوف کی بدولت انسان کی توجہ خارجی عالم اور تسخیر سے ہٹ کر باطن کی طرف ہوجاتی ہے اور وہ استقرائی دانش کے بجائے علمِ باطن سے تسخیر فطرت کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ استقرائی دانش کے ذریعے کائنات اور اس کے نظام پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔وہ اسے حقیقت مطلقہ کا قابلِ مشاہدہ پہلو قرار دیتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ سمع وبصر کے ذریعے ماضی وحال کے واقعات پر تفکر کی تاکید کرتے ہیں۔یہی طریقِ تدبر ہے جس کی بنیاد پر ایک زندہ اور پائیدار تمدن کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔خارج سے فرار اختیار کر کے باطن کی طرف رجوع کرنے والی اقوام کسی زندہ تمدن کی خالق نہیں ہوسکتیں۔(۲۳)

تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

"The cultures of Asia and in fact of the whole ancient world failed, because they approached

Reality exclusively from within and moved from within outwards. This procedure gave them theory without power, and on mere theory no durable civilization can be based". (24)

اسی طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ باطن کے بجائے خارج پر توجہ کی ضرورت اور تسخیرِ فطرت کی صلاحیتوں کے حصول کی بدولت انسان کو حاصل ہونے والے احساسِ برتری کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"The extension of man's power over nature has given him a new faith and a fresh sense of superiority over the forces that constitute his environment. (25)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ افراد اور ملت کے لیے درست اور بھرپور عمل اور جدوجہد کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ عمل اور جدوجہد کو زندگی اور بے عملی کو موت قرار دیتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (۲۶)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ وحدت الوجود کی اسی لیے مخالفت کرتے ہیں کہ اس نے قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوقِ عمل سے محروم کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''شیخ اکبر کے علم وفضل اور ان کی زبردست شخصیت نے مسئلہ وحدت الوجود کو جس کے وہ انتھک مفسر تھے اسلامی تخیل کا ایک لاینفک عنصر بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ نے عوام تک پہنچ کر تقریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوقِ عمل سے محروم کر دیا ہے۔''(۲۷)

وحدت الوجود کی عمومی تعریف:۔

وحدت الوجود کی عموماً یہ تعریف کی جاتی ہے:

''.....موجودِ مطلق خدا کی ذات ہی ہے۔ باقی سب تعینات ہیں جنہیں صفاتِ ذاتِ باری تعالیٰ یا مظاہرِ ذات باری کہا گیا ہے۔ مگر یہ مظاہر ذاتِ باری سے جُدا نہیں۔ کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے اصل میں خدا ہی ہے.....''(۲۸)

''.....وجود صرف ایک ہے باقی ہر شے عدم ہے۔ اس لحاظ سے گویا اللہ ہی کائنات ہے اور کائنات ہی اللہ ہے۔ حیاتِ انسانی کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ہستی کو 'وحدت' میں گم کر کے اس وجودِ واحد کو پالے۔''(۲۹)

وحدت الوجود کے قائل افراد 'ہمہ اوست' کے قائل ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ سب وہی ہے۔ ہر چیز خدا ہے، کائنات بھی خدا ہے۔ اس نظریہ کی بدولت 'توحید' کا اصل اور حقیقی تصور قائم نہیں رہتا۔ رشتوں کا تعین نہیں رہتا۔ حقوق وفرائض کی تقسیم ختم ہو جاتی ہے سائل اور مسئول کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ اسی نظریے کی بنا پر اکبر بادشاہ نے 'دینِ الٰہی' یا 'دینِ اکبر' بنا لیا اور امتِ مسلمہ کو زبردست نقصان پہنچایا۔ اس دین کے ماننے والے جب ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے تھے 'اللہ اکبر' جس سے مراد لیتے تھے کہ 'اکبر بادشاہ' اللہ ہے۔ (نعوذ باللہ علی ذالک)۔ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عام افراد پر 'وحدت الوجود' کے منفی اثرات کے پیشِ نظر اس نظریے کی وضاحت اور اصلاح کی اور توحید کا اصل تصور واضح کیا۔

'وحدت الوجود' کے انہی منفی اثرات کے پیشِ نظر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی اور فرد اور ملت پر اس کے منفی اثرات بیان کئے۔

اقبال اپنے ایک مضمون ''اسلام اور تصوف'' میں عجمی تصوف کی اسلام دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اسلامی فکر وادب کا مطالعہ کرنے والا کوئی فرد اس اعتراف میں متامل نہ ہوگا کہ شریعت سے اعراض کا رجحان اس جھوٹے تصوف کا براہِ راست نتیجہ ہے جو عجمی دل ودماغ کی پیداوار ہے۔ حالانکہ شریعت ہی اسلامی معاشرے کو منظم ومرتب رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔''(۳۰)

امراضِ کی تشخیص اور علاج تجویز کرنے کے ملکہ کی وجہ سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حکیم الامت بھی کہا جاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں وجودی تصوف، عجمی تصوف اور غیر اسلامی تصوف کی نشاندہی کی وہاں ان کمزوریوں کا علاج بھی اپنے 'تصورِ خودی' اور تصورِ بے خودی' کی صورت میں تجویز کر دیا۔ جب انہوں نے پہلی بار انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں عجمی تصوف اور اسلام کے موضوع پر خطبہ دیتے ہوئے وجودی تصوف سے انحراف کا اعلان کیا تو ساتھ ہی اس کا علاج بھی تجویز کر دیا۔ انہوں نے کہا

''اس (یعنی مروجہ) تصوف کو اسلام کے سادہ عقائد اور عربی روح دینی سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کا بنیادی ستم یہ ہے کہ یہ خودی کو تباہ کرتا ہے

حالانکہ خودی ہی ایک ایسی چیز ہے جو اقوام و افراد کی زندگی کی ضامن اور انسان کو بلند ترین مادی و روحانی مدارج تک پہنچانے کی کفیل ہے.....''

تصوف کے لٹریچر میں جہاں کہیں خودی کو مارنے کا ذکر آیا ہے وہاں عوام اس کے معنی غرور و تکبر کرتے ہیں جو رذائل میں سے ہے اور اس سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے لیکن متصوفین نے یہ لفظ غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ احساسِ ذات، انا اور میں کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مٹا دے، اپنے نفس کی نفی کرے تب معرفت کی منزل پر فائز ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ تصور بالکل خلافِ اسلام ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان کی خودی نہ صرف قائم رہے بلکہ ارتقاء کی منزلیں طے کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جائے جو اس کے لیے مقدر ہے اور جس سے بڑا کوئی مقام انسانی تصور میں نہیں آ سکتا۔'' (۳۱)

اپنے اس خطاب میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'خودی' کا ذاتی تصور پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں خودی سے مراد غرور و تکبر نہیں لیتا۔ خودی کا مطلب 'میں'، 'اپنی ذات'، 'احساس' یا 'انا' ہے۔ صوفیہ اس کے فنا اور نفی کے قائل ہیں جبکہ خودی یا ذات نفی کے لیے نہیں بلکہ قائم رہنے کے لیے ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان احکاماتِ الٰہی بجا کر اپنی خودی اور مرتبہ بلند کرے اور محبوبِ ذات بن جائے۔

خودی کی حقیقت کے بارے میں 'عشرت حسن انور' اپنی کتاب 'اقبال کی مابعد الطبیعات' کے باب 'خودی' میں لکھتے ہیں:

''.....خودی ایک واقعی حقیقت ہے، وہ وجود رکھتی ہے اور اپنے طور پر وجود رکھتی ہے۔ ہم وجدانی طور پر جانتے ہیں کہ وہ سب سے زیادہ حقیقی ہے۔ ہم اس کی حقیقت کا براہِ راست وجدان کر سکتے ہیں۔ اس طرح خودی کا وجدان ہمیں اپنے ذاتی تجربے کی حقیقت کا غیر متزلزل ایقان فراہم کرتا ہے۔ نیز وجدان نہ صرف خودی کی حقیقت کا اثبات کرتا ہے بلکہ اس کی ماہیت اور جوہر کو بھی ہم پر آشکار کر دیتا ہے۔ خودی ''جیسی کہ وہ وجدان میں منکشف ہوتی ہے ہادیانہ یعنی رہنما، آزاد اور غیر فانی ہے۔'' (۳۲)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ خودی کے مطابق خودی حقیقی اور موجود ہے اور اس کے استحکام کے لیے عمل اور جدوجہد ضروری ہے۔ دوسری طرف ہمہ الٰہیات یا وحدت الوجود کے ماننے والوں نے خودی کی حقیقت کا انکار کیا ہے۔ وہ مظاہر کی دنیا کو غیر موجود اور غیر حقیقی قرار دیتے ہیں۔ دنیا کو غیر حقیقی قرار دینے کے بعد آدمی بھی اپنی تمام اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں اور ولولوں سمیت عدم میں گم ہو جاتا ہے۔ عمل، سعی اور ترقی، خواہ افراد کی ہو یا اقوام کی عقیدہ ہمہ الٰہیت کی اساس پر برقرار نہیں رکھی جا سکتی۔ لہٰذا خودی کو صحیح معنوں میں موجود اور درحقیقت حقیقی ماننا ہمہ الٰہیت کے بنیادی عقیدے کے منافی ہے کیونکہ یہ عقیدہ نہ تو تجربے کے کسی متناہی مرکز کو تسلیم کرتا ہے اور نہ دنیا کو معروضی حقیقت سے متصف کرتا ہے۔ (۳۳)

عجمی تصوف کے شعر و ادبیات پر اثرات:۔

عجمی تصوف کے ادبیات پر اثرات کے حوالے سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

''عجمی تصوف سے لٹریچر میں دل فریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو پست کرنے والا ہے۔ اسلامی تصوف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے۔'' (۳۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں شعر و ادب کے منفی کردار کے بارے میں یوں لکھا ہے:

شعرِ عجم از ضربِ کلیم

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دل آویز — اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز!
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں — بہتر ہے کہ خاموش رہے، مرغِ سحر خیز (۳۵)

دین و ہنر از ضربِ کلیم

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر — گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات — نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ! (۳۶)

عراقی نے ''لمعات'' میں ''فصوص الحکم'' کو نظم کیا۔ اس طرح فارسی شاعری میں عجمی تصوف کے افکار و نظریات کا بیان عام ہو گیا۔

خواجہ حافظ اس سلسلے میں سب پر بازی لے گئے اور انہوں نے اپنی شاعری میں جام وسبو اور مے کے حوالے سے حالتِ سکر کی تعریف کی اور اسے رواج دیا۔ نتیجہ بے عملی کی صورت میں نکلا۔ سب لوگ جمود کا شکار ہو گئے۔ عملی جدوجہد ضروریات کی حد تک بلکہ اس سے بھی کم تر درجے کی رہ گئی۔ بے عملی ملی اور قومی اعتبار سے زہرِ قاتل ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی شاعری پر اور اس حوالے سے خواجہ حافظ پر بھی تنقید کی۔ انہوں نے ادبیاتِ اسلامیہ میں عجمی تصوف کی پیدا کردہ مضر روش کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔

اس سلسلے میں انہوں نے مثنوی 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بے خودی' لکھیں اور خودی کا نیا تصور دیتے ہُوئے افراد اور ملت کو عملی جدوجہد، بقا اور عروج کا پیغام دیا۔ اس ضمن میں انہیں بہت سی مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے اپنے اصولی موقف کی اچھی طرح وضاحت کی اور نہایت اچھے انداز سے امتِ مسلمہ کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ اپنے ایک مضمون میں انہوں نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہُوئے لکھا:

''صوفی تحریک کو مٹانا میرا مقصد نہیں، میرا مقصد محض حفاظتِ اسلام ہے۔ میں صرف یہ بات مسلمانوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عجمی تصوف (عجمی اس واسطے کہ اس کی تدوین کرنے والے بیشتر عجمی تھے) جزوِ اسلام نہیں یہ ایک قسم کی رہبانیت ہے جس سے اسلام کا قطعاً تعلق نہیں اور جس کے اثر سے اسلامی اقدار میں قوتِ عمل مفقود ہوگئی ہے۔ تصوف کا تو لفظ بھی رسول اللہ (ﷺ) کے زمانے میں موجود نہ تھا۔ ۱۵۰ھ میں یہ لفظ پہلے پہل استعمال میں آیا اور رفتہ رفتہ تصوف کے عجمی حامیوں نے ایک ایسا اخلاقی اور معاشرتی نصب العین پیدا کر دیا جو آخر کار مسلمانوں کی بربادی کا باعث ہوا یا کم از کم اور بواعث میں سے ایک باعث یہ بھی تھا۔ علمائے اسلام نے ابتدا ہی سے اس کی مخالفت کی اور مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق تو علمائے امت کا اجماع ہے کہ یہ قطعاً غیر اسلامی تعلیم ہے..... رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ ہم وحدت الوجودیوں کو مسلمان بنانا نہیں چاہتے بلکہ مسلمانوں کو ان کے تخیلات کے دام سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم حق پر ہیں تو اللہ ہماری حمایت کرے گا اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے۔ ابن تیمیہ، ابن جوزی، زمخشری اور ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عالمگیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی یہی کام کیا ہے اور ہمارا کام اس سلسلے کو جاری رکھنے کا ہے اور کچھ نہیں۔'' (۳۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ اقبال درج ذیل وجوہ کی بنا پر مروجہ تصوف کو اسلامی معاشرے کے لیے مضر خیال کرتے تھے:

۱۔ عجمی تصوف جزوِ اسلام نہیں۔ یہ ایک قسم کی رہبانیت ہے جس سے اسلام کو قطعاً تعلق نہیں۔ اس کی بدولت مسلمانوں میں اخلاقی کمزوری، کاہلی وسستی و بے عملی کی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں جس وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

۲۔ وحدت الوجود کے متعلق علمائے امت کا اجماع ہے کہ یہ قطعاً غیر اسلامی تعلیم ہے۔

۳۔ عجمی تصوف کے ادبیات پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس سے بے عملی کی تعلیم ملتی ہے۔ بے عملی ملّی اور قومی اعتبار سے زہرِ قاتل ہے۔

۴۔ دیگر مصلحینِ امت کی طرح ہمارا بھی فرض ہے کہ مسلمانوں کو عجمی تصوف اور اس کی خرابیوں سے بچائیں۔

رمز اور تاویل کی رسم جس سے محکماتِ دین کو نقصان پہنچا:۔

اقبال عجمی تصوف کے حامی صوفیہ کے طریقہ رمز اور تاویل کے بھی خلاف تھے۔ شیخ اکبر ابن عربی قرآن مجید سے ہر ظاہری لفظ اور عبارت کے نیچے باطنی معنی نکالتے تھے اور مغز اس کو سمجھتے تھے۔ ابنِ عربی کی نظر میں ایمان اور اعمالِ صالحہ اور وجود باری تعالیٰ سے متعلق آیتوں کے علاوہ جملہ اوامر، نواہی اور کائنات کے وجود وعدم اور اخلاقیات (سزا وجزا) بہشت ودوزخ وغیرہ تک محض رمز ہے اور حقیقت اس کے باطن میں ہے جس کا کسی شیخ کی تربیت ہی سے ادراک کیا جا سکتا ہے۔ (۳۸)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیہ کے اس طرزِ فکر کی بھی مخالفت کی اور مولوی سراج الدین پال کے نام اپنے مکتوب میں اس طرزِ فکر کے

منفی اثرات یوں بیان کئے:

''حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل وشعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت SUBTLE طریق تنسیخ کا ہے اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کر سکتی ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبعًا موجود تھا اور اگر چہ اسلام نے کچھ عرصے تک اس کی نشو ونما نہ ہونے دی، تاہم وقت پا کر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہُوا۔ یا بہ الفاظِ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجود تھی۔ ان شعراء نے نہایت عجیب وغریب اور بظاہر دل فریب طریقوں سے شعائرِ اسلام کی تردید وتنسیخ کی ہے اور اس کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ہے تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجے کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے تو شعرائے عجم اس شعارِ اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً

غازی ز پے شہادت اندر تگ و پوست غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
دو روز قیامت ایں بہ او کے مانند ایں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ اور قابلِ تعریف۔ مگر انصاف سے دیکھئے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اُس نے زہر دیا ہے اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کس نے زہر دیا ہے۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے آبِ حیات پلایا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔'' (۳۹)

ترجمہ اشعار:۔

غازی شہادت کی غرض سے دائما کوشاں رہتا ہے۔ (لیکن) جس کو تیرے غم نے مارا وہ اس سے زیادہ افضل ہے۔
کل قیامت کے دن وہ کیسے ایک دوسرے کی طرح ہوں گے۔ (جبکہ) ایک دشمن کا مارا ہوا ہے اور دوسرا دوست کا۔

عجمی صوفیہ کے خلافِ شرع اقوال اور گمراہ کن اصطلاحات:۔

جاہل اور گمراہ صوفیہ نے خلافِ شرع اقوام اور گمراہ کُن اصلاحات سے ان پڑھ اور جاہل لوگوں کو دین اسلام سے بہت دور کر دیا۔ ان کے اِن باطل عقائد اور تصورات کے نتیجے میں معتزلہ، قرامطہ اور اخوان الصفاء جیسی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان گمراہ صوفیہ نے ترکِ دنیا، رہبانیت، بے جا زہد، بے عملی بلکہ گناہ گاری اور رندی وہوس ناکی کی بھی تلقین کی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے باطل عقائد اور تصورات کا بھی بطلان کیا۔

کلامِ اقبال میں عجمی تصوف کی خامیوں سے متعلقہ اشعار:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں کئی مقامات پر مروجہ تصوف کی خامیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عجمی تصوف ذوقِ عمل سے محروم کر دیتا ہے اور رہبانیت سکھاتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟ فقیہہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی (۴۰)
سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہی فقیہہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب (۴۱)
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی (۴۲)
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے (۴۳)
رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی فسانۂ ہائے کرامات رہ گئے باقی
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز کتابِ صوفی و ملا کی سادہ اوراقی (۴۴)
حکیم و عارف و صوفی تمام مستِ ظہور کسے خبر کہ تجلی ہے عین مستوری (۴۵)

ساقی نامہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عجمی افکار نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ تصوف وطریقت بتانِ عجم کے

پجاری ہیں اور یہ حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ صوفیہ جو کبھی محبت میں یکتا اور حمیت میں فرد تھے، عجمی خیالات کے طلسم میں کھو کر حقیقت سے بیگانہ ہو گئے ہیں ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (۴۶)

''ضربِ کلیم'' کی نظم تصوف، میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ اگر تصوف خودی کی نگہبانی نہیں کر سکتا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ؎

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل، جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لَآاِلٰـــــہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۴۷)

''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں ابلیس کا پہلا مشیر تصوف سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج — صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی — ورنہ قوالی سے کچھ کم تر نہیں علمِ کلام (۴۸)

ابلیس اپنے مشیروں کو سمجھاتا ہے کہ موجودہ دور میں اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ صرف اسلام سے ہے۔ مسلمانوں کو بے مقصد شاعری اور عجمی تصوف کے اشغال میں مصروف رکھو تا کہ ان میں انقلابی روح بیدار نہ ہو سکے ؎

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے — پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے (۴۹)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مروجہ تصوف کو عجمی تصورات سے پاک کرنے اور اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے لیے مثنوی 'اسرارِ خودی' اور مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں انفرادی اور اجتماعی خودی کے تصورات پیش کئے اور ایسا ضابطۂ عمل پیش کیا جس سے فرد کی خودی مستحکم ہو اور ایسے افراد مل کر معاشرہ کی اجتماعی خودی کو بھی مستحکم کر سکیں۔

مثنوی 'اسرارِ خودی' مشہور حدیث ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ، فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ'' کی تفسیر اور تشریح ہے۔ اس میں اقبال نے مدلل اور منطقی انداز سے خودی کا تصور بیان کیا ہے۔ بقول ان کے زندگی کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو پہچان کر اور اپنی شخصیت کی تربیت کر کے معرفتِ رب حاصل کرے اور نیابتِ الٰہی کی منزل پر پہنچ جائے۔ زندگی کا باقی رہنا تخلیق اور تولید مقاصد کی بنا پر ہے۔ زندگی تلاش و جستجو کا نام ہے۔ عشقِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ سے خودی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے اور اغیار سے سوال کرنے سے خودی کمزور اور ضعیف ہو جاتی ہے ؎

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است — ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است
چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است — بس بقدرِ استواری زندگی است
زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصلِ اُو در آرزو پوشیدہ است
ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم — از شعاعِ آرزو تابندہ ایم (۵۰)

۱۔ زندگی کا وجود خودی کے نشانات میں سے ہے۔ تو جو کچھ بھی دیکھتا ہے، یہ خودی کے اسرار سے ہے۔

۲۔ چونکہ اس دنیا کی زندگی کا دارومدار خودی کی قوت پر ہے، اس لیے ہر وجود کی زندگی کا دارومدار اس کی خودی کے مستحکم ہونے پر ہے۔

۳۔ زندگی کی بقا کا دارومدار جستجو (تلاش) پر ہے۔ اس کی حقیقت (حصولِ مقصد کی) آرزو میں پوشیدہ ہے۔

۴۔ ہم مقاصد کی تخلیق سے زندہ ہیں۔ آرزو کی شعاع ہمیں روشن رکھتی ہے۔

پھر اقبال رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ نفیِ خود کا اصول مغلوب اور مفتوح قوموں کا ایجاد کیا ہُوا ہے تاکہ وہ غالب اور فاتح قوموں کو بھی کمزور کر دیں تاکہ ان کے ظلم وستم سے نجات پائیں۔ اس لیے وہ بے خودی اور فنائیت کے مسلک کا پرچار کرتی ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فنائیت کے اس تصور کو 'مسلک گوسفندی' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ خودی کی تربیت کے تین مراحل بیان کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ خدا اور رسول (ﷺ) کی اطاعت بجالانے کا ہے ؎

در اطاعت کوش اے غفلت شعار — می شود از جبر پیدا اختیار
ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند — خویش را زنجیریٔ آئیں کند
شکوہ سنجِ سختیٔ آئیں مشو — از حدودِ مصطفیٰ بیروں مرو (۵۱)

۱۔ اے غفلت کے عادی انسان تو اطاعتِ خداوندی کی کوشش کر۔ قواعد وضوابط اور اصولوں کی پابندی سے ہی آزادانہ زندگی بسر کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ جس کسی نے چاند اور ستاروں کو مسخر کیا، اس نے کسی قانون کا پابند ہو کر ہی ایسا کیا۔

۳۔ قانون کی سختی کی شکایت نہ کرو۔ نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ حدود سے باہر نہ نکلو۔

دوسرا مرحلہ ضبطِ نفس کا ہے ؎

ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں — می شود فرماں پذیر از دیگراں (۵۲)

جو کوئی اپنی ذات پر حکمرانی نہیں کرتا، وہ دوسروں کا غلام ہو جاتا ہے۔

جب اطاعت اور ضبطِ نفس کے بعد خودی کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر خودی کی تکمیل کا تیسرا مرحلہ 'نیابتِ الٰہی' آتا ہے، جس پر انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ ؎

نائبِ حق در جہاں آدم شود — بر عناصر حکم اُو محکم شود
نائب حق ہمچو جانِ عالم است — ہستیٔ اُو ظلِّ اسمِ اعظم است
ذات او توجیہہ ذاتِ عالم است — از جلال و نجاتِ عالم است (۵۳)

۱۔ دنیا میں آدم اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ عناصرِ فطرت پر اس کا حکم جاری ہو۔

۲۔ خدا کا نائب دنیا کی روح کی مانند ہے۔ اس کا وجود اسمِ اعظم کا سایہ ہے۔

۳۔ اس کی شخصیت جہاں کی شخصیت کی توجیہہ ہے۔ اس کے جلال کی بدولت جہان (ظلم وستم، جبر واستبداد اور جہالت سے) نجات پاتا ہے۔

نیابتِ الٰہی کے مقام پر فائز ہونے کے بعد انسان کو عناصر پر حکمرانی اور مشکل کشائی کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سخت کوشی کا حکم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی کی آبرو سختی اور طاقت میں مضمر ہے۔

خویش را چوں از خودی محکم کنی — تو اگر خواہی جہاں برہم کنی
می شود از وے دو عالم مستنیر — ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر

در صلابت آبروے زندگی است ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است (۵۴)

۱۔ جب تو اپنے آپ کو خودی سے مستحکم کر لے گا، تو اگر چاہے تو جہاں کو بھی برہم کر سکے گا۔

۲۔ اس شخص سے دونوں جہان روشن ہو جاتے ہیں جو سخت کوش اور سخت گیر ہوتا ہے۔

۳۔ پختگی (خودی کو مستحکم کرنے) سے ہی زندگی آبرو قائم ہے۔ ناپختگی کمزوری اور بے چارگی ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مسلم کی زندگی کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسا جہاد جس کا محرک صرف زمین فتح کرنا ہو وہ مذہب اسلام میں حرام ہے۔ پھر اقبال عقل اور عشق کا موازنہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عقل کی خامیوں اور خرابیوں کا علاج عشق سے کیا جا سکتا ہے۔

علمِ مسلم کامل از سوزِ دل است معنیٔ اسلام ترکِ آفل است

عشق افلاطونِ علّتہائے عقل بہ شود از نشترش سودائے عقل (۵۵)

۱۔ مسلمان کا علم سوزِ دل کی بدولت کمال کو پہنچتا ہے۔ اسلام کے معنی فانی شے کو ترک کرنا ہے۔

۲۔ عشق، عقل کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ عقل کی خرابیاں عشق کے نشتر سے ہی دور ہوتی ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مقولے ''الوقت سیف قاطع'' کی تفسیر کرتے ہوئے زماں کی اہمیت بیان کرتے ہیں ؎

اصلِ وقت از گردشِ خورشید نیست وقت جاوید است و خور جاوید نیست

زندگی از دھر و دھر از زندگی است 'لَا تَسُبُّوا الدَّھْر' فرمانِ نبی است (۵۶)

۱۔ وقت کی حقیقت کا سورج کی گردش سے کوئی تعلق نہیں۔ وقت کو دوام حاصل ہے جب کہ سورج فانی ہے۔

۲۔ زندگی، زمانے سے اور زمانہ زندگی سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ زمانے کو برا نہ کہو۔

پھر اقبال رحمۃ اللہ علیہ مردِ آزاد اور بندۂ محکوم کا فرق بیان کرتے ہیں کہ محکوم زمانے کی قید و بند میں جکڑا ہُوا ہوتا ہے اور مردِ آزاد زمانے پر قابو پاتا ہے اور اس سے اپنے مطالب و منشا کے موافق کام لیتا ہے ؎

عبد را ایّام زنجیر است و بس بر لبِ اُو حرفِ تقدیر است و بس

ہمّتِ حر باقضا گردد مشیر حادثات از دستِ اُو صورت پذیر (۵۷)

۱۔ غلام کے لیے ایام محض زنجیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے لب پر بس تقدیر کا ہی لفظ رہتا ہے۔

۲۔ مردِ حر کی ہمت تقدیر کی مشیر بن جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرد و ملت کی تطہیر و تکمیل کا ایک نصاب تجویز کرتے ہیں۔ مثلاً یاس و حزن کا ازالہ، سوال کی مخالفت، مساوات و اخوتِ بنی آدم کا عقیدہ، آئین کی اطاعت، آرزو کی تربیت اور سب سے آخر میں عشق اور ضبطِ نفس، تا آنکہ فرد نیابتِ الٰہی تک پہنچ جاتا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو مروجہ تصوف میں اسلامی معاشرے کے لیے جو خامیاں نظر آئیں، ان کی اصلاح کے لیے انہوں نے نیا ضابطۂ تصوف مثنوی 'اسرارِ خودی' اور مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں پیش کیا اور اس طرح نہ صرف قومی مرض کی تشخیص کی بلکہ علاج تجویز کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔

اقبال کا فلسفۂ خودی

خودی.....اقبال کا اساسی فلسفہ

''.....علامہ اقبال کے سب نظریات خودی کی تفسیر وتشریح ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ خودی سے ان کی مراد زندگی ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور انسان کے کل احوال ومقامات بھی اس کے ظہورات ہیں.....''(۱)

''.....علامہ اقبال کا اساسی فلسفہ ان کی معروف مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں ملتا ہے۔ اس اساسی فلسفے کی تکمیل مثنوی اسرارِ خودی کے تین برس بعد شائع ہونے والی مثنوی رموزِ بے خودی میں ہوتی ہے۔ اقبال کے دیگر مجموعہ ہائے کلام، مقالات ومضامین ومکتوبات اور خطبات معنوی اعتبار سے اسی فلسفے کی توضیح وتشریح کرتے دکھائی دیتے ہیں.....''(۲)

''اقبال کے تمام حکیمانہ افکار کا سرچشمہ صرف ایک تصور ہے جسے اقبال نے خودی کا نام دیا ہے، اقبال کے اور تمام تصورات اسی ایک تصور سے ماخوذ ہیں اور اس سے علمی اور عقلی طور پر وابستہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کے تمام تصورات خود ایک دوسرے کے ساتھ بھی ایک علمی اور عقلی رشتہ میں منسلک ہیں اور اقبال کا فکر ایک ایسے نظامِ حکمت کی صورت میں ہے جس کا ہر تصور دوسرے تمام تصورات سے علمی اور عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا ہے۔ جب تک ہم اس نظامِ حکمت کے مرکز یعنی تصورِ خودی کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اقبال کے کسی تصور کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور اس کے برعکس جب تک ہم اقبال کے ہر تصور کو جو اس کے نزدیک تصورِ خودی کے حاصلات یا مضمرات میں سے ہے پوری طرح نہ سمجھ لیں ہم خودی کے تصور کو پوری طرح سے نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے افکار کو الگ الگ کر کے اپنے غور وفکر کا موضوع نہ بنائیں بلکہ اس کے پورے فکر کا مطالعہ ایک کُل یا وحدت کی حیثیت سے کریں۔''(۳)

اقبال کے فلسفہ حیات کی اساس اور محور ومرکز خودی کا تصور ہے۔ ان کے فکری نظام کے باقی تمام عناصر اور اجزا اس محور کے گرد گھومتے ہیں۔ اقبال کے اس بنیادی تصور کی فاضلانہ وضاحت ان کے لیکچروں میں ہوئی ہے اور اسے شاعرانہ زبان ان کی معروف مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں اور اس کے علاوہ ان کے فارسی کلام اور اردو کلام کے مختلف حصوں میں ملی ہے.....''(۴)

اقبال کے اساسی فلسفہ.....خودی کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور سید وقار عظیم کی تحقیقی آرا کی روشنی میں اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ خودی اقبال کا اساسی فلسفہ ہے۔
۲۔ علامہ اقبال کے سب نظریات خودی کی تفسیر وتشریح ہیں۔
۳۔ خودی کے تصور کو سمجھنے کے لیے تمام افکارِ اقبال کا ایک کل یا وحدت کی حیثیت سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔
۴۔ علامہ اقبال کا اساسی فلسفہ ان کی معروف مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں ملتا ہے۔
۵۔ اس اساسی فلسفے کی تکمیل مثنوی رموزِ بے خودی میں ہوتی ہے۔
۶۔ اقبال کے دیگر مجموعہ ہائے کلام، مقالات ومضامین ومکتوبات اور خطبات سے اس فلسفے کی توضیح وتشریح ہوتی ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک تصورِ خودی کی اہمیت:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں اپنا اساسی فلسفۂ خودی پیش کیا اور اسے اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''اس مثنوی کو اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں۔ میں مر جاؤں گا، یہ زندہ رہنے والی چیز ہے۔''(۵)

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''خیالات کے اعتبار سے مشرقی اور مغربی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہے۔''(۶)

اسرارِخودی کی تخلیق کا آغاز ۱۹۱۱ء میں ہو چکا تھا۔۱۹۱۴ء کے آخر میں یہ مکمل ہُوئی۔مختلف احباب سے مشورے کے بعد اس کا نام ''اسرارِخودی'' طے پایا اور یہ مثنوی ستمبر ۱۹۱۵ء کے دوسرے ہفتے میں چھپ کر منظرِ عام آ گئی۔(۷)

اسرارِخودی کی اشاعت کے بعد مخالف اور موافق بحث کا ایک سلسلہ چل نکلا۔مخالفانہ بحث مثنوی کے ان تمہیدی اشعار سے ہُوئی جن میں اقبال نے حافظ شیرازی کے مسلک اور افلاطون کے نظریے پر تنقید کرتے ہوئے عجمی تصوف پر اعتراض کیا تھا۔خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ سمیت صوفیوں کے ایک گروہ نے اسے تصوف پر حملہ تصور کیا۔اقبال نے خود بھی اس قلمی مباحثے میں حصہ لیا اور خودی کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر اور تصوف کے مسئلے پر اپنے موقف کی وضاحت کی۔''وکیل'' امرتسر میں ان کے یہ مضامین شائع ہوئے:

۱۔ اسرارِخودی اور تصوف (۱۵جنوری۱۹۱۶ء)

۲۔ سِرّ اسرارِخودی (۹فروری ۱۹۱۶ء)

۳۔ علم ظاہر و باطن (۲۸جون ۱۹۱۶ء)

۴۔ تصوف وجودیہ (۱۳دسمبر ۱۹۱۶ء)

اُن کا ارادہ تصوف کی تاریخ لکھنے کا بھی تھا تا کہ وہ حقیقی اسلامی تصوف اور تصوف وجودیہ (غیر اسلامی تصوف) کا فرق واضح کر سکیں لیکن عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے وہ اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے۔(۸)

اس قلمی محاذ آرائی کی تفصیلات اور اس کے نتائج کا ذکر ''زندہ رُود'' کے باب نمبر۱۲ ''قلمی ہنگامہ'' میں تفصیلاً موجود ہے۔یہ قلمی جنگ ۱۹۱۵ء کے اواخر سے لے کر ۱۹۱۸ء یعنی تقریباً ڈھائی تین برس تک جاری رہی۔(۹)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت باوقار، واضح اور مدلل انداز سے اپنا ''تصورِخودی'' واضح کیا۔آج اس معرکہ آرائی کو تقریباً ایک صدی کے قریب وقت گزر گیا ہے۔اتنے طویل عرصے کی تحقیق وتنقید کے بعد بھی آج تک کوئی بھی ''تصورِخودی'' کی تردید نہیں کر پایا بلکہ تمام محققین بالخصوص اور عوام بالعموم اس کی حقانیت، اہمیت اور افادیت کے قائل ہیں۔فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے اس الہامی تصور کی بقاء اور مقبولیت وقبولیت کی پیش گوئی کی تھی جو کہ آج حرف بحرف پوری ثابت ہو چکی ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام مکتوب (محررہ ۱۳اپریل ۱۹۱۶ء) میں راقم طراز ہیں:

> ''یہ مثنوی جس کا نام ''اسرارِخودی'' ہے، ایک مقصد سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔میری فطرت کا میلان سُکر و مستی و بے خودی کی طرف ہے۔ مگر قسم ہے اس خدائے واحد کی جس کے قبضے میں میری جان و مال آبرو ہے، میں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی، بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہُوئی ہے۔اور میں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا۔جب تک اس کا دوسرا حصہ ختم نہ ہو لے گا میری روح کو چین نہ آئے گا۔اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ بس میرا یہی ایک فرض ہے اور شاید میری زندگی کا اصل مقصد ہی یہی ہے۔مجھے یہ معلوم تھا کہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار ہیں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر واجزا و اسباب کو اپنے شکار (خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد) کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مربّی تصور کرتا ہے۔مگر:
>
> من صدائے شاعر فرداستم (۱۰)
>
> اور:
>
> ناامید استم ز یارانِ قدیم طور من سوزد کہ می آید کلیم (۱۱)
>
> نہ خواجہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال۔یہ بیج جو مُردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے، اُگے گا، ضرور اُگے گا اور علی الرغم مخالفت بار آور ہوگا۔مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے۔الحمدللہ''(۱۲)
>
> ترجمہ اشعار:۔میں کل کے شاعر کی آواز ہوں۔

میں پرانے دوستوں سے مایوس ہوں۔ میرے من کا طور جلتا ہے تا کہ کوئی کلیم آئے۔

اسی طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوب محررہ ۲۴ جون ۱۹۱۶ء میں شاد کو لکھتے ہیں:

''.....میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لکھنے پر مجبور تھا۔ حکم کی اطاعت لازم تھی۔ اس سے چارہ نہ تھا۔ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے۔ اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔''(۱۳)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں کہ:

۱۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحِ امت کے لیے، تائیدِ ایزدی سے، مثنوی 'اسرارِ خودی' لکھی جو ان کے بیان کردہ نظامِ حکمت اور افکار کی اساس اور بنیاد ہے۔

۲۔ انہوں نے اسرارِ خودی لکھ کر اہم فریضہ سرانجام دیا اور شاید یہ ان کی زندگی کا اصل مقصد بھی تھا۔

۳۔ انہیں یقین تھا کہ ان کا تصورِ خودی اصلاحِ امت میں اہم کردار ادا کرے گا۔

۴۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کی مخالفت ہوگی مگر مخالفت کے باوجود ان کی یہ کوشش بارآور ثابت ہوگی اور دنیا ان کے افکار کو تسلیم کرے گی اور ان سے اصلاح ضرور ہوگی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیشین گوئیاں عین درست ثابت ہُوئیں اور آج ملکی، قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر افکارِ اقبال پہ تحقیق، تائید، تحسین اور ترویج کا سلسلہ جاری ہے۔

دیباچہ مثنوی اسرارِ خودی:۔

مثنوی اسرارِ خودی کی پہلی اشاعت میں اقبال کا تحریر کردہ ایک اردو دیباچہ بھی شامل تھا۔ یہ دیباچہ بارہ (۱۲) صفحات پر مشتمل تھا اور فی صفحہ قریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) الفاظ تھے۔(۱۴) یہ اردو دیباچہ اقبال کے فلسفہ خودی کو سمجھنے کے لیے ایک متاثر کن دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ اس دیباچے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی ''انا'' یا ''خودی'' کی حقیقت اور اس کے متعلق مختلف اقوام کے طرزِ فکر و عمل کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ لذتِ حیات ''انا'' کی انفرادی حیثیت، اس کے اثبات، استحکام اور توسیع سے وابستہ ہے۔ اقوامِ مشرق ''انا'' یا ''خودی'' کو ایک فریبِ تخیل سمجھتے ہوئے اس پھندے کو گلے سے اتار دینے کو نجات کا نام دیتی ہیں۔ مسلمانوں میں شیخ محی الدین ابن عربی نے قرآن مجید کی اور ہندوؤں میں سری شنکر نے گیتا کی تفسیر اسی نقطۂ نظر سے کی ہے۔ اقوامِ مشرق کو چاہیے کہ مغربی اقوام کی قوتِ حرکت و عمل (عمل پسند طبع) کو اپنائیں اور بے عملی کی بجائے عمل کی راہ کو اپنائیں۔(۱۵)

دیباچے میں خودی کی ہمہ گیریت، حقیقت، اہمیت بیان کرتے ہُوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ پُر اسرار شے جو فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔ یہ خودی یا انا یا میں جو اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے، جو تمام مشاہدات کی خالق ہے۔ مگر جس کی لطافت مشاہدے کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتی، کیا چیز ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنے فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟ اخلاقی اعتبار سے افراد و اقوام کا طرزِ عمل اس نہایت ضروری سوال کے جواب پر منحصر ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس کے حکما و علماء نے کسی نہ کسی صورت میں اس سوال کا جواب پیدا کرنے کے لیے دماغ سوزی نہ کی ہو۔''(۱۶)

اس اقتباس سے خودی کے بارے میں درج ذیل تصورات واضح ہوتے ہیں:

۱۔ خودی ایک پُر اسرار حقیقت ہے جس کا اظہار عمل سے ہوتا ہے۔

۲۔ ''خودی'' کو ''انا'' یا ''میں'' کے ناموں سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قدرت نے فطرتِ انسانی کو لامحدود کیفیتیں عطا کی ہیں۔ ان منتشر کیفیتوں کی شیرازہ بندی خودی سے ہوتی ہے۔

۴۔ خودی کا تصور ہر قوم اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل موجود رہا ہے۔ ہر دور میں حکماء و علماء کسی نہ کسی صورت میں اس سوال کا جواب

تلاش کرتے رہے ہیں۔

۵۔ یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ ہے۔

فلسفۂ خودی کا اصل ماخذ:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی کا فلسفہ صوفیائے کرام کی تعلیمات اور قرآن کریم سے اخذ کیا تھا۔ ایک بار پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے یہی سوال ان سے کیا تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝'' (سورۂ مائدہ، آیت ۱۰۵)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر فرض ہے خودی کی محافظت اگر تم ہدایت پر ہو۔ تو وہ شخص جو گمراہ ہے، تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، تم سبھوں کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال پر مطلع کر دے گا (تاکہ ان کے مطابق جزا و سزا مل سکے)۔'' (۱۷)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی کی قرآنی تلمیحات کی نشان دہی خود حاشیوں میں کر دی ہے۔ ''اقبال اور قرآن'' میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے مثنوی کے خلاف مختلف اشعار کے حوالے سے وہ آیات اور ان کے حوالے مکمل صورت میں تحریر کئے ہیں، جن سے یہ اشعار اخذ کئے گئے ہیں۔ (۱۸)

مثال نمبر ۱:۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ''اسرارِ خودی'' کے درج ذیل شعر کے بارے میں یوں وضاحت کرتے ہیں۔

''عصرِ من دانندۂ اسرار نیست یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست

ترجمہ:۔ میرا دور اسرار کو نہیں سمجھتا۔ میرا یوسف اس بازار کے لائق نہیں ہے۔

یوسف علیہ السلام کے فروخت کئے جانے کا واقعہ سورۂ یوسف (آیت ۲۰) میں اس طرح آتا ہے:

وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ

اور بھائیوں نے اسے (یوسف علیہ السلام کو) کھوٹے داموں، گنتی کے روپیوں میں بیچ ڈالا۔'' (۱۹)

مثال نمبر ۲:۔

''صفحہ ۱۵ میں شعر ہے:

زندگانی را بقا از مدعا است کاروانش را درا از مدعا است

وہ زندگی بے کار ہے جس میں آرزو نہ ہو۔ ہمت اور استقلال کے ساتھ زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

سورۂ لقمٰن (آیت ۱۷) میں ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝

اور استقلال اختیار کر اس پر جو افتاد تجھ پر پڑے۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (۲۰)

خودی کی تعریف اور مفہوم:۔

خودی کا فارسی لفظ 'خود' سے بنا ہے۔ فارسی اور اردو میں یہ لفظ غرور، تکبر اور خود بینی کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے مگر اقبال نے اس اصطلاح کو شخصیت، ذات، انا اور Ego کے معانی میں استعمال کیا ہے۔ مثنوی اسرار خودی کی پہلی اشاعت میں شامل اردو دیباچے کی آخری عبارت کے دو جملوں میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

''..... یہ لفظ اس نظم میں بہ معنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے۔''

علامہ اقبال ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''..... جہاں جہاں یہ لفظ (خودی) میں نے استعمال کیا ہے اس سے مراد تشخص ذاتی یا احساس نفس ہے۔ انگریزی لفظ Individuality کا یہ ترجمہ ہے۔''(۲۱)

احساسِ نفس، تشخص ذاتی یا تعینِ ذات کے کلمات سے واضح ہے کہ خودی اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے اور ان سے پورا پورا کام لینے کا نام ہے۔

خودی کا تصور از اقبال شناس حضرات:۔

۱۔ ''خودی انسان کا ذاتی کمالات اور فطری تاثرات سے باخبر ہو کر عملی طور پر ان کی حفاظت کرنے کا نام ہے۔'' (شیخ عبدالرحمٰن طارق)(۲۲)

۲۔ ''شخصیت یا خودی ایک نفسیاتی حقیقت ہے۔ اس کی موت انسان کی موت ہے۔ شخصیت تناؤ کی ایک حالت کا نام ہے۔ اگر اس تناؤ کی حالت کو قائم نہ رکھا گیا تو اس میں ڈھیلا پن پیدا ہو جائے گا۔ اس تناؤ کی حالت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ جو چیز ہے وہی ہمارے بقائے دوام کا ذریعہ ہے۔ شخصیت یا خودی کے اس نظریے سے مسئلہ خیر و شر کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جو چیز شخصیت کی مضبوطی کا باعث ہے وہ خیر اور جو اس کو کمزور کرتی ہے۔ اس کا نام شر ہے.....'' (ڈاکٹر سید عابد حسین)(۲۳)

۳۔ ''خودی سے مراد ان قوتوں، استعدادوں اور صلاحیتوں کو پہچاننا اور ان کا کام میں لانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی میں ودیعت کی ہیں۔ علوم وفنون کی یہ فراوانی، ایجادات کا یہ عالم اور دنیا کی یہ چہل پہل اور رونق معرفتِ خودی ہی کے نتائج ہیں۔ عدم معرفت اور نفیٔ خودی کی صورت میں یہ معمور عالم کیا ہوتا اس کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔'' (پروفیسر سید محمد عبدالرشید فاضل)(۲۴)

۴۔ ''خودی سے فخر غرور مراد نہیں بلکہ اس سے وہ استقلال ذاتی مراد ہے جو ہر مخلوق کے علم وعمل کو ایک مخصوص دائرے میں نمایاں کرتا ہے، اس کی ذات وصفات کی بود و نمود کے مظاہر متعین کرتا ہے اور اس کی نشو ونما اور بالیدگی کے سامان فراہم کرتا ہے۔ اس لیے وہ جوہر ہے عرض نہیں۔ آفتاب ہے آفتاب کا سایہ نہیں۔ متحرک ہے۔ ساکن نہیں۔ غرض وہ ایک حقیقی زندگی ہے اور زندگی کی تمام لذتیں اس کے استحکام، اس کی توسیع اور اس کے اثبات سے وابستہ ہیں۔'' (مولانا عبدالسلام ندوی)(۲۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ خودی سے مراد ذاتی قوتوں، استعدادوں اور صلاحیتوں کی پہچان کرنا اور ان کو کام میں لانا ہے۔

۲۔ زندگی کی تمام لذتیں خودی کے استحکام، اس کی توسیع اور اس کے اثبات سے وابستہ ہیں۔

۳۔ دنیا کی یہ چہل پہل اور رونق معرفتِ خودی ہی کے نتائج ہیں۔

۴۔ خودی کی موت انسان کی موت ہے۔

۵۔ خودی خیر سے مستحکم اور شر سے کمزور ہوتی ہے۔

۶۔ خودی حرکت وعمل اور جدوجہد سے مستحکم ہوتی ہے جبکہ بے عملی سے کمزور ہوتی ہے۔

خودی کے مراحل:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی کے تین ارتقائی مراحل بتائے ہیں:

۱۔ اطاعت ۲۔ ضبطِ نفس ۳۔ نیابتِ الٰہی

اطاعت:۔

اطاعت سے مراد بندگی بجالانا ہے۔ اطاعت یہ ہے کہ دین اسلام کے احکام کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ دینی احکامات پر پابندی کے لیے دین کے بارے میں سمجھ بوجھ حاصل کرنا ضروری ہے۔ سمجھ بوجھ کے لیے علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اطاعت سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانا ہے۔ اطاعتِ الٰہی بجالانے کیلئے اطاعتِ نبویؐ ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○ (۲۶)

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔'' (۲۷)

مندرجہ بالا آیتِ مقدسہ میں اطاعتِ الٰہی بجالانے کا حکم ہے۔ اطاعتِ الٰہی بجالانے کے لیے اطاعتِ نبویؐ کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اہلِ علم، اہلِ بصیرت، علمائے حق اور مردانِ خدا کی اطاعت کا حکم ہے کیونکہ یہ حضرات راہِ حق کے مسافر ہیں اور اس بات کا حکم، تعلیم اور مشورہ دیتے ہیں، جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

'' قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ '' (۲۸)

''(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انھیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہوئے اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔'' (۲۹)

ان آیاتِ مقدسہ میں بھی اطاعتِ الٰہی کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ

۱۔ اطاعتِ الٰہی بجالانے کے لیے، اطاعتِ نبویؐ بجالانا ضروری ہے۔

۲۔ اطاعت بجالانے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی محبت کا عملی ثبوت ان کا اطاعت بجالانا ہی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اطاعت گزار بندوں سے محبت فرماتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنے اطاعت گزار بندوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

۵۔ جو لوگ اطاعت بجا نہیں لاتے وہ اللہ تعالیٰ کے ناشکر گزار بندے ہیں۔

مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ کی روشنی میں ''اطاعت'' کی اہمیت اور ضرورت نہایت واضح ہوتی ہے۔ اس اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''اطاعت'' کو خودی کی تربیت کا پہلا مرحلہ قرار دیا ہے۔ اطاعت کی توضیح کے لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اونٹ کی مثال لائے ہیں جو ان کے نزدیک اطاعت کا ایک عملی نمونہ ہے۔ اس مثال کے بعد وہ اطاعت کی اہمیت بیان کرتے ہُوئے کہتے ہیں:

تو ہم از بارِ فرائض سرمتاب برخوری از عندۂ حسن المآب
در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار
ناکس از فرماں پذیری کس شود آتش ار باشد ز طغیاں خس شود (۳۰)

(اے انسان) فرائض کے بار سے سرتابی نہ کر، تاکہ تو عندہ حسن المآب کا پھل کھائے۔

اے غفلت کے عادی انسان تو اطاعتِ خداوندی کی کوشش کر، یاد رکھ جبر سے ہی اختیار پیدا ہوتا ہے۔

نکما انسان سچے احکام کی پابندی سے باوقار ہو جاتا ہے۔ جبکہ آگ، سرکشی کی بنا پر تنکے کی سی ہو جاتی ہے۔

آخری دو اشعار میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ نبویؐ کی نصیحت اور تلقین کرتے ہُوئے کہتے ہیں:

باز اے آزادِ دستورِ قدیم زینتِ پا کن ھماں زنجیرِ سیم
شکوہ سنجِ سختیٔ آئیں مشو از حدودِ مصطفیٰؐ بیروں مرو (۳۱)

☆... اے پرانے دستور اور آئین سے بے تعلق (مسلمان) تو پھر سے وہی چاندی کی زنجیر پاؤں میں ڈال لے۔

☆... آئین کی سختی کا گلہ شکوہ نہ کر، حضور نبی کریمؐ کے مقرر کردہ آئین ودستور کے دائرے سے باہر نہ نکل۔

مرحلہ دوم: ضبطِ نفس:۔

خودی کی تربیت کا دوسرا مرحلہ 'ضبطِ نفس' ہے۔ 'ضبطِ نفس' سے مراد اپنی ذات اور شخصیت پر ضبط، قدرت اور اختیار ہے۔ 'ضبطِ نفس' کی بدولت انسان اپنے جذبات پر قابو رکھتا ہے، اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ نبویؐ بجالاتا ہے۔ ضبطِ نفس کے بغیر اطاعتِ الٰہی بجالانا ممکن نہیں اور اطاعتِ الٰہی کے جذبہ کے بغیر ضبطِ نفس ممکن نہیں۔ اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس لازم وملزوم ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ضبطِ نفس کی تعلیم دیتے ہُوئے فرماتے ہیں:

نفس تو مثلِ شُتر خود پرور است — خود پرست و خود سوار و خودسر است
مرد شو آور زمام او بکف — تاشوی گوہر اگر باشی خزف
ہر کہ برخود نیست فرمانش رواں — می شود فرماں پذیر از دیگراں (۳۲)

☆... تیرا نفس اونٹ کی طرح اپنے آپ کو پالنے والا ہے، ساتھ ہی وہ خود پسند، اپنا سوار آپ (اپنے آپ پر کسی کا اقتدار روا نہیں رکھتا) اور ضدی اور سرکش بھی ہے۔

☆... تو مرد بن اور نفس کی لگام ہاتھ میں تھام لے، اس پر قابو پالے تا کہ اگر تو ٹھیکری ہے تو گوہر بن جائے۔

☆... جس کا اپنے آپ (نفس) پر حکم نہیں چلتا وہ دوسروں ہی کا حکم ماننے پر لگا رہتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ نفس پرست انسان اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کا غلام ہوتا ہے۔ وہ بظاہر خود مختار نظر آتا ہے مگر اصل میں اپنے ضدی اور سرکش نفس کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے اور جانور کی طرح اپنے اس سرکش نفس کا بندہ اور غلام ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو اپنے سرکش نفس پر قابو پالے اور اطاعتِ الٰہی واطاعتِ نبویؐ بجالائے وہ ذرے سے زر اور زر سے ابوذرؓ بن جاتا ہے۔

اگلے اشعار میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کلمہ طیبہ کے جزو 'لا الٰہ' کے حوالہ سے ضبطِ نفس اور اطاعتِ الٰہی کی تعلیم دیتے ہُوئے کہتے ہیں:

تاعصائے لا الٰہ داری بدست — ہر طلسمِ خوف را خواہی شکست
ہر کہ حق باشد چو جاں اندر تنش — خم نگردد پیشِ باطل گردنش
خوف را در سینۂ اُو راہ نیست — خاطرش مرعوبِ غیراللہ نیست (۳۳)

☆... جب تک تیرے ہاتھ میں 'لا الٰہ' (کلمہ توحید) کا عصا ہے تو خوف اور ڈر کے ہر طلسم کو توڑ کے رکھ دے گا۔

☆... جس کسی کے جسم میں حق جاں کی طرح موجود ہے، اس کی گردن کبھی باطل کے سامنے نہیں جھک سکتی۔

☆... اس کے سینے میں خوف کا گزر ہو ہی نہیں سکتا، اس کا دل خدا کے سوا کسی شے سے نہیں ڈرتا۔

مراد یہ ہے کہ اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس کی بدولت حق پرست، حق گو، بندۂ خدا ہر قسم کے فکر اور غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد کے اشعار میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا ذکر کر کے ان کی اہمیت وافادیت بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز — قلبِ مسلم را حجِ اصغر نماز
در کفِ مسلم مثالِ خنجر است — قاتل فحشا و بغی و منکر است (۳۴)

☆... لا الٰہ سیپی ہے تو نماز گوہر (موتی) ہے۔ مسلمان کے دل کے لیے نماز، حجِ اصغر کا درجہ رکھتی ہے۔

☆... (یہ نماز) مسلمان کے ہاتھ میں ایک خنجر کی مانند ہے۔ یہ برائی اور بے حیائی کی باتوں، خدائی احکام سے سرتابی اور برے کاموں کو ختم کر دینے والی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نماز کے بعد دیگر ارکانِ اسلام (روزہ، زکوٰۃ اور حج) کی اہمیت، ضرورت اور افادیت بیان کرتے ہیں اور

حاصل کلام یوں بیان کرتے ہیں:

ایں ہمہ اسبابِ استحکامِ تست پختۂ محکم اگر اسلام تست (۳۵)

☆... یہ سب (ارکان اسلام) تیری پختگی ومضبوطی کا سامان ہیں، اگر تیرا اسلام مضبوط ہے تو تُو خود مضبوط ہے۔

تیسرا مرحلہ:۔ نیابتِ الٰہی:۔

'اطاعت اور ضبطِ نفس' کے مراحل کامیابی سے طے کرنے پر 'نیابتِ الٰہی' کا مرحلہ آتا ہے۔ ایسے انسان کو 'انسانِ کامل' یا 'خلیفۂ خدا' کا مقام عطا ہوتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اطاعت اور ضبطِ نفس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ان مراحل کے طے کرنے پر حاصل ہونے والے مقام کا تذکرہ کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:

گر شُتر بانی جہانبانی کُنی زیبِ سرتاجِ سلیمانی کُنی (۳۶)

☆... اگر تو شُتر بان بن جائے (نفس کے اونٹ کو قابو میں لے آئے) تو دنیا پر حکم چلائے گا اور سلیمانؑ کا تاج تیرے سر کی زینت بنے گا۔

ایسے انسانِ کامل کی خوبیوں کو ذکر کرتے ہُوئے یوں لکھتے ہیں:

نغمہ زا تارِ دل از مضرابِ اُو بہر حق بیداریٔ اُو خوابِ اُو

نوعِ انساں را بشیر و ھم نذیر ہم سپاہی ہم سپہگر ہم امیر (۳۷)

☆... اس کے مضراب سے دل کے ساز میں سے نغمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اس کا جاگنا اور اس کا سونا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

☆... وہ بنی نوع انسان کے لیے خوش خبری دینے والا بھی ہے اور اسے برائی سے ڈرانے والا بھی۔ وہ سپاہی بھی ہوتا ہے وہ فوج کا سپہ سالار بھی ہے اور سردار بھی ہے۔

آخری شعر میں مردِ مومن کی صفات کا ذکر ہے۔ یہی مضمون درج ذیل اشعار میں بھی بیان ہُوا ہے:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

(کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۵۲۲)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۵۰۷)

'مثنوی اسرارِ خودی' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مردِ مومن کی مزید صفات کا یوں ذکر کرتے ہیں:

مُدّعائے علّم الاسماستے سِرِّ سبحان الذی اسراستے (۳۸)

☆... وہ علم الاسماء کا مقصود ومدعا ہوتا ہے۔ وہ 'سبحان الذی اسرا' کا بھید (راز) ہوتا ہے۔

زندگی را می کند تفسیرِ نَو میدہد ایں خواب را تعبیرِ نَو (۳۹)

☆... وہ زندگی کی نئی تفسیر کرتا ہے۔ وہ اس خواب کی نئی تعبیر دیتا ہے۔

فضائل ورذائلِ خودی:۔

'فضائل' کا واحد 'فضیلت' ہے جس کا مطلب 'خوبی' ہے۔ معتدل درجے کی اخلاق ساز خوبی کو فضیلت کہتے ہیں۔ ہر وہ کام جو 'خودی' کو ترقی دینے میں معاون ہو، وہ عمدہ اور ایک طرح کی فضیلت ہوتا ہے۔

'رذائل' کا واحد 'رذیلت' ہے جس کا مطلب خرابی ہے۔ لفظ 'رذیلت' لفظ 'فضیلت' کا متضاد ہے۔ خودی کو کمزور کرنے والا اور اس کی ترقی میں رکاوٹ بننے والا کام ایک اخلاقی خرابی اور رذیلت ہے۔ دین اسلام میں فضائل ورذائل کا ذکر اوامر ونواہی کے تحت ہوتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'ضربِ کلیم' میں 'خوب وزشت' کے عنوان سے فضائل ورذائلِ خودی کا یوں ذکر کیا ہے:

ستارگانِ فضاہائے نیلگوں کی طرح تخیلات بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب
جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فراز و نشیب یہاں بھی معرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرازِ خودی سے ہو، وہ جمیل جو ہو نشیب میں پیدا، قبیح و نامحبوب (۴۰)

فضائلِ خودی.....خودی مضبوط کرنے والے عوامل:۔

درج ذیل عوامل خودی کو مضبوط کرتے ہیں:

ا۔ تخلیقِ مقاصد:۔

تخلیقِ مقاصد سے مراد زندگی میں کامیاب اور ترقی کے لیے مختلف مقاصد متعین کرنا ہے۔ مقاصد انفرادی بھی ہو سکتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ مقاصد کے تعین کے بغیر انسان اپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام نہیں لے سکتا۔ مقاصد کے حصول کا جذبہ حرکت وعمل، کوشش، بھرپور جدوجہد، صبر وتحمل، ایثار وقربانی جیسے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خودی کی ترقی کے لیے تخلیقِ مقاصد کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کی تعلیم بھی دیتے ہیں کہ مقاصد کے حصول میں ناکامی ہو جائے تو مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر کوئی دوسرا مقصد منتخب کیا جا سکتا ہے۔ 'اسرار خودی' میں 'تخلیقِ مقاصد' کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زندگانی را بقا از مدعاست کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیدہ است اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دلِ خود زندہ دار تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار (۴۱)

☆... زندگی کا وجود مقصد پر موقوف ہے۔ اس (زندگی) کے قافلے میں مقصد کو جرس کی حیثیت حاصل ہے۔

☆... زندگی تلاش وجستجو میں پوشیدہ ہے۔ اس کی اصل واساس آرزو میں چھپی ہُوئی ہے۔

☆... تو اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ، تاکہ، بصورتِ دیگر، تیری یہ مٹھی بھر خاک (جسم)، مزار کی صورت اختیار نہ کر جائے۔

آرزو ہو تو تلاش وجستجو بھی ہوتی ہے۔ تلاش وجستجو میں زندگی ہے۔ اگر دل میں آرزوئیں جنم نہ لیں تو سمجھیں کہ وہ مردہ ہو گیا ہے۔ اسی مضمون کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ کہ یہی ہے امتوں کے مَرضِ کُہن کا چارہ

میر درد کے بقول

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آرزو کو خودی کے سمندر کی ایک بے قرار موج قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

آرزو ہنگامہ آرائے خودی موج بیتابے دریائے خودی

☆... آرزو ہی خودی کے لیے ہنگامے آراستہ کرتی ہے۔ اسے خودی کے سمندر کی ایک بے قرار موج سمجھنا چاہیے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قوم کی تنظیم آرزوؤں سے ہے۔ آرزوؤں سے علوم تر وتازہ رہتے ہیں اور نت نئے علوم وجود میں آتے ہیں۔ ان کی بدولت انسان اپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام لیتا ہے۔ علامہ اقبال 'اسرار خودی' میں فرماتے ہیں:

چیست نظمِ قوم و آئین و رسوم چیست رازِ تازگیہائے علوم
دست و دندان و دماغ و چشم و گوش فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش (۴۲)

☆... یہ قوم کی تنظیم، یہ اس کے دستور اور طور طریقے کیا ہیں؟ علوم کا تر وتازہ رہنا اور نت نئے علوم کا وجود میں آنا کیا ہے؟ (یہ سب آرزوؤں کے کرشمے ہیں۔)

☆... ہاتھ، دانت، دماغ، آنکھ، کان، فکر وتخیل، شعور، حافظہ اور دانش سب کیا ہیں؟ (یہ خودی کی نمو اور حفاظت کے سامان ہیں۔)

علم از سامانِ حفظِ زندگی است علم از اسبابِ تقویمِ خودی است (۴۳)

☆... علم تو زندگی کی حفاظت کے اسباب میں سے ہے، علم تو خودی کو مستحکم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اے ز رازِ زندگی بیگانہ، خیز از شرابِ مقصدے مستانہ خیز
ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم از شعاعِ آرزو تابندہ ایم (۴۴)

☆... اے (وہ آدمی) تو جو زندگی کے راز سے ناواقف ہے، بیدار ہو جا اور مقصد کی شراب پی کر مستی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہو۔ (مستی کی کیفیت طاری کر لے)۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ 'تخلیقِ مقاصد' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ باقی تمام مقاصد اس ایک، اول، بنیادی اور آخری مقصد یعنی حصولِ طلب رضائے الٰہی کے حصول کے لیے وضع کئے جانے چاہئیں۔ زندگی، بندگی کے لیے عطا ہُوئی ہے۔ زندگی کا مقصد حصولِ جاہ، طلب واخذِ مرتبہ ومال ودولت وآسائش نہیں ہے۔

۲۔ عشق:۔

'عشق' خودی کی تعمیر وترقی میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں عشق ایک جذبہ اور قوتِ عمل ہے۔ یہ عشق، مرشدِ کامل سے، رسولِ اکرم ﷺ سے اور خدا تعالیٰ سے مردِ مسلمان کا رابطہ مستحکم کرتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ انہوں نے 'مرشدِ حقیقی' کی محبت اور عشقِ رسول ﷺ کی اہمیت پر بار بار زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل (۴۵)
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام (۴۶)
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (۴۷)

'اسرارِ خودی' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشق اور خودی کے تعلق اور اس کے حصول کے لیے کسی 'کامل مرشد' کی ضرورت بیان کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:

عاشقی آموز و محبوبے طلب چشمِ نوحے قلبِ ایّوبے طلب
کیمیا پیدا کُن از مشتِ گِلے بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمعِ خود را همچو رومی برفروز روم را در آتشِ تبریز سوز (۴۸)

☆... تو بھی عاشقی سیکھ اور کوئی محبوب تلاش کر، کسی نوحؑ کی آنکھ اور کسی ایوبؑ کا صبر مانگ۔

☆... تو مٹی کی ایک مٹھی سے کیمیا پیدا کر، کسی کامل انسان کے آستانے پر بوسہ دے۔

☆... اپنی شمع کو پیرِ رومی کی طرح روشن کر، روم کو تبریز کی آگ میں جلا دے۔

مراد یہ ہے کہ جس طرح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی چشمِ کرم سے عشقِ حقیقی حاصل ہُوا اور ان کی خودی کی تکمیل ہُوئی اسی طرح تو بھی کسی کامل انسان سے خودی کا درس لے، عشق کی حرارت حاصل کر اور انبیاء کے صبر ورضا اور جہدِ مسلسل کے طریقے پر عمل کرتے ہُوئے اپنی خودی بلند کر۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقی عشق کے حصول کے لیے من کی دنیا میں غوطہ زن ہونا پڑے گا۔ عشق کے بغیر خودی کی تکمیل ممکن نہیں اور عشق سے مراد عشقِ حقیقی ہے، عشقِ الٰہی ہے، عشقِ نبوی ﷺ ہے۔

ہست معشوقے نہاں اندر دلت چشم اگر داری، بیا، بنمائمت

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیؐ است آبروئے ما ز نامِ مصطفیؐ است (۴۹)

☆... (اے مسلمان) تیرے دل میں بھی ایک معشوق پوشیدہ ہے، اگر آنکھ رکھتا ہے تو آ، میں تجھے دکھاتا ہوں۔

☆... نبی کریم حضرت محمد ﷺ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے۔ ہماری عزت اور آبرو حضرت محمد ﷺ کے نام مبارک سے ہے۔

روزِ محشر اعتبارِ ماست او در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او (۵۰)

☆... قیامت کے روز نبی کریم ﷺ ہماری آبرو اور عزت ہیں۔ آپ ﷺ دنیا میں بھی ہمارے پردہ دار ہیں۔

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق ہست ہم تقلید از اسمائے عشق (۵۱)

☆... عشق کی شراب سے (کیا کیا) سرور پیدا ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی تقلید اور اسوۂ حسنہ کی پیروی بھی عشق کے ناموں میں سے ایک ہے۔

لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق (۵۲)

☆... عشق کے غلبے سے ایک فوج تیار کر (پھر) عشق کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو جا تا کہ کعبہ کا خداوند تعالیٰ تجھ پر نوازش کرے اور تجھے نیابت عطا فرما دے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مردِ مومن کے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، ان میں اہم ترین عشق ہے۔ باقی جملہ اوصاف عشق ہی سے مستنیر ہیں، مثلاً حُسنِ نظر عشق ہی کا عطیہ ہے۔ اس کے علاوہ مردِ مومن کا پنجۂ فولاد بھی عشق کی قوت کا کرشمہ ہے۔ پھر حرکت وحرارت کے اوصاف ہیں جو عشق سے خاص ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مردِ مومن مجسم عشق ہے.....(۵۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق سرِّ دین بھی ہے اور وسیلۂ دنیا بھی۔ اس کے بغیر انسان نہ دین کا نہ دنیا کا۔ اس کے بغیر خودی کا استحکام اور تکمیل نہیں ہے:

ہر کہ از سرِّ نبیؐ گیرد نصیب ہم بہ جبریل امیں گردد قریب (۵۴)

ترجمہ:۔ جو کوئی بھی نبی کریم ﷺ کے راز (شریعت) سے حصہ پاتا ہے وہ جبریل امینؑ کے بھی قریب آجاتا ہے۔

۳۔ سخت کوشی:۔

سخت کوشی سے مراد سخت محنت کرنا اور مشکلاتِ زندگی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔ زندگی حرکت اور جدوجہد کا نام ہے۔ سخت کوشی کے بغیر زندگی بے عملی کی طرح ایک قسم کی موت ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے اصلاحی اور دفاعی جہاد کو خودی کے استحکام کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سخت کوشی اور مشکل پسندی سے انسان کو روحانی اور مادی فتوحات حاصل ہوتی ہیں۔ مردِ مومن جفاکش، بلند ہمت، بہادر، بے باک ہوتا ہے۔ وہ مسلسل جدوجہد (جہاد) میں مصروف رہتا ہے اور خودی کو مستحکم سے مستحکم تر کرتا رہتا ہے۔

چیتے کا جگر چاہیے، شاہیں کا تجسس جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ (۵۵)

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا پُردَم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ اُفتاد (۵۶)

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے رازِ تب و تابِ مِلّتِ عربی (۵۷)

۴۔ تسخیرِ فطرت:۔

'تسخیرِ فطرت' سے مراد قدرتِ خداوندی کے ظاہری اور باطنی خزانوں کو بنی نوع انسان کی خدمت میں لانا ہے۔ 'ارتقا' ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ارتقا کائنات کا اہم وصف ہے۔ یہ 'ارتقا' دنیا کے ذرے ذرے میں جاری و

ساری ہے۔اشرف المخلوقات یعنی انسان میں 'ارتقا' حیرت انگیز طور پر دیکھا جاتا ہے۔اس کا ارتقا کائنات کی حسن وترقی کا موجب ہے۔ 'تسخیرِ فطرت' کی انسانی کوششیں اس ارتقا سے مربوط ہیں۔ارتقاء اور تسخیر فطرت سے خودی مستحکم ہوتی ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں جابجا تسخیرِ فطرت کا درس دیا ہے۔مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور ابھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر چمن اور بھی، آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
(بالِ جبریل،ص۳۵۳)

۵۔انسانی عظمت:۔

انسان کائنات کی اہم ترین مخلوق ہے۔انسان نائبِ خدا ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی شرف وعظمت کو 'تصورِ خودی' سے مربوط کیا ہے اور انسان کو اس کا اعلیٰ و برتر مقام بار بار یاد دلایا ہے۔اس موضوع پر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آخری اردو نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی
یہی فرزندِ آدم ہے کہ جس کے اشکِ خونیں سے کیا ہے حضرت یزداں نے دریاؤں کو طوفانی
فلک کو کیا خبر یہ خاکداں کس کا نشیمن ہے غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی
اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے؟ مرے ہنگامہ ہائے نو بنو کی انتہا کیا ہے؟ (۵۸)

مندرجہ بالا اشعار میں بیان ہُوا ہے کہ زمین وآسمان اور جملہ کائنات کی رونقیں انسان کے دم سے ہیں۔لہٰذا اسے اپنے شرف اور بزرگی کا خیال کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

رذائلِ خودی.....خودی کو کمزور کرنے والے عوامل:۔

رذائلِ خودی سے مراد وہ عوامل ہیں جن سے خودی کمزور ہوتی ہے۔

۱۔سوال:۔

سوال سے مراد کسی سے کچھ طلب کرنا، مدد تلاش کرنا ہے۔اسلام حقیقی احتیاجات اور مسائل کی صورت میں تو باہمی مدد اور تعاون کی اجازت دیتا ہے مگر بلاوجہ، بلاضرورت، کاہلی وسستی اور بے عملی کے باعث دیگر افراد سے مدد اور تعاون کے حصول کو سخت ناپسندیدہ قرار دیتا اور بے جا احسان مندی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔سوال وگدائی سے خودی کمزور ہوتی ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم ﷺ کی حدیث پاک کہ کام کرنے والا اللہ کا دوست ہے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ سائل اور گداگر قیامت کے دن خوار وخجل نظر آئیں گے۔وہ حضرت عمر فاروقؓ کی مثال دیتے ہیں کہ اونٹ پر سواری کی حالت میں ان کے ہاتھ سے تازیانہ گر پڑا تو خود اونٹ سے نیچے اتر کر اٹھایا اور کسی ساتھی کو زحمت نہ دی۔یہ خودداری اور دوسروں کا احسان نہ اٹھانے کی ایک شاندار مثال ہے۔'ضربِ کلیم' میں وہ خودداری کا درس دیتے ہُوئے کہتے ہیں:

حاجت سے مجبور مردانِ آزاد کرتی ہے حاجت شیروں کو روباہ
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر تو بھی شہنشاہ، میں بھی شہنشاہ
قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ
(کلیاتِ اقبال اردو،ضربِ کلیم،ص۶۲۸،۶۲۹)

'اسرارِ خودی' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خودی کا درس دیتے ہُوئے کہتے ہیں:

خود فرود آ از شُتر مثلِ عمرؓ اَلحذر از منتِ غیر الحذر (۵۹)

☆... تُو حضرت عمر فاروقؓ کی طرح خود اونٹ سے اتر کر (اپنا کوڑا اٹھا اور) دوسروں کے احسان سے بچو۔

از سوال آشفتہ اجزاے خودی بے تجلّی نخلِ سیناے خودی (۶۰)

☆... سوال کی وجہ سے خودی کے اجزا برہم ہو جاتے ہیں، یوں خودی کے کوہ طور کا درخت (جس پر خدا کا جلوہ ظاہر ہوا تھا) تجلّی سے محروم رہ جاتا ہے۔ (بےنور رہ جاتا ہے)

چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش (۶۱)

☆... تو غیرتِ مردانہ سے بلبلے کی طرح ہو جا، جو سمندر میں بھی رہتے ہُوئے اپنا پیالہ اوندھا رکھتا ہے۔

یہی 'درس' اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'شمع اور شاعر' میں یوں دیا ہے:

تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر (۶۲)

۲۔حرص وخوف:۔

حرص وہوس اور خوف وہراس رذائلِ خودی ہیں۔ حرص، دراصل افلاس کا خوف ہے اور خوف جان کا ہے یا مال کا۔ حرص، ایثار وقربانی کی راہ میں اور خوف جوانمردی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نوجوان حرص وخوف کا شکار نہ ہوں تو وہ خوددار جوانوں کی حیثیت سے ملت کا مستقبل تابناک کر دیں گے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کا سبب دین سے بے اعتنائی ہے، غربت وافلاس ہرگز نہیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک قطعہ 'مسلمان کا زوال' ملاحظہ کریں:

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہُوا قلندری سے ہُوا ہے، تونگری سے نہیں (۶۳)

۳۔قناعت وانکساری:۔

'قناعت' سے مراد جو کچھ میسر ہے اس پر راضی رہنا اور 'انکساری' سے مراد اپنے آپ کو معمولی اور دوسروں سے کمتر جاننا ہے۔ اعتدال اور توازن کی صورت میں یہ دونوں اچھی صفات ہیں مگر افراط وتفریط یا غلط تاویل اور تعبیر کی صورت میں یہ رذائلِ خودی بن جاتی ہیں۔ اگر کوئی انسان اپنے بے عملی، کاہلی اور سستی کی بناء پر اپنی صلاحیتوں سے بھرپور کام نہ لے اور 'قناعت' کے نام پر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہے تو وہ معاشرے اور دھرتی پر بوجھ بن کر رہ جائے گا اور ملک وقوم کی ترقی کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکے گا۔ اس طرح اگر کوئی اپنی بزدلی، کم ہمتی کو انکساری کا نام دے یا عجز وانکسار کے نام پر دوسروں کی خوشامد کرے تو یہ فی الحقیقت انکساری کے نام پر خواری اور ذلت ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قناعت وانکساری کے نام پر نمو پانے والے کاہلی وخوشامد کے منفی جذبات پر اعتراض کیا اور خودی کا درس دیا۔

استحکامِ خودی کے ثمرات:۔

خودی جب مستحکم ہو جاتی ہے تو وہ نظامِ کائنات کی ظاہری اور خفیہ (پوشیدہ) قوتوں کو اپنے تصرف میں لے کر مطیع کر لیتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از محبت چوں خودی محکم شود قوتش فرماندہِ عالم شود
پنجۂ اوہ پنجۂ حق می شود ماہ از انگشت اُو شق می شود

(کلیاتِ اقبال فارسی، اسرارِ خودی، ص ۲۵)

☆... جب عشق ومحبت کی بدولت خودی مضبوط ہو جاتی ہے تو اس کی قوت وطاقت کائنات پر حکمرانی کرنے لگتی ہے۔

☆... اس (خودی) کا ہاتھ، خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے، اس کی انگلی سے چاند ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

حکایاتِ اسرار ورموز:۔

'مثنوی اسرار ورموز' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل حکایات، مکالمہ اور محاورہ کی مدد سے فلسفۂ خودی' کی وضاحت کی ہے۔

۱۔ حکایت حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ و پادشاہِ دہلی

۲۔ حکایت شیراں و گوسفنداں

۳۔ حکایت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ونو جوانِ مرو

۴۔ الماس وزغال کی حکایت

۵۔ شیخ وبرہمن کی حکایت

۶۔ مکالمۂ گنگا وہمالہ

۷۔ محاورۂ تیر وشمشیر

ان تمام حکایات، مکالمہ ومحاورہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'خودی' کے بارے میں درج ذیل باتوں کی تعلیم دی ہے:

۱۔ حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور پادشاہِ دہلی کی حکایت میں وہ تعلیم دیتے ہیں کہ

''.....جس شخص کی خودی عشق ومحبت کی کٹھن راہ سے گزر کر پختہ اور محکم ہو جاتی ہے، اس کے تصرف واختیار کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اس کی خودی نظامِ عالم کی ظاہری ومخفی قوتوں کو اسیر کر لیتی ہے اور زمانے کی فرماں روائی کا منصب سنبھال لیتی ہے.....'' (۶۴)

۲۔ شیراں و گوسفنداں کی حکایت میں وہ تعلیم دیتے ہیں کہ

''آدمی کمزور اور ناتواں ہو تو وہ اپنی عقل سے کام لے کر حفاظت کے حیلے تراشتا ہے۔ ویسے بھی غلامی اور محکومی کی حالت میں تدبیریں سوچنے والے کی قوت خوب تیز ہو جاتی ہے۔'' (۶۵)

''.....جب غلامی اور محکومی میں جذبۂ انتقام پختہ ہو جائے تو عقل حیلہ گری اور فتنہ انگیزی میں تیز ہو جاتی ہے.....'' (۶۶)

''.....خودی کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ کسی فرد یا قوم کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو جائے کہ قوت وطاقت، سطوت و حکومت اور جوشِ عمل زندگی کی اصل سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ سخت کوشی کے مقابلے میں تن آسانی، اقتدار کے مقابلے میں مسکینی اور تونگری کے مقابلے میں افلاس بہتر اور افضل ہیں.....'' (۶۷)

اس لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر اس تحریک اور فلسفے کے مخالف ہیں جو انسانوں کے قوائے عمل کو مضمحل اور ان کے ارادوں کو کمزور اور بے جان بنا دے۔

۳۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ونو جوانِ مرو کی حکایت سے خودی کے بارے میں یہ سبق ملتا ہے کہ:

''.....عام لوگ اپنے دشمنوں سے ہراساں رہتے ہیں، لیکن جو صاحبِ ہمت وعزیمت ہیں، وہ اپنے دشمنوں کو حقیقتاً دوست اور اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا فضل جانتے ہیں کہ ان سے مقابلے کی بدولت ہی ان کی فطرت کے تمام خوابیدہ جوہر نمایاں اور آشکار ہوتے ہیں۔'' (۶۸)

۴۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الماس وزغال (کوئلے) کی حکایت سے یہ امر واضح کیا ہے کہ:

''.....سخت کوشی اور پختگی ہی سے زندگی میں عظمت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ کوئلے اور ہیرے کی اصل ایک ہے، دونوں کاربن کی مختلف صورتیں ہیں، لیکن ہیرے کی پختگی اسے تاجِ شاہی تک پہنچاتی ہے اور کوئلے کی ناپختگی اسے انگیٹھی کا ایندھن بناتی ہے۔'' (۶۹)

پس زندگی کی عزت وآبرو سختی اور پختگی میں ہے۔ جو ناپختہ ہوگا، وہ ناکارہ بھی ہوگا اور کمزور بھی۔

۵۔ 'شیخ وبرہمن' کی حکایت سے خودی کے بارے میں یہ درس ملتا ہے کہ:

''.....ملی زندگی کا تسلسل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ افراد اپنے وجود کے اندر خودی کی شمع روشن کر کے ان ذمہ داریوں کو پورا کریں جو قوم اور ملت کے افراد کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر وہ ان ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے ہیں تو خواہ ان کی فکر آسمانوں کو طے کرے اور ستاروں کی خبر لاتی پھرے، اس سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔''(۷۰)

۶۔ مکالمۂ گنگا و ہمالہ سے درس ملتا ہے کہ:

''.....زندگی یہ نہیں کہ اپنی ہستی کو فنا کر دیا جائے بلکہ زندگی اس کا نام ہے کہ اپنی جگہ قائم رہ کر ترقی و استحکام کے لیے سعی کی جائے اور خودی کی کیاری سے پھول چُنے جائیں۔''(۷۱)

''.....اس جہانِ رنگ و بو میں خودداری کے ساتھ جینا اور اپنے جوہرِ خودی کی حفاظت کرنا ہی صحیح معنوں میں زندگی ہے۔ اپنے وجود کو کسی دوسرے وجود کی نذر کر کے اپنے آپ کو بے نشان کر دینا اس کا کام ہے جو اپنی ہستی اور اس کی اہمیت کے احساس سے بیگانہ ہو۔ وہ اسی قابل ہے کہ فنا کے گھاٹ اتر جائے۔ مگر جسے اپنی ہستی عزیز ہو، وہ اپنے مقام پر رہ کر اس کی بقا اور استحکام کے لیے جدوجہد کرے گا اور اس طرح دوسروں سے اپنے آپ کو، اپنی غیرت و خودداری کو اور اپنی ہستی کو منوالے گا۔''(۷۲)

۷۔ ''محاورۂ تیر و شمشیر'' سے سبق ملتا ہے کہ:

''..... مایوسی، غم اور خوف تمام برائیوں کی جڑ ہیں۔ ان میں مبتلا انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں ہوتا بلکہ مُردوں سے بدتر ہوتا ہے.....''

''چناں چہ توحید ہی انسان کو ان بیماریوں سے شفا اور امان بخشتی ہے۔ توحید کا عقیدہ جس دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس دل میں مایوسی، غم اور خوف کا گزر ہی ممکن نہیں.....''(۷۳)

حاصل کلام:۔

''خودی' علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا بنیادی فلسفہ ہے۔ اس کا تعلق انسان کی تعمیر و ترقی سے ہے۔ خودی سے مراد اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا اور ان سے کام لینا ہے۔ خودی کی تربیت کے تین مراحل؛ اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی ہیں۔ 'اطاعت' اور 'ضبطِ نفس' کے مرحلے سے گزرنے والا 'نیابتِ الٰہی' کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ تخلیقِ مقاصد، عشق، شرفِ انسانی، جبر و اختیار، سخت کوشی اور ارتقا و تسخیرِ فطرت جیسی صفات خودی کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بے جا احسان مندی، خوف، ہوس اور بے جا عجز و قناعت رذائلِ خودی یعنی خودی کو کمزور کرنے والے عوامل ہیں۔ عمومی اصول یہ ہے کہ ہر وہ کام جو انسانی شخصیت و خودی کو بہتر بنائے اور ترقی دے، وہ عمدہ ہے اور خودی کو کمزور اور ضعیف کرنے والا ہر کام مذموم اور غیر پسندیدہ ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فلسفے کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر رکھی ہے۔ ان کا یہ عالمگیر فلسفہ ان کے بہت بڑے مفکر ہونے کی دلیل ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے خود کہا تھا ؎

پس از من شعرِ من خوانند و دریا بند و می گویند جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

(کلیاتِ اقبال فارسی، زبورِ عجم، حصہ دوم، ۴۹۲/۱۰۰)

☆... میرے بعد لوگ میرے شعر پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: خودی سے آگاہ ایک شخص نے دنیا کی کایا پلٹ دی ہے۔

فلسفۂ خودی پر پروفیسر نکلسن کا تبصرہ اور تجزیہ:۔

مثنوی 'اسرارِ خودی' ۱۹۱۵ء میں شائع ہُوئی تھی۔ نکلسن اقبال کی شاعری کے فن کی نفاست اور فکر کی گہرائی سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے فوراً ہی اقبال سے مثنوی کے ترجمے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ انگریزی ترجمہ ۱۹۱۹ء میں سامنے آیا۔

ترجمے کے تعارف میں نکلسن نے اقبال کی شاعرانہ صلاحیتوں اور ان کی فکری فطانت کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔(۷۴)

اس ممتاز مترجم کے قول کے مطابق

۱۔ یورپی اندازِ فکر کے متعلق اقبال کا مطالعہ بہت گہرا اور عمیق تھا۔

۲۔ اس کے خیال میں اقبال خصوصیت کے ساتھ نٹشے سے متاثر تھے جس کا نظریہ ''فوق البشر'' اقبال کے ہاں انسانِ کامل کی صورت میں ملتا ہے۔

۳۔ وہ کہتا ہے کہ اقبال کی شاعری شیلے کی Poesy کی یاد تازہ کرتی ہے۔

۴۔ اقبال کی تخلیقات کا محرک دین (اسلام) ہے اور اپنے ملک کے اندر اپنے ہم مذہب لوگوں میں ان کی مقبولیت کی بنیاد بھی یہی ہے۔(۷۵)
اس سلسلے میں 'اسرارِ خودی' کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں نکلسن لکھتا ہے:

''اقبال کے احساسات ایک پرجوش مسلم کے احساسات ہیں۔اس کا اسلام سے یہ عقیدتمندانہ تعلق دنیا میں ایک ایسی حکومت چاہتا ہے جس میں مسلمانوں کے لیے قومیت اور وطنیت کی رکاوٹیں حائل نہ ہوسکیں۔اس کا نصب العین ایک ایسے آزاد مسلم معاشرے کا قیام ہے جس کا مرکز کعبہ ہو اور جو ایمان و ایقان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر مضبوط عقیدہ رکھتا ہو۔اقبال نے ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' میں اس کی تعلیم دی ہے۔''(۷۶)

۵۔ نکلسن مزید کہتا ہے کہ اقبال نے جہاد پر بھی بہت زور دیا ہے، مگر یہ جہاد جس کی اقبال حمایت کرتے ہیں، اس کا سیاسی استحصال اور علاقائی فتوحات سے تعلق نہیں بلکہ وہ اخلاقی اور روحانی اقدار کی تشہیر اور اعلان کے لیے کیا جائے۔(۷۷)

معروضی جائزہ:۔

نکلسن کے تبصرے میں بیان کردہ تمام نکات قریباً درست ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعرانہ صلاحیتیں، فکری فطانت، تخلیقات کا محرک دین (اسلام) ہونا اور جہاد کا اخلاقی و روحانی نظریہ، یہ سب باتیں عین درست ہیں۔سبھی اہلِ بصیرت لوگ ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔
اقبال رحمۃ اللہ علیہ نکلسن اور دیگر یورپی ناقدین کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ ان کا نظریہ 'انسانِ کامل' نٹشے سے مستعار ہے۔
وہ نکلسن کے نام اپنے محررہ خط (مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء) میں لکھتے ہیں:

''.....بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے، دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں.....''(۷۸)

''وہ انسانِ کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا۔یہی وجہ ہے کہ اس نے خلطِ مبحث کر کے میرے انسانِ کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے.....''(۷۹)

''.....میں نے آج سے قریباً بیس سال قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں۔''(۸۰)

اسی مکتوب کے آخر میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں:

''میرا دعویٰ ہے کہ ''اسرار'' کا فلسفہ مسلمان صوفیا اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے اور تو اور وقت کے متعلق برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں.....''(۸۱)

محققین نے نطشے کے افکار سے عدم تمسک کے بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے، تبصرہ، بیان یا دعوے کا تحقیق کے اصولوں کے مطابق جائزہ لیا اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ نطشے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات میں سطحی تشابہ اور تماثل پایا جاتا ہے مگر فی الحقیقت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی بنیاد اسلامی تعلیمات اور صوفیا کے مشاہدات ہیں۔اس سلسلہ میں خلیفہ عبدالحکیم تو جہاں کہیں تشابہ اور تماثل نظر آتا ہے وہاں بلا جھجک کہہ دیتے ہیں کہ یہ افکار نطشے یا فلاں فلسفی کے افکار سے اخذ کئے گئے ہیں۔اس سلسلہ میں وہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی پس منظر، مذہبی افکار کو نظر انداز کرتے ہُوئے دکھائی دیتے ہیں۔اگر ان کے افکار ملتے ہیں تو اس سے صرف یہ ہی کیوں سمجھا جاتا ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ افکار نطشے یا دیگر مغربی مفکرین سے لیے۔ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نطشے نے اور دیگر مغربی مفکرین نے یہ افکار اسلامی تعلیمات اور صوفیا کے افکار سے اخذ کئے ہوں اور پھر کچھ ردّ و بدل سے پیش کر دیئے ہوں۔انہیں امکانات کے پیش نظر اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

''.....وقت کے بارے میں برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں۔''

اس سلسلہ میں نکلسن کے نام اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کا درج ذیل اقتباس بھی میری رائے کی تائید کرتا ہے:

''مَیں اس بارے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسرارِ خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنھیں آپ نے دیباچہ 'اسرار' میں شامل کرلیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں، میں نے مغربی مفکرین کے افکار وعقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لیے اختیار کیا گیا تھا تا کہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بآسانی سمجھ لیں، ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ابنِ عربی اور عراق (وحدت الوجود)، واحد محمود (کثرتِ وجود)، الجیلی (انسانِ کامل کا تصور) اور مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (ذات بشر بہ تعلق ذاتِ حق) چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبان اردو جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے''۔(۸۲)

مثنوی 'اسرار خودی' ۱۹۱۵ء میں شائع ہُوئی تھی۔ اس کا انگریزی ترجمہ ۱۹۱۹ء میں شائع ہُوا تھا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نکلسن کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء میں لکھتے ہیں کہ میں نے آج سے قریباً ۲۰ سال قبل (قریباً ۱۹۰۱ء) میں انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ یہ وہ زمانہ جب نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کا جائزہ لیں تو یہ عین درست ہے۔ جامعہ پنجاب میں میکلوڈ عربک ریڈر کے طور پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۳ء کے عرصہ کے دوران اورینٹل کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ بعض علمی موضوعات پر کتابوں کی تالیف یا ترجمہ کرنے کا کام بھی سرانجام دیا تھا۔ اس عرصے میں اقبال کا پہلا ریسرچ پیپر جو انگریزی میں تھا، توحید مطلق کا نظریہ از عبدالکریم جیلی کے عنوان سے ''انڈین اینٹی کوری'' بمبئی میں ستمبر ۱۹۰۰ء کے شمارے میں شائع ہُوا۔ اس مقالے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الجیلی کے ''انسانِ کامل'' کے نظریے پر بحث کی تھی۔ بعد میں یہ مقالہ ان کی تالیف، طبع ۱۹۰۸ء Persian Metaphysics کا حصہ بنا۔(۸۳)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا بنیادی مآخذ قرآن حکیم تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے صوفیائے کرام کے افکار سے بھی استفادہ کیا۔ اگر کسی مغربی مفکر یا فلسفی کے افکار سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا سطحی تشابہ اور تماثل پایا جائے تو پھر بھی اس بات پر اصرار کرنا کہ ان کے افکار کا مآخذ قرآن حکیم اور صوفیانہ تعلیمات نہیں بلکہ مغربی افکار ہیں، ناقدین کی غلامانہ اور سطحی سوچ کو ظاہر کرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کہتا ہے ''اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں''۔ اسی بات کے ثبوت دیگر مذہبی کتب سے بھی مل جائیں کہ وہاں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ بھی ثبوت مل جائے کہ اس مسلمان مفکر نے ان مذہبی کتب کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ تو کیا قوتِ ایمانی اور عقل ودانش کا تقاضا یہی ثابت کرنے کی کوشش کرنا ہے کہ یہ افکار قرآن حکیم سے نہیں بلکہ دیگر آسمانی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔

اگر دو افراد کی ظاہری شکل وشباہت، طور اطوار اور افکار کافی حد تک ملتے جلتے ہوں تو کیا ان کو جڑواں بھائی ثابت کرنا یا ایک ہی خاندان سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا دانشمندی ہوگا جبکہ ان میں سے ایک مشرق میں مسلمان مذہبی گھرانے میں پیدا ہُوا اور دوسرا مغرب میں غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہُوا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ناقدین نے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اکثر ناقدین نے فکرِ اقبال کی انفرادیت اور ان کی اسلامی روح کو تسلیم کیا ہے اس موضوع کو درج ذیل عبارت کے ساتھ سمیٹا جاسکتا ہے کہ:

''..... جہاں تک افکار کا تعلق ہے انہوں (اقبال رحمۃ اللہ علیہ) نے رومی کا کامل تتبع کیا ہے، نہ نٹشے کا، نہ برگساں کا اور نہ کارل مارکس کا، نہ لینن کا، اپنے تصورات کا قالین بنتے ہُوئے انہوں نے رنگین دھاگے اور بعض خاکے ان لوگوں سے لیے ہیں لیکن ان کے مکمل قالین کا نقشہ کسی دوسرے کے نقشے کی ہو بہو نقل نہیں ہے۔ اپنی تعمیر کے لیے انہوں نے ان افکار کو سنگ وخشت کی طرح استعمال کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان مفکر شاعروں میں ہیں جن کے پاس ایک خاص زاویۂ نگاہ اور نظریۂ حیات بھی ہوتا ہے۔ محض افکار کے اِدھر اُدھر سے اخذ کردہ عناصر سے ان کی توجیہہ نہیں ہوسکتی۔''(۸۴)

اقبال کا تصورِ تعلیم

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مسلم دینیات کے مطالعے کے لیے ایک تجویز تیار کی گئی جس کی ترتیب میں علامہ اقبال کے استاد سر تھامس آرنلڈ نے بھی حصہ لیا۔ اس تجویز کا خاکہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے علامہ اقبال کو بھی ارسال کیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیمی خاکے کا تجزیہ کیا اور اس پر تفصیلی رائے دی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس تبصرہ ورائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جدید دور میں علوم اسلامی اور ان کی تدریس کے بارے میں ایک واضح نقطہ نظر رکھتے تھے۔

۱۔ وہ اس قسم کی تدریس سے ایسے علماء پیدا کرنا چاہتے تھے جو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق دین اسلام کی تفہیم، تبلیغ اور ترویج کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔

۲۔ وہ جدید دور میں ایک نئے علم الکلام کی تشکیل کی ضرورت بھی محسوس کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ نئے علوم سے انسان کے لیے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ ان الجھنوں کی تشفی پرانے دلائل سے نہیں ہوسکتی۔ اس لیے مذہب کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے نئے علمِ کلام کی ضرورت ہے۔ (۱)

گویا اقبال رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ اسلامی علوم کی تدریس کا پرانا نصاب اور طرزِ تدریس موجودہ دور کے مسلمان کی علمی، فکری اور سماجی ضرورتیں پوری نہیں کرتا۔ اس دور میں ایسے علماء بھی نظر نہیں آتے جو جدید دور کے تقاضے سمجھ کر اس کے مطابق اسلامی علوم سمجھ سکیں اور آگے تعلیم دے سکیں۔ نئے علوم نے انسان کے لیے نئے مسائل پیدا کئے ہیں اور نئے سوالات کھڑے کیے ہیں۔ اس دور کے انسان کے علمی اور فکری تقاضے بدل چکے ہیں۔ اسے قدیم طرزِ استدلال سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے نئے علم کلام کی ضرورت ہے۔ اگر عہدِ حاضر کے انسان کو مذہبی حوالے سے مطمئن نہ کیا گیا تو وہ دین سے بہت دور ہو جائے گا۔ اس کے نزدیک دینی علوم کی ضرورت اور اہمیت ختم ہو جائے گی اور وہ مادہ پرست ہو جائے گا۔ وہ صرف دنیاوی علوم پڑھے گا اور سمجھے گا۔ وہ اخلاقی اور روحانی لحاظ سے ترقی نہیں کر سکے گا۔ اس لیے قدیم طرز پر اسلامیات کی تعلیم دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> ''.....میرے نزدیک قدیم طرز پر مسلم دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سود ہے۔ اگر آپ اس سے یہ مقصد نہیں رکھتے کہ سوسائٹی کی زیادہ قدامت پسند جماعت کی تالیفِ قلب مدنظر رہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے، کہا جاسکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے، جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلے میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔'' (۲)

صاحبزادہ آفتاب نے اپنے مکتوب بنام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں علوم اسلامی کی تدریس کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے تھے:

۱۔ بہتر و مسلمہ جامعیت کے علماء وفقہا کو ترتیب دینا۔

۲۔ ایسے علما پیدا کرنا جو اسلامی افکار اور ادبیات کے شعبوں میں اپنی تحقیقات سے موجودہ علوم کے درمیان پائے جانے والے فکری تسلسل کی نشاندہی کر سکیں۔

۳۔ ایسے علما تیار کرنا جو اسلام کے قانونی لٹریچر پر تحقیق کے لیے موزوں ہوں۔

۴۔ ایسے علما تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (فنون) اور علم تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں پر عبور رکھتے ہوں۔ (۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا مقاصد سے اتفاق کیا مگر بعض امور کی وضاحت سے انہیں مزید جامع بنا دیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں رائے دیتے ہوئے کہا:

۱۔ ملت کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے موزوں صفات کے علماء پیدا کئے جائیں۔ اس سلسلے میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی علوم کو سمجھا جائے، نیا علم کلام وضع کیا جائے، علماء کو افکارِ جدیدہ اور سائنس کی تعلیم دی جائے۔ اس کے علاوہ مذاہبِ

اسلام، اسلامی اخلاق اور فلسفہ مابعد الطبیعات کی تعلیم دی جائے۔ مجوزہ تعلیم سے آراستہ علماء خود اجتہادِ فکر پر قادر ہوں گے۔

۲۔ ایسے لوگ جو سائنسی تحقیق کا خصوصی ذوق رکھتے ہوں، ان کو ان کے میلاناتِ طبعی کے مطابق جدید ریاضیات، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہیے۔ اس تعلیم کے ساتھ انہیں اسلامی علوم کی تعلیم دی جائے۔ ایسے سکالرز کو یونیورسٹی کا فیلو بنایا جائے تاکہ وہ پورا وقت اپنے منتخبہ مضمون اور موضوع پر ریسرچ کرنے میں صرف کر دیں۔

۳۔ مسلم تمدن اور تہذیب میں دلچسپی رکھنے والے افراد کو اسلامی تہذیب وتمدن کے اصولوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلم آرٹ اور فنِ تعمیر کی تعلیم بھی ملنی چاہیے۔

۴۔ قانونِ محمدی (ﷺ) کی تعلیم صرف ایسے ہی ذہین اور طباع افراد کو دی جائے جو قانون کا خاص ذوق رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کو جدید اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات اور اسلامی اصولِ فقہ کی اس طرح تعلیم دینی چاہیے کہ وہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اسلامی فقہ کو از سرِ نو تشکیل دے کر قانون سازی کر سکیں۔

۴۔ ان لوگوں کے لیے جو اسلامی حکمت، ادبیات، آرٹ، تاریخ نیز دینیات کا نصاب اختیار کریں گے، جرمن اور فرنچ زبانوں کا حسب ضرورت جاننا ازبس ضروری ہے۔ (۴)

اقبال کا تصورِ تعلیم:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ تعلیم کے بنیادی فکری تصورات درج ذیل ہیں:

۱۔ تصورِ توحید ۲۔ تصورِ زماں ومکاں ۳۔ عمل اور حرکت کا تصور ۴۔ قانونِ اعتدال

بقول ڈاکٹر وحید قریشی علامہ کی فکر کے یہ چار پہلو اُن کے دینی تصور سے نکل کر فلسفیانہ افکار تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور زندگی کے مختلف مظاہر کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں۔ (۵)

۱۔ تصورِ توحید:۔

تصورِ توحید محض خدا کو ایک ماننے پر منحصر نہیں بلکہ علامہ اس کی تجرید کرتے ہوئے، اسے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر پھیلاتے ہیں۔ مثلاً وحدتِ دین ودنیا، وحدتِ موت وحیات، انسان اور خدا کے رشتے کی وحدت۔

اقبال دین اور دنیا میں تفریق کے قائل نہیں تھے۔ وہ دین، دنیا اور آخرت میں وحدت کے قائل تھے۔ اس طرح بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ وہ خدا، کائنات اور انسان، تینوں کو ایک ہی حقیقتِ مطلقہ تسلیم کرتے تھے۔ وہ فرد کی ایسی تعلیم کے قائل تھے جو دین، دنیا، آخرت میں اس کی کامیابی کو یقینی بنا دے اور خدا و کائنات سے اس کے رشتے کو مستحکم کر دے۔ اس لیے وہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم کے بھی قائل تھے۔ وہ جدید علوم کے ساتھ قدیم علوم کی اہمیت بھی تسلیم کرتے تھے اور ان میں تطابق کو ضروری جانتے تھے۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

> ''اقبال، مغربی علوم کے حق میں تھے، لیکن قدیم سرمائے کو بھی نظر انداز کرنے کے قائل نہیں تھے۔ فلسفیانہ سطح پر وہ جملہ عوامل کو اکائی کی صورت میں دیکھتے تھے اور ماضی، حال، مستقبل کو ایک کل کے طور پر متشکل کرنا چاہتے تھے۔ وہ جدید علوم کی افادیت کے منکر نہ تھے، لیکن جدید اور قدیم کے درمیان تطابق کو ضروری جانتے تھے، اس کے لیے ان کے ہاں مغربی تعلیم کی بعض خرابیوں کا برملا اظہار ملتا ہے اور قدیم سرمایہ علم کی توسیع کا احساس بھی (نظر آتا ہے۔) ان دونوں کے درمیان ایک نئی تالیف (Synthesis) کی تلاش ان کے نزدیک ضروری تھی۔'' (۶)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ جدید تعلیم کو مذہب سے بیگانہ رکھنا گوارا نہیں کر سکتے، اس لیے موجودہ تعلیم سے جو الحاد پھیل رہا ہے اس سے سخت بیزاری ظاہر کرتے ہیں:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ (۷)

تعلیمِ پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انعاش
کہتا ہے مگر فلسفۂ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش (۸)
اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف (۹)
گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ (۱۰)
یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں نہ ادائے کافرانہ، نہ تراشِ آزرانہ (۱۱)

۲۔تصورِ زماں ومکاں:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعلیمی لحاظ سے معاشرے کو ایسے فرد کی ضرورت ہے جو ''مکان'' سے بلند ہوکر ''زمانی تسلسل'' کو آشکار کر سکے اور معاشرے میں حقائقِ حیات کی روشنی میں اسلام کی تعبیرِ نو کا اہل ہو۔ڈاکٹر وحید قریشی افکارِ اقبال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں:

''.....لازم ہے کہ سماج تعلیم وتربیت کا ایک ایسا نظام وضع کرے جس میں فرد وحدتِ فکر سے ہمکنار ہو کر معاشرتی ضرورت کو پورا کر سکے اور ماضی کو رد کیے بغیر حال کا رشتہ آئندہ کے امکانات سے جوڑ سکے۔''(۱۲)

۳۔عمل اور حرکت کا تصور:۔

کائنات مسلسل ترقی اور عمل کی طرف گامزن ہے۔انسانی زندگی ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے، نئے روپ اختیار کرتی ہے اور جادۂ ترقی پر قدم پیما ہے۔اسی طرح علوم وفنون بھی مسلسل ارتقا کی طرف رواں ہیں۔گویا عمل اور حرکت زندگی کا دوسرا نام ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علم اور تعلیم کے لیے عمل اور حرکت کے اس تصور کو مدنظر رکھا ہے۔ان کے نزدیک عصر حاضر کے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے، ماضی اور مستقبل کے رشتہ کو قائم رکھتے ہوئے، بدلتے ہُوئے زمانے کے ساتھ ساتھ نظامِ تعلیم بھی بدلتے رہنا چاہیے۔

۴۔ اعتدال کا قانون:۔

اعتدال کے قانون کے تحت خودی کو جائز حدود میں رکھنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ایسی تعلیم جس سے خودی مستحکم نہ ہو، انسان کو خیر اور شر میں تمیز حاصل نہ ہو اور وہ معاملاتِ زندگی میں اعتدال رکھتے ہوئے سماجی تقاضے پورے نہ کر سکے، بے کار ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں بھی اس تصور کو مختلف پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ خودی کی تربیت صرف مذہبی اور اخلاقی تعلیم پر موقوف ہے جس سے موجودہ نظامِ تعلیم خالی ہے اور مذہب واخلاق کی بیخ کنی کر رہا ہے۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف (۱۳)

موجودہ تعلیم صرف معاش کا ایک ذریعہ ہے اور معاش ہی کی فکر نے تمام قوم کو غلام بنا رکھا ہے:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش
اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفاش (۱۴)

موجودہ تعلیم جس پر مذہب، اخلاق اور عشق وعمل سب کو قربان کیا جا رہا ہے، معاش کا بھی کافی انتظام نہیں کرتی:

نوا از سینۂ مرغِ چمن برد ز خونِ لالہ آں سوزِ کہن برد

بایں مکتب بایں دانش چہ نازی کہ ناں در کف نداد و جاں ز تن برد (۱۵)

مرغِ چمن کے سینے سے نوا چھین لی گئی۔ لالے کے خون سے وہ پرانا درد لے لیا گیا۔

تو اس مکتب اور اس دانش پر کیا ناز کرتا ہے کہ جس نے ہاتھ میں روٹی بھی نہ دی اور جسم سے جان نکال لی۔

اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ فرد اور معاشرے کے مادی، اخلاقی، روحانی تقاضے پورے کرنے کے لیے مذہبی اور صنعتی تعلیم کو بھی نظامِ تعلیم کا ضروری جزو بنانا چاہیے۔

بہ پورِ خویش دین و دانش آموز کہ تابد چوں مہ و انجم نگینش

بدستِ او اگر داری ہنر را یدِ بیضا است اندر آستینش (۱۶)

اپنی اولاد کو دین و دانش کی تعلیم دو تا کہ اس کا نگینہ چاند اور تاروں کی طرح چمکے۔

اگر تو نے اس کے ہاتھ میں ہنر دے دیا تو اس کی آستین میں یہ ہاتھ یدِ بیضا (کی طرح بابرکت ثابت) ہوگا۔

تعلیم و تربیت کی اہمیت کے پیشِ نظر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'ضربِ کلیم' میں 'تعلیم و تربیت' کے عنوان کے تحت مختلف انداز اور پیرائے سے اپنا تصورِ تعلیم بیان کیا ہے۔ اس عنوان کے پہلے ہی صفحہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ حکمائے قدیم و جدید کی زبان سے تعلیم کے دو مقاصد بیان کرتے ہیں۔ سپنوزا (فلسفی) کہتا ہے:

نظر حیات پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وجود

افلاطون کہتا ہے:

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند حیات ہے شبِ تاریک میں شرر کی نمو

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کے بعد کہتے ہیں:

حیات و موت نہیں التفات کے لائق فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود (۱۷)

لیکن یہی خودی ہے جس کی تعلیم سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نہیں دی جاتی بلکہ ایسی غلامانہ تعلیم دی جاتی ہے جس سے خودی کے تمام احوال و مقامات پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔

اقبال یہاں نام نہ لے علمِ خودی کا موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات

بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقالات (۱۸)

زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ

علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے، لذت بھی ہے ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ (۱۹)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ تعلیم کے بنیادی نکات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان کا تصورِ تعلیم چار بنیادی نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ علم کے ساتھ عمل اور تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے۔ تربیت کے بغیر تعلیم بے معنی ہے۔ تربیت انسان کو معاشرے کا حصہ ہونے کا شعور عطا کرتی ہے اور اسے کردار کی پختگی دیتی ہے۔ علم اسے روشنی دیتا ہے اور عمل اس کی اطلاقی صورت کو متعین کرتا ہے۔

۲۔ تعلیم کا مقصد تربیت کے ذریعے نیابتِ الٰہی کے مقام پر فائز آئیڈیل کی تشکیل اور تعمیر ہے۔ گویا تعلیم کا مقصد خودی کا استحکام اور مردِ حر، مردِ مومن یا مردِ قلندر کی تشکیل اور تعمیر ہے۔

۳۔ انفرادی خودی کے ساتھ ساتھ تعلیم کا مقصد اجتماعی خودی کے مظہر معاشرے کی تشکیل اور تعمیر بھی ہے۔

۴۔ تعلیم کا مقصد انسانی زندگی میں وحدتِ فکر و عمل پیدا کرنا ہے۔ اقبال کا آئیڈیل انسان جلال اور جمال کے درمیان ربط کا جویا ہے۔ وہ دین اور دنیا کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے اور دنیا کو دین کے تابع رکھتا ہے۔ ایسا مردِ مومن مسلسل جدوجہد اور مسلسل عمل میں مصروف رہتا ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات:۔

علامہ اقبال کے تصورِ تعلیم میں اسلام کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مسلم سوسائٹی کا جو نقشہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا، اس کا پورا خاکہ اسلام ہی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ وہ مذہبی تعلیم کی اہمیت کو فراموش نہیں کرتے بلکہ اسے نظامِ تعلیم میں مرکزی حیثیت دینا چاہتے ہیں۔

''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانہ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے۔ جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہوسکتی ہے۔''(۲۰)

''میں اس امر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ ہماری درسگاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے..... یورپ میں تعلیم کا خالصتاً دنیوی طریق بڑے تباہی آمیز نتائج پیدا کرنے کا موجب ہُوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا ملک بھی ان تلخ تجربات سے دوچار ہو۔ یہ امر صاف ہے کہ باشندگان ایشیا، یورپ کے خالص مادی رویے کو بھی فراموش نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ روحانی اور مادی امور کو کس طرح ایک جگہ جمع کیا جائے۔''(۲۱)

''جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترامِ انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔''(۲۲)

''ہندوستان میں اسلامی یونیورسٹی کا قائم ہونا ایک اور لحاظ سے بھی نہایت ضروری ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہماری قوم کی اخلاقی تربیت کا کام ایسے علماء اور واعظ انجام دے رہے ہیں جو اس خدمت کی انجام دہی کے پوری طرح سے اہل نہیں ہیں، اس لیے کہ ان کا مبلغ علم اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم کے متعلق نہایت ہی محدود ہے۔ اخلاق اور مذہب کے اصول وفروغ کی تلقین کے لیے موجودہ زمانے کے واعظ کو تاریخ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے لٹریچر اور تخیل میں پوری دسترس رکھنی چاہیے۔''(۲۳)

''مذہب قوم میں ایک متوازن سیرت پیدا کرتا ہے جو حیاتِ ملی کے مختلف پہلوؤں کے لیے بیش بہا ترین سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم وتربیت میں مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی بے لگام انسانیت کا حشر کیا ہوگا۔''(۲۴)

''قومی ہستی کی مسلسل بقاء کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتدا میں ٹھیٹ مذہبی تعلیم دیں۔ جب وہ مذہبی تعلیم سے فارغ ہوچکیں تو انہیں اسلامی تاریخ، علمِ تدبیر، خانہ داری اور علم اصول حفظِ صحت پڑھایا جائے۔''(۲۵)

حاصل کلام:۔

۱۔ اقبال اسلامی علوم کو کلیدی حیثیت کے قائل تھے مگر ان کی تدریس عصر حاضر کی ضرورتوں کے مطابق چاہتے تھے۔

۲۔ وہ دین اور دنیا میں تفریق کے قائل نہ تھے۔ اس لیے وہ فرد کی مادی، اخلاقی، روحانی ترقی کے لیے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم کی تدریس کے بھی قائل تھے۔

۳۔ ان کے نزدیک محض مادی یا محض روحانی تعلیم کو اپنا مقصود ٹھہرانا بھی ٹھیک نہیں۔ تعلیم کا مقصد ہے کہ وہ تن اور من کی ضروریات پر نظر رکھے اور جسمانی تقاضوں کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضوں کو بھی پورا کرے۔

۴۔ وہ فرد کے لیے ایسی تعلیم ضروری خیال کرتے تھے جو اسے تسخیرِ کائنات کے لیے تیار کرے اور وہ خود کو مفید بنا کر ایک صالح معاشرہ وجود میں لے آئے۔

۵۔ وہ تعلیم کے فرائض میں تقویتِ خودی اور استحکام خودی کو نمایاں اہمیت دیتے تھے۔

۶۔ وہ فقہ کی تدوینِ نو کے لیے علماء تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ اسلامی فقہ سے عصر حاضر کے تقاضے پورے کئے جاسکیں۔

۷۔ وہ عصرِ حاضر کی جملہ تعلیمات کے تقاضوں سے باخبر اسلامی علوم سے بہرہ مند ایسے علماء تیار کرنا چاہتے تھے جو طلباء میں وہ مذہبی، تحقیقی اور تنقیدی شعور پیدا کر دیں جس کی بدولت ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں کارکردگی کے حامل مسلمان مبلغین، سائنسدان، اطباء انجینئرز اور مدبرین پیدا ہوئے تھے جن کی کوششوں اور کارناموں کی بدولت مسلمان دنیا کے لیے مثالی رہنما قوم بن گئے تھے۔

اقبال کا تصور مردِ کامل

تصور مردِ کامل:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں 'مردِ کامل' اور 'مردِ مومن' کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ کہیں کہیں وہ ان دو اصطلاحوں کے بجائے، اس تصور کے لیے دیگر اصطلاحیں بھی استعمال کرتے ہیں۔

مردِ کامل کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر اصطلاحیں:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'مردِ کامل' یا 'مردِ مومن' کے لیے اپنی نظم ونثر میں چند دیگر اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں۔ مثلاً مسلمان، مردِ مسلمان، مومن، بندۂ مومن، مردِ حق، مردِ درویش، مردِ قلندر، بندہ مولا صفات، مردِ سپاہی، مردِ میدان، میرِ شکر، میرِ کارواں، سالارِ کارواں، مردِ حُر، بندۂ آفاقی، مردِ تمام، قلندر، فقیر، مردِ آزاد، خلیفۃ اللہ فی الارض وغیرہ۔ یہ سب اصطلاحیں ایک ہی مفہوم کی حامل ہیں اور ان سب سے 'مردِ کامل' ہی مراد ہے۔ قلندر کی اصطلاح فارسی کلام سے لی گئی ہے۔ البتہ مردِ مومن کی اصطلاح قرآنی اور اسلامی ہے۔(۱)

مآخذ:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مردِ کامل کے تصور کا اصل اور بنیادی مآخذ قرآن حکیم ہے۔ تاہم انہوں نے اسلامی تاریخ، تاریخِ انسانی، مشہور اسلامی شخصیات اور بین الاقوامی شخصیات اور ان کے افکار کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اقبال کے مردِ کامل کا تصور مغربی فلسفی نطشے کے 'فوق البشر' سے ماخوذ ہے۔ کسی کی رائے یہ ہے کہ اس پر مشہور اسلامی مفکروں ابنِ مسکویہ اور عبدالکریم الجیلی کے خیالات کا اثر پڑا ہے۔ کسی کی رائے ہے کہ یہ بھی بعض پرانے فلسفیوں اور شاعروں کی طرح 'مردِ کامل' کی تلاش کی ایک کوشش ہے۔ جیسے یونانی فلسفی دیوجانس کلبی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دن کے وقت چراغ لے کر گھوم پھر رہا تھا۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ آدمی کو ڈھونڈتا ہوں۔ انہوں نے ہنس کر پوچھا کہ کیا آدمیوں کا یہ ہجوم تمہیں نظر نہیں آیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ سب ادنیٰ درجے کی مخلوق ہیں۔ آدمی تو ان میں کوئی ایک بھی نہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل اشعار میں منظوم کیا ہے ؎

دی شیخ با چراغ ھمی گشت گردِ شہر — کز دام و دو ملولم و انسانم آرزوست
زیں ھمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست (۲)

۱۔ کل شیخ چراغ لے کر شہر میں گھوم رہا تھا (اور کہہ رہا تھا) میں جانوروں سے بہت تنگ آچکا ہوں اور انسان دیکھنے کی آرزو ہے۔
۲۔ میں کاہل وسست ساتھیوں سے بیزار ہو چکا ہوں اور شیرِ خدا کی طرح بہادر اور رستم جیسے طاقتور انسانوں سے ملنے کی آرزو ہے۔
۳۔ میں نے کہا، بہت ڈھونڈا مگر ایسے لوگ نہیں ملے۔ اس نے کہا جو نہیں ملتا اسی کی آرزو ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور غزل کے تین اشعار اپنی مثنوی 'اسرارِ خودی' کے آغاز میں درج کر دیے ہیں۔ مندرجہ بالا یہ تین اشعار 'مردِ کامل' کے تصور کی نشاندہی کرتے ہیں اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔ دنیا میں بے شمار انسان آئے اور چلے گئے مگر ایسے انسان بہت کم تھے جو علمی، عملی اور اخلاقی لحاظ سے مکمل شخصیت کے مالک تھے۔ یہ وہ باکمال انسان تھے جنہوں نے بھرپور انداز سے زندگی گزاری، خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دیا، مخلوقِ خدا کا خالقِ حقیقی سے رشتہ قائم کیا، معاشرے میں سلامتی، امن، مساوات، اخوت

اور حریت کی فضاء قائم کی اور ارتقائے کائنات میں اپنے حصے کا موثر اور بھرپور کردار ادا کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تعلیمات میں، خصوصاً مثنوی اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بے خودی' میں اسی 'مردِ کامل' کا تصور پیش کیا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے 'مردِ کامل' کے حقیقی تصور کے تعین کے لیے اور اس کے اصل ماخذ سے آگاہی کے لیے اسلامی تعلیم اور مسلمان مفکرین کے خیالات کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مغربی مفکرین خصوصاً نطشے کے افکار کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے جس کے تصور 'فوق البشر' یا 'مردِ برتر' سے اقبال کا اکثر موازنہ کیا جاتا ہے۔ (۳)

اسلام کا تصورِ انسانِ کامل:۔

اللہ تعالیٰ احسن الخالقین ہے اور انسان اس کی بہترین تخلیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم (بہترین انداز اور نمونہ) پر پیدا فرما کر اسے اشرف المخلوقات قرار دیا اور اسے دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت سے مالا مال کیا، اسے اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کا رتبہ ملائکہ سے بھی بلند ٹھہرایا۔ آدم کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم میں اپنی روح پھونکی، گویا اس میں اپنی صفات رکھ کر اسے رفعت و بلندی عطا کی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا اور انہیں انسان کے تصرف میں دے دیا۔ اس طرح اسے اپنی ساری کائنات کا مالک بنا دیا۔ کائنات میں تصرف کے لیے انسان کو لامحدود صلاحیتیں عطا فرمائی گئی ہیں۔ ان صلاحیتوں کے ادراک سے انسانی شخصیت کے بے پناہ امکانات آشکار ہوتے ہیں۔ انسان کی برتری اور عظمت سے متعلقہ متذکرہ بالا حقائق کی قرآن مجید میں نشاندہی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا انسان کے ساتھ اپنے گہرے اور نہایت قریبی تعلق کا اظہار فرمایا ہے۔ کامل انسان وہی ہے جو اس تعلق کو سمجھے اور اسے مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوشش کرے۔

ایک عام انسان، 'مردِ کامل' کیسے بن سکتا ہے، اس کے لیے تمام تعلیمات قرآنِ مجید میں موجود ہیں اور ان تعلیمات کی وضاحت اور تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ اقدس کو اسوۂ حسنہ یعنی بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور ساتھ ہی اطاعتِ رسول کا بھی حکم فرمایا ہے کیونکہ اطاعتِ رسولؐ کے بغیر کماحقہٗ اطاعتِ الٰہی بجالانا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنے انتہائی قرب کو قرآن مجید میں متعدد مقامات اور مختلف پیرائے میں بیان فرمایا ہے مثلاً قرآن مجید ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں:

..... وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ۚ .....O (الانفال ۸ آیت ۱۷)

۱۔ وہ جو آپ نے مٹھی بھر کے کنکر پھینکے تھے وہ آپؐ نے نہیں بلکہ میں نے پھینکے تھے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ .....O (الفتح ۴۸ آیت ۱۰)

۲۔ تحقیق وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے درمیان حقیقی تعلق اور قُرب کے باعث اور اسوۂ حسنہ کی اہمیت کے پیشِ نظر توحید کے بعد رسالت پر ایمان لانا اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ ہدایت ہے اور نہ کمال۔ اخلاقِ عالیہ کے اعتبار سے حضور ﷺ کامل ترین انسان ہیں اور توحید کے بعد رسالت پر ایمان سے اور اسوۂ حسنہ کی پیروی سے انسان مومن بن جاتا ہے اور پھر کمال درجہ کی پیروی سے 'مردِ کامل' یا مردِ مومن بن جاتا ہے۔ اطاعتِ الٰہی بجالانے کے لیے اطاعتِ رسول ضروری ہے۔ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کے لیے ضبطِ نفس ضروری ہے۔ جب مومن، اطاعت اور ضبطِ نفس کے دونوں مراحل طے کرتا ہے تو اسے نیابتِ الٰہی کا مقام عطا ہوتا ہے ؎

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۴)

مردِ کامل خدائی صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ایسے مردِ کامل اور اس کے تصرفات کا ذکر یُوں ہُوا ہے۔

ایک حدیثِ قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ انسان مسلسل اطاعت وعبادات سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ آخر میں وہ میرے اوصاف کا آئینہ بن جاتا ہے۔ میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں ہی اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے بولتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ اس سے حملہ اور تصرف کرتا ہے اور میں ہی اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے چلتا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'مردِ کامل' کے یہی اوصاف 'بالِ جبریل' میں یُوں بیان فرمائے ہیں ؎

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز (۵)

'بانگِ درا' میں یوں بیان ہوتا ہے ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۶)

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا اور انسان کو لامحدود صلاحیتیں عطا فرما کر یہ تمام چیزیں اس کے زیرِ تصرف کر دیں۔ سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○ (۷)

اور مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کا سب۔ اس میں فکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اس آیت میں اللہ پاک نے انسان کو بشارت دی ہے کہ وہ ہر شے پر جو آسمانوں کے اندر اور زمین کے اندر ہے، قبضہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے تسخیرِ کائنات کے لیے تمام ضروری صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ (۸)

زندگی مضمونِ تسخیر است و بس آرزو افسونِ تسخیر است و بس (۹)

زندگی تو محض تسخیرِ فطرت کا مضمون ہے۔ آرزو اس تسخیر کا جادو ہے اور بس!

اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس میں کمال کے لیے شدید لگن اور توجہ یعنی عشق ضروری ہے۔ بالفاظِ دیگر مومنوں کے لیے خدا اور رسولؐ کی ذات سے بے پناہ عشق ضروری ہے۔ چنانچہ مومن کو عاشقِ ذاتِ الٰہی اور عاشقِ رسولِ مقبولؐ ہونا چاہیے۔ اگر مسلمان اپنا آپ اللہ کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ دے گا تو پھر وہ صحیح معنوں میں اللہ کا محبوب ہوگا۔ اسلام کا مقصود دراصل ایسے ہی انسان پیدا کرنا ہے اور انہی کو وہ مومنین کہہ کر خطاب کرتا ہے۔

خودی کا استحکام عشق کا مرہونِ منت ہے۔ بلکہ تسخیرِ ذات اور تسخیرِ کائنات کے لیے بھی اس کا وجود ضروری ہے۔ عشق دراصل نصب العین کو پانے کی لگن ہے۔ یہ زبردست اندرونی کیفیت، ولولہ انگیز محرک اور زبردست فعال قوت ہے۔ یہ خودی کے استحکام یا انسانی زندگی کے ارتقا میں رہنما قوت ہے۔ اسی وجہ سے مردِ مومن کی عملی زندگی میں یہ جذبہ سب سے زیادہ اہم ہے۔

عشق کی بدولت دل ونگاہ مسلمان ہوتے ہیں۔ اس سے انسانی اعمال صالح اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ اس سے کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پختگیِ کردار کو اقبال 'مستیٔ کردار' کہہ کر پکارتے ہیں ؎

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار (۱۰)

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشق ہی ایسا جذبہ ہے جو مسلمان کو کافر سے جدا کرتا ہے ؎

اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی نہ ہو، تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق (۱۱)

عشق، عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ عملِ پیہم، مقصودِ فطرت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''انسان کے لیے اس کے سوا کچھ بھی، جس

کے لیے اس نے کوشش کی''۔

ارشادِ نبی کریم ﷺ ہے کہ 'ماں کی گود سے لے کر گور تک علم حاصل کرو'۔

ایک اور حدیث پاکؐ میں ارشاد ہوا ہے کہ درخت لگانے کا کام آخری وقت تک جاری رکھو۔

مراد یہ ہے کہ اگر تم مرنے کے بھی قریب ہو تو پھر بھی نیک کاموں کے لیے کوشش جاری رکھو۔ آخری سانس تک کوئی نہ کوئی ایسا کام کرتے رہو جو مخلوق خدا کو فائدہ پہنچائے، جو ماحول کو بہتر بنا سکے اور تبدیلی لا سکے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دین اسلام کے اس اصلاحی اور فلاحی تصور کو 'مردِ کامل' کے لازمی وصف عملِ پیہم کی صورت میں جا بجا بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری (۱۲)

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند — مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا (۱۳)

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ — عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام (۱۴)

جب مومن کی خودی مستحکم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ نکتۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ذات باری تعالیٰ اسے نیابت کا اعلیٰ منصب عطا فرماتی ہے۔ ایسا 'مردِ کامل' وقت کا شکار نہیں بلکہ وقت کا شکاری ہوتا ہے ؎

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر — ایّام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر (۱۵)

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث — مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے (۱۶)

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی — مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک (۱۷)

کافر آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ صرف مادے کو تسخیر کرنا ہی اپنا کمال سمجھتا ہے۔ مومن از روئے حدیث پاک، 'دنیا آخرت کی کھیتی ہے' مادی تسخیر کے ساتھ ساتھ علم و عرفان کی دنیا میں بھی سرگرداں رہتا ہے اور ارتقا کی منازل طے کر کے قربِ ذات کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کا ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں۔ وہ دیندار بھی ہوتا ہے اور دنیا میں ایک کامیاب انسان بھی۔ وہ صرف محدود دنیاوی زندگی کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ دائمی و ابدی رواں دواں حیات کا قائل ہوتا ہے۔ وہ زندگی کو نئے پہلوؤں سے دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ وہ آفاق میں گم نہیں ہوتا بلکہ آفاق اس کی ذات میں گم ہوتے ہیں ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق (۱۸)

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی — خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش — خودی کی زد میں ہے ساری خدائی (۱۹)

نیابتِ الٰہی کے مقام پر فائز 'مردِ کامل' کی ایک نظر افراد کے افکار میں زلزلہ ڈال دیتی ہے اور اقوام کی تقدیر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ قدیم اور جدید تاریخ اس قسم کی مثالوں سے خالی نہیں۔ (۲۰)

'مردِ کامل' کے عروج سے بزمِ انجم میں سراسیمگی پیدا ہو جاتی ہے ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے (۲۱)

ایسے مردِ کامل صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں ؎

تو کیستی؟ ز کجائی؟ کہ آسمانِ کبود — ہزار چشم براہِ تو از ستارہ کشود (۲۲)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا (۲۳)

ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات جمالی بھی ہیں اور جلالی بھی۔ وہ رحمٰن اور رحیم بھی ہے اور قہار اور جبار بھی۔ چونکہ 'مردِ کامل' صفات الٰہیہ سے مزین و متصف ہوتا ہے۔ وہ جلال و جمال کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ صفاتِ قہاری و غفاری کا جامع ہوتا ہے۔ اس میں شدت اور نرمی دونوں پائی جاتی ہیں۔ وہ ان دونوں اقسام کی صفات سے موقع محل کی مناسبت کے لحاظ سے کام لیتا ہے۔ اس کا اصل مقصد تو خدمتِ خلق سرانجام

دینا ہوتا ہے۔اس کی محبت وکدورت سب خدا کے لیے ہوتی ہے۔اس کا ہر عمل بے غرض، بے لوث، پاک اور نفسانیت سے خالی ہوتا ہے۔ اس لیے ابنائے زمانہ کے حق میں اس کا وجود خدا کی رحمت ثابت ہوتا ہے ؎

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق (۲۴)
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز (۲۵)
ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (۲۶)

'مردِ کامل' کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جرأت مند، بے خوف اور حق گو ہوتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے سامنے حق گوئی اور بے باکی کی اعلیٰ ترین مثال قائم کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ حق دینا اور پھر بنی اسرائیل کو اس سے نجات دلانا، حضور نبی کریم ﷺ کا دعوتِ حق دینا اور مشرکین و کفار کا ہر محاذ پر مقابلہ کرنا، حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدانِ کربلا میں کلمۂ حق کی خاطر بے مثل قربانیاں پیش کرنا اور جان قربان کرنا، یہ سب مردانِ کامل کی حق گوئی اور بے باکی کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلامی تاریخ کے مثالی کردار 'مردِ کامل' کی صفات کو اپنے کلام میں یوں بیان کرتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی ہے اس کا نشیمن، نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان (۲۷)

تمام انبیائے کرام اور اولیائے عظام نے ذاتِ باری تعالیٰ سے نسبت وتعلق کو مستحکم کرنے کے لیے، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، عبادت، ریاضت، زہد وتقویٰ اور خدمتِ خلق کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔انہوں نے نہایت سادگی اختیار کی اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو دنیاوی مقاصد کے بجائے آخروی مقاصد کے حصول کی خاطر وقف کر دیا۔انہوں نے ذاتی مادی فلاح کی بجائے عوام الناس کی مادی و روحانی فلاح کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور از خود برضا و رغبت فقر اختیار کیا جسے 'فقر اختیاری' کہتے ہیں۔انہوں نے دنیا سے کوئی رغبت نہ رکھی، اہل دنیا سے کوئی حاجتیں وابستہ نہیں کیں اور ان کی جائز حاجتیں پوری کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔انہوں نے استغنا (مستغنی ہونے) کی روش اختیار کی۔بے شک یہ اصحاب تھے بھی نہایت سخی، فیاض اور مستغنی۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے 'مردِ کامل' کی امتیازی صفت یہ بیان کی کہ وہ صاحبِ فقر واستغنا ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلام کو 'فقرِ غیور' کا نام دیتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مردِ کامل نطشے کے مردِ کامل کی طرح 'مردِ برتر' یعنی تکبر وغرور کا مجسمہ نہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کو تکمیلِ خودی کے لیے ایک لازمی عنصر کی حیثیت دے کر اس کی اہمیت آشکار کی ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی (۲۸)
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ (۲۹)
نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی (۳۰)
نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے (۳۱)
یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی! (۳۲)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کا تصور واضح کرنے کے لیے اس کی کئی خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔مثلاً ایمان سے مراد اپنے عقائد پر پختہ یقین ہونا ہے۔یہ یقین تقدیرِ الٰہی کو بدل سکتا ہے۔بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یقین پیدا کر اے ناداں! یقین سے ہاتھ آتی ہے وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فُغفُور ی (۳۳)
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۳۴)

فقر کی ایک خصوصیت غیرت ہے۔ گدایانہ فقر میں گدائی اور سوال ہوتا ہے۔ فقرِ غیور میں اقتصادی ومعاشی خودداری اور استغنا ہوتا ہے ؎

اِک فقر سکھاتا ہے صیّاد کو نخچیری اِک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری
اِک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری اِک فقر سے مٹی میں خاصیّتِ اکسیری (۳۵)

'مردِ کامل' ہر قسم کی جہالت، برائی، ظلم اور استحصال کے خلاف علمی وعملی جہاد کرتا ہے۔ وہ رہبانیت اختیار نہیں کرتا۔ ؎

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن (۳۶)
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ کہ فقرِ خانقاہی فقط اندوہ و دلگیری (۳۷)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے 'مردِ مومن' اور 'مردِ کامل' کی صفات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہے کہ اس کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے۔

مشرق ومغرب کے بعض فلاسفہ نے بھی مردِ کامل کا تصور پیش کیا ہے۔ اقبال کے 'مردِ کامل' کا ان فلاسفہ کے 'مردِ کامل' یا 'فردِ برتر' سے موازنہ کرنے سے واضح ہو جائے گا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' کن خصوصیات کے لحاظ سے ان کے 'مردِ کامل' یا 'مردِ برتر' سے مختلف یا مماثل ہے اور بحیثیتِ مجموعی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' کیا حیثیت رکھتا ہے۔

ابنِ مسکویہ:۔

ابنِ مسکویہ (متوفی ۱۰۳۰ء) نے اپنی تصنیف 'الفوز الاصغر' میں انسان کی ترقی کے مختلف مدارج بیان کئے ہیں۔ پہلے وہ حیوانات میں ارتقائی مدارج بیان کرتے ہیں اور بندر کو باعتبار حیوانیت اعلیٰ درجہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ گو بندر انسان سے بالکل مشابہ ہے مگر عدم تہذیب اور ذہنی صلاحیتوں کے فقدان کی وجہ سے انسانِ کامل کے درجے سے بہت پست ہے۔ دنیا کے بعض علاقوں میں بندر نما انسان بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان سے قدرے بہتر درجے کے انسان بھی نظر آتے ہیں۔ اس طرح عقلِ انسانی درجہ بدرجہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ زمین کی تیسری، چوتھی اور پانچویں اقلیم میں پہنچ کر درجۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح انسان اعلیٰ سے اعلیٰ تر طبقات میں تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ فرشتوں کی دنیا میں بھی رسائی رکھتے ہیں۔ ترقی کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ترقی کے ان مدارج کو سامنے رکھ کر انسانیت کے بلند درجہ کی انتہاء معلوم ہو سکتی ہے اور رسالت اور نبوت کی بلند پائیگی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ (۳۸)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ارتقائے انسان کا یہی فلسفہ اختیار کیا ہے۔ تاہم اقبال رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن مسکویہ کی طرح یہ نظریہ نہیں رکھتے کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ وہ علم وعقل اور عمل کے لحاظ سے مختلف انسانی مدارج اور انسانی ارتقاء کے قائل ہیں۔ عام انسان، اطاعتِ الٰہی اور ضبطِ نفس کی بدولت ترقی کرتے کرتے خودی کی ترقی کی آخری منزل نیابتِ الٰہی پر فائز ہو جاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس نائبِ الٰہی کا خیر مقدم نہایت پر جوش اشعار میں کیا ہے:

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو در سوادِ دیدہ ہا آباد شو
شورشِ اقوام را خاموش کن نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن
خیز و قانونِ اخوّت ساز دہ جامِ صہبائے محبت باز دہ
باز در عالم بیار ایّامِ صلح جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح
نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی کاروانِ زندگی را منزلی
ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر
سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

از وجودِ تو سر افرازیم ما پس بہ سوزِ ایں جہاں سازیم ما (۳۹)

۱۔ اے زمانے کے گھوڑے کے سوار (مردِ کامل) آ۔ اے دیدۂ امکاں کے نور آ۔
۲۔ اس ہنگامۂ ایجادات (کی دنیا) کی رونق بن جا۔ چاہنے والوں کی آنکھوں کے اردگرد آباد ہو جا۔
۳۔ اقوامِ عالم کی شورش ختم کر دو۔ اپنے نغمے سے سننے والوں کو بہشت کا سا سکون دو۔
۴۔ اٹھو اور دوبارہ اخوّت کا قانون نافذ کر دو۔ محبت کی شراب پر مبنی جام دوبارہ گردش میں لاؤ۔
۵۔ دنیا میں دوبارہ امن وامان قائم کر دو۔ جنگجوؤں کو صلح کا پیغام دو۔
۶۔ نوعِ انسان کھیتی ہے اور تم اس کا حاصل ہو۔ تم کاروانِ زندگی کی منزل ہو۔
۷۔ خزاں کی سختی کے باعث درخت کے پتے گر چکے ہیں۔ بہار کی مانند ہمارے باغ میں سے گزرو۔
۸۔ بچے، جوان اور بوڑھوں کی شرمسار پیشانیوں سے حقِ بندگی ادا نہ کرنے کی شرمندگی دور کر دو۔
۹۔ تیرے وجود کی بدولت ہمارے سر بلند ہیں۔ پس اس سوز سے ہمارے جہاں آباد کر دو۔

عبدالکریم جیلی:۔

عبدالکریم الجیلی (۷۶۷ء تا ۸۱۱ء) شیخ محی الدین ابن عربی کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔ دونوں نے 'انسانِ کامل' اور اس کے روحانی ارتقاء کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ عبدالکریم الجیلی کی کتاب 'انسانِ کامل' جس کا پورا نام ''الانسان الکامل فی الآخر والاوائل'' ہے وہ واحد کتاب ہے جس کا اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ''تصورِ مردِ کامل'' پر خاصا گہرا اثر ہوا۔

توحید مطلق کا نظریہ، از عبدالکریم الجیلی ..... یہ اقبال کا پہلا ریسرچ پیپر انگریزی میں تھا جو ''انڈین اینٹی کوری'' بمبئی میں ستمبر ۱۹۰۰ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس مقالے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الجیلی کے 'انسان کامل' کے نظریے پر بھی بحث کی ہے۔ (۴۰)

۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء کو اپنے اس 'انسانِ کامل' یا 'مردِ کامل' کے تصور پر انگریز تنقید کاروں کے جواب میں ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے مکتوب میں اقبال لکھتے ہیں:

''.....بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نطشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے، دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں.....''

وہ (انگریز نقاد) انسانِ کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خلطِ مبحث کر کے میرے انسانِ کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج سے قریباً بیس سال قبل (۱۹۰۰ء) میں انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نطشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا، نہ اس کی کتابیں میری نظر سے گزری تھیں۔'' (۴۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ

۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عبدالکریم جیلی کے 'تصورِ مردِ کامل' سے اچھی طرح آگاہ اور باخبر تھے۔
۲۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے 'مردِ کامل' اور نطشے کے 'فوق الانسان' میں سطحی تشابہ اور تماثل پایا جاتا ہے، درحقیقت یہ کافی زیادہ مختلف تصورات ہیں۔

پروفیسر عزیز احمد نے ''اقبال.....نئی تشکیل'' میں تفصیل سے اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے ''روح اقبال'' میں اختصار کے ساتھ جیلی کے 'انسانِ کامل' کے بارے میں لکھا ہے۔

''.....انسان بجائے خود ایک عالم ہے جو خدا اور فطرت دونوں کا مظہر ہے۔ انسانی ہستی ذاتِ باری تعالیٰ کی خارجی شکل ہے۔ بغیر انسانی وجود کے ذاتِ مطلق اور کائناتِ فطرت میں رابطہ نہیں قائم ہو سکتا۔ انسانی ان دونوں وحدتوں میں اتصالی کڑی کا حکم رکھتا ہے۔

''انسانِ کامل'' تخلیق کائنات کا اصل مقصد ہے۔ ذاتِ انسانی کے توسط سے ذاتِ مطلق خود اپنا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس لیے سوائے انسان

کے کسی اور مخلوق میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ صفاتِ الٰہیہ کی مظہر بن سکے۔ حضرت رسول کریم محمد ﷺ نے ''انسان کامل' کا اعلیٰ ترین نمونہ دنیا کے لیے پیش کر دیا۔ آپ کی سیرت پاک انسان کے لیے مشعلِ ہدایت ہے جس کی روشنی میں چل کر وہ حیات کے مراتب عالیہ پر فائز ہوسکتا ہے۔ حقیقتِ محمدیؐ ہر زمانے میں مختلف ناموں اور لباسوں کے تحت جلوہ گر ہوتی ہے۔ اقدارِ حیات کا قوی اور گہرا اثبات اس کی ذات سے ہوتا رہتا ہے۔ اگر اقدار حیات کی تخلیق کا سلسلہ جاری نہ رہے تو تمدن سکونی اور جامد ہو جائے۔

عبدالکریم جیلی کا عقیدہ تھا کہ باوجود نیابت الٰہی کی اہلیّت رکھنے کے انسان ذات باری کی شانِ سرمدیت میں شریک نہیں ہوسکتا۔ اُس نے ذاتِ الٰہی کی ماورائیت کو بھی تصورِ اسلامی کے مطابق برقرار رکھا ہے۔ بعض صوفیا کے مثل وہ عقیدۂ حلول کا قائل نہ تھا۔ اس کے نزدیک 'انسانِ کامل' یا 'مردِ مومن' کی زندگی جو آئینِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے فطرت کی عام زندگی میں شریک ہو جاتی ہے اور اشیاء کی حقیقت کا راز اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر 'انسان کامل' عرض کی حدود سے نکل کر جوہر کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اُس کی آنکھ خدا کی آنکھ، اس کا کلام خدا کا کلام اور اس کی زندگی خدا کی زندگی بن جاتی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی بندگی کے تعلق کو اس طرح استوار کرے کہ اس کے سارے افعال واعمال میں اسی کے مشاہدے اور حضور کی کیفیت حاصل ہو تو یہی عین دین ہے۔ تعبد میں تجرد کی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جب کہ انسان ذاتِ واجب کے وجود علمی سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہ شہود اس پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ اس کا وجود الٰہی وجود بن جاتا ہے۔'' (۴۲)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'بالِ جبریل' میں 'مردِ کامل' کا یہ تصور یوں بیان کیا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز (۴۳)

جیلی کے روحانی ارتقا کی نسبت اقبال رحمۃ اللہ علیہ 'فلسفۂ عجم' میں لکھتے ہیں:

''روحانی ارتقا کی اس بلندی پر 'انسانِ کامل' کس طرح پہنچتا ہے اس کو ہمارے مصنف نے نہیں بیان کیا لیکن وہ کہتا ہے کہ ہر منزل میں اس کو ایک خاص قسم کا تجربہ ہوتا ہے اور اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس تجربے کے آلے کو وہ 'قلب' سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ نفس اور روح کے ایک پراسرار اتحاد سے پیدا ہوتا ہے۔'' (۴۴)

جیلی کے مطابق 'انسانِ کامل' ایک درمیانی کڑی ہے جو ایک طرف تو اساسِ اسماء سے تجلی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ربانی صفات اس میں ظہور کرتی ہیں، یہ صفات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حیات یا وجودِ مستقل (۲) علم (۳) ارادہ
(۴) قوت جو اپنے آپ کو تخلیق میں ظاہر کرتی ہے (۵) کلام (۶) غیر مسموع کو سننے کی قوت
(۷) غیر مرئی کو دیکھنے کی قوت (۸) جمال (۹) عظمت وجلال
(۱۰) کمال (۴۵)

جیلی کے خیال میں جب انسان کامل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہستیٔ مطلق سے متحد کر لیتا ہے۔ وہ کمال کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ اور کائنات کا محافظ بن جاتا ہے۔ (۴۶)

حاصل کلام:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے 'مردِ کامل' اور جیلی کے 'مردِ کامل' میں بعض مشترک قدریں ہیں مثلاً حیات، علم، ارادہ، جمال، فطرت، عظمت و جلال، دونوں کے نزدیک 'مردِ کامل' کا ظہور تسلسلِ فطرت کے لیے ضروری ہے۔

عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' کا طرزِ فکر متصوفانہ اور الٰہیاتی ہے اور وہ محض اعلیٰ روحانی قدروں کا حامل ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' مادی و روحانی دونوں دنیاؤں کا مردِ کامل ہے۔ جیلی اُس راستے کی نشاندہی نہیں کرتے جس پر چل کر عام انسان روحانی ارتقاء کی بلندی پر پہنچتا اور انسانِ کامل بن جاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک مکمل ضابطۂ عمل پیش کرتے ہیں جس کی پابندی سے 'مردِ کامل'

اپنے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے۔

نطشے کا 'فوق البشر' اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل':۔

نطشے (۱۸۴۴ء تا ۱۹۰۰ء) مشہور جرمن فلسفی ہے۔اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں اُس نے 'فوق البشر' کا تصور پیش کیا۔اُس نے یہ اصطلاح گوئٹے سے مستعار لی ہے۔

نطشے خدا کا منکر تھا۔وہ عزم وارادے کے بے پناہ امکانات کا قائل تھا۔اُس نے ایسے 'فوق البشر' کا تصور پیش کیا جو انسانی معاشرے کا مقصود ومنتہا ہے۔ایسا انسان کسی اخلاق اور ضابطے کا پابند نہیں۔وہ خیر وشر کے معیار سے ماوراء قوت، فراست اور تکبر کی خصوصیات رکھنے والا ایسا برتر انسان ہے جسے کسی مذہب، معاشرے، اخلاقی ضابطے کی پرواہ نہیں۔

۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ ہے اور اپنی زندگی میں اعلیٰ قدروں کی تخلیق کرتا ہے۔نطشے کا 'فوق البشر' کسی اخلاق کا قائل نہیں۔

۲۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردکامل' باخدا ہے اور صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے۔نطشے کا 'فوق البشر' بے خدا ہے۔

۳۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردکامل' 'لَا' کے ساتھ 'اِلاّ' کا بھی قائل ہے اور ایمان وایقان اس کی زندگی کا اعلیٰ ترین جوہر ہے۔نطشے کا 'فوق البشر' صرف 'لا' کا قائل ہے۔وہ صرف اپنا وجود تسلیم کرتا اور منواتا ہے۔

۴۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اوروں کے لیے بھی جیتا ہے۔وہ معاشرے میں عروج پاتا ہے اور معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لیے بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔نطشے کا 'فوق البشر' معاشرے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

۵۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' تعمیرِ خودی، استحکامِ خودی اور عروجِ آدم کا قائل ہے۔نطشے کا 'فوق البشر' تعمیر کے بجائے تخریب کا زیادہ قائل نظر آتا ہے۔

۶۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جلال وجمال دونوں کے قائل ہیں۔نطشے جلال کا قائل ہے۔

۷۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ 'خودی' کے ساتھ 'بے خودی' کے بھی قائل ہیں۔نطشے انفرادی خود اختیاری کو اس قدر زیادہ اہمیت دیتا ہے کہ فرد کا رشتہ ملت اور کائنات سے نہایت غیر معین اور مبہم سا رہ جاتا ہے۔

۸۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جمہوریت کی موجودہ شکلوں کو دھوکا سمجھتے ہیں لیکن صحیح مساوات کے متلاشی ہیں۔نطشے جمہوریت اور مساوات کا دشمن ہے اور غریبوں اور کمزوروں سے نفرت کرتا ہے۔(۴۷)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نطشے کے صرف وہی افکار پسند کیے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق تھے۔نطشے ارتقائے حیات، تسخیر فطرت اور حصولِ قوت کا قائل تھا۔اسلام بھی ان کے حصول کو جائز قرار دیتا ہے مگر ایک ضابطۂ حیات اور ضابطہ اخلاق کے تحت۔

نطشے کی جو باتیں اسلام کے خلاف تھیں ان کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے چھوڑ دیا۔(۴۸)

نطشے کو جیسا اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پہچانا، کم ہی کسی نے پہچانا ہوگا۔اسی لیے وہ اس کے بارے میں کہتے ہیں ؎

حرف او بے باک و افکارش عظیم غربیاں از تیغِ گفتارش دو نیم (۴۹)

اس کے الفاظ بے باک اور افکار بلند ہیں۔اہلِ مغرب اس کی سیف لسانی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود وہ اسے 'مجذوب فرنگ' سے بڑھ کر تسلیم نہیں کرتے ع

وائے مجذوبے کہ زاد اندر فرنگ!

اس مجذوب پر افسوس ہے جو کہ یورپ میں پیدا ہوا۔

نطشے دماغی لحاظ سے اس لیے کافر تھا کہ وہ خدا کا منکر تھا۔گو بعض اخلاقی افکار کے لحاظ سے اسلام کے قریب نظر آتا تھا ع

قلب او مومن، دماغش کافرست

اس کا دل روشن ہے مگر دماغ کافر ہے۔

نطشے خدا پرست نہیں بلکہ خود پرست تھا۔ اس کا 'فوق البشر' اسی تصور کے گرد گھومتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''.....میرا اپنا خیال یہ ہے کہ نیٹشے (نطشے) کی طبیعت پر انفرادیت پسندی ہی کا غلبہ تھا۔ اس کی ہمشیرہ نے بھی تو یہی لکھا ہے کہ اسے ایرانیوں کا یہ عقیدہ کہ ہر صدی میں ایک مجدد کا ظہور ہوتا ہے بڑا پسند تھا۔ ممکن ہے وہ اپنے آپ کو مجدد ہی سمجھتا ہو۔'' (۵۰)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ پر اپنے اور نطشے کے افکار میں یوں فرق بیان کرتے ہیں:

''.....میرے اور نیٹشے کے نقطۂ نظر میں بنیادی فرق ہے۔ نیٹشے کی طبیعت پر مادیت پسندی کا غلبہ تھا۔ اس نے ہستیٔ باری تعالیٰ کا انکار کیا اور اس انکار سے خودی کا انکار لازم ٹھہرا۔ وہ خودی کا منکر ہے۔ خودی اس کے نزدیک کوئی مابعد الطبیعی حقیقت نہیں۔ اس کا فوق البشر بھی قدیم یونانی سورماؤں کا نمونہ ہے۔ وہ ہمیشہ کسی آنے والے کا خواب دیکھتا ہے۔ یہ مجوسی خیالات کا اثر ہے۔ گو تعجب ہے کہ مجوسیت سے اثر پذیری کے باوجود اسے زمانے کی حقیقت سے کیوں انکار ہے۔ ہندوؤں اور یونانیوں کی طرح زمانے کی حرکت بھی اس کے نزدیک دوری ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر چیز بار بار آتی رہتی ہے۔'' (۵۱)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نطشے کے افکار کے بارے میں نہایت اعلیٰ تفہیم رکھتے تھے۔ وہ نطشے کی نفسیات اور فلسفے کی گہرائی سے خوب آگاہ تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچ رکھنا کہ انہوں نے 'مردِ کامل' کا تصور نطشے کے افکار سے اخذ کیا، ہرگز غلط ہے اور کسی نقاد یا محقق کی سطحی سوچ، سطحی مطالعے اور کم فہمی کو ظاہر کرتی ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتویں خطبے 'کیا مذہب کا امکان ہے؟' میں نطشے کے بارے میں یوں اظہارِ رائے کرتے ہیں:

''بے شک نطشے نے اپنے اندر عالم لاہوت کی ایک جھلک دیکھی اور وہ ایک حکم قطعی بن کر اس کے سامنے آئی۔ ہم اس کو حکم قطعی ہی کہیں گے، کیونکہ یہی جھلک تھی جس کی بدولت اس میں پیغمبرانہ سی ذہنیت پیدا ہوگئی، وہ ذہنیت جو اس قسم کی تجلیات کو کسی نہ کسی طرح زندگی کی مستقل قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ لیکن نطشے کو اس میں بجز ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ اس لیے کہ اس کے روحانی اسلاف میں شوپن ہاوئر، ڈارون اور لانگے ایسی ہستیاں شامل تھیں اور یہ انہیں کا اثر تھا کہ نطشے ان تجلیات اور مشاہدات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہ کر سکا۔ بجائے اس کے کہ وہ کسی ایسے روحانی اصول کی جستجو کرتا جس سے ایک عامی کے اندر بھی روحانیت کی دنیا بیدار ہو جاتی ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ ایک لامتناہی مستقبل اس کے سامنے ہے، نطشے یہ سمجھا کہ اس نے جس عالم کی جھلک دیکھی ہے اس کا اظہار ہوگا تو انتہائی امارت پسندی کے کسی نظام کی شکل میں۔ جب ہی تو میں نے کہا ہے:

آنچہ او جوید مقام کبریا است ایں مقام از علم و حکمت ماوراست
خواست تا از آب و گل آید بروں خوشۂ کز کشت دل آید بروں !

یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لیے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہونِ منت تھا، محض اس لیے کہ اسے کوئی مرشدِ کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا۔ پھر قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ شخص جسے دیکھ دیکھ کر اس کے دوست بھی سمجھتے تھے کہ اس کا تعلق شاید کسی ایسی سرزمین سے ہے جہاں کوئی انسان نہیں بستا، خوب جانتا تھا کہ اس کی روحانی ضروریات کیا ہیں۔ وہ کہتا تھا ''یہ صرف میں ہوں جسے ایک زبردست مسئلہ درپیش ہے۔ معلوم ہوتا ہے میں کسی جنگل میں کھویا گیا ہوں، کسی ازلی جنگل میں۔ کاش کوئی میری دستگیری کرتا۔ میرے کچھ مرید ہوتے۔ میرا کوئی آقا ہوتا۔ اس کی اطاعت میں کیسا لطف ملتا''۔ وہ یہ بھی کہتا تھا۔ ''مجھے اس طرح کے انسان کیوں نہیں ملتے جن کی نگاہیں مجھ سے بھی بلند ہوتیں، جو مجھ کو حقارت سے دیکھتے۔ شاید اس لیے کہ میں نے ان کی تلاش میں پورے خلوص سے کام نہیں لیا، حالانکہ میں ان کے لیے تڑپ رہا ہوں۔'' (۵۲)

ترجمہ اشعار:۔ اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ مقامِ کبریا ہے۔ یہ مقام علم و حکمت سے ماورا ہے۔
اس نے چاہا کہ وہ آب و گل سے باہر نکلے۔ اس کے دل کی کھیتی بارآور ہو جائے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ

''فوق البشر کے تصور میں انفرادیت کے عنصر کو اہمیت دینے، 'عمل' کو سست روی پر ترجیح دینے، نیز انفعالیت کے مقابلے میں فعالیت کو تمام تر توجہ تفویض کرنے کے عمل تک تو اقبال کا 'مردِ مومن' نطشے کے فوق البشر سے متاثر ہے لیکن اس کے بعد جب نطشے فوق البشر کو تمام اقدار سے

بالا متصور کرتا ہے تو اقبال کا راستہ جدا ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی اقبال کا 'مردِ مومن' عشق کی قوت سے لیس ہے جب کہ نطشے کا فوق البشر جبلّت کی قوت سے، اور یہ کوئی ایسا فرق نہیں جسے آسانی نظر انداز کیا جا سکے۔'' (۵۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصور 'مرد کامل' پر رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اثرات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے۔ وہ ان کو مرشد روشن ضمیر مانتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب انہیں سے پاتے ہیں اور ہر گرہ انہیں کے ناخن حکمت و معرفت سے کھلواتے ہیں۔ وہ ان سے بہت محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور نہایت احترام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

پیر رومی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر (۵۴)

ایک اور جگہ اس سے زائد والہانہ انداز سے اُن کا ذکر کرتے ہیں۔

طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب شیبِ او فرخندہ چو عہدِ شباب
بر لبِ اُو سِرِّ پنہانِ وجود بند ہائے حرف و صَوت از خود کشود (۵۵)

ان کا چہرہ سورج کی مانند روشن تھا۔ ان کا بڑھاپا عہدِ جوانی کی طرح مبارک تھا۔
ان کے ہونٹوں پر وجود کے خفیہ راز تھے۔ انہیں بات سمجھانے کے لیے تحریر و تقریر کے ذرائع کی حاجت نہیں تھی۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا 'مردِ کامل' کا تصور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ 'مثالی پیکر' سے بہت زیادہ مماثلت رکھتا ہے۔ 'مردِ کامل' خودی کی تکمیل پر ہی نیابتِ الٰہی کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے بعد 'مردِ کامل' اجتماعی خودی کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی اور بے خودی کے تصورات اور اپنے فلسفہ و فکر کی خاص خاص باتیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہیں۔ درحقیقت اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ و فکر کا بنیادی ماخذ قرآنِ مجید ہے۔ اس لیے ان کے افکار میں بہت زیادہ ہم آہنگی ہے۔ مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے 'مردِ کامل' کی درج ذیل خاص خاص باتیں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کی ہیں۔

۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی کا تصور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کیا ہے۔ 'جاوید نامہ' میں مولانا روم کی زبان سے انہوں نے اس فلسفے کو یوں بیان کیا ہے۔

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید از پسِ کُہ پارۂ آمد پدید
گفتمش ''موجود و ناموجود چیست؟ معنیٔ محمود و نامحمود چیست؟''
گفت ''موجود آنکہ می خواہد نمود آشکارائی تقاضائے وجود
زندگی خود را بخویش آراستن بر وجودِ خود شہادت خواستن
انجمن روزِ الست آراستند بر وجودِ خود شہادت خواستن
زندۂ یا مردۂ یا جاں بلب از سہ شاہد کن شہادت را طلب (۵۶)

۱۔ روحِ رومی پردے چاک کر کے پہاڑی کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔
۲۔ میں نے ان سے پوچھا، ''موجود اور ناموجود کیا ہے؟ محمود اور نامحمود کے کیا معانی ہیں؟''
۳۔ انہوں نے کہا، ''محمود وہ ہے جو نمود چاہتا ہے۔ خود کو ظاہر کرنا وجود کا تقاضا ہے۔
۴۔ زندگی اپنے آپ کو اپنے وجود سے آراستہ کرنا ہے۔ اپنے وجود پر شہادت طلب کرنا ہے۔
۵۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے روزِ الست کی انجمن آراستہ کی۔ اپنے وجود پر شہادت طلب کی۔
۶۔ تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب ہے۔ تین شاہدوں سے شہادت طلب کر۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے جاوید نامہ میں خودی کے جو دو مراتب بتائے ہیں، ان میں پہلا مرتبہ یہ ہے۔

شاہدِ اول شعورِ خویشتن خویش را دیدن بنورِ خویشتن (۵۷)

شاہدِ اول اپنا شعور ہے۔ اس سے مراد خود کو اپنے نور سے دیکھنا ہے۔

انسان کو اپنے ساتھ بنی نوع انسان کے دوسرے افراد کے نور کا بھی مشاہدہ کرنا چاہیے ۔

شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے خویش را دیدن بنورِ دیگرے

شاہدِ ثانی دوسروں کا شعور ہے۔ اس سے مراد خود کو دوسروں کے نور سے دیکھنا ہے۔

اور اس مرتبہ کا نام فلسفۂ بیخودی ہے۔ اسی طرح جلال و جمال کے دونوں پہلو بھی جو اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں پائے جاتے ہیں وہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس چشم و ابرو کا اشارہ ہے۔

۲۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق خودی اور خدا کا تعلق منقطع نہیں ہونا چاہیے ۔

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

پیشِ ایں نور اربمانی استوار حی و قائم چوں خدا خود را شمار (۵۸)

۱۔ شاہدِ سوم ذاتِ حق ہے۔ اس سے مراد اپنے آپ کو ذاتِ حق کے نور سے دیکھنا ہے۔

۲۔ اگر تو اس نور کے سامنے قائم رہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حی و قیوم سمجھ۔

۳۔ خودی کی تکمیل کے لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی رحمۃ اللہ علیہ دونوں عشق و محبت کو لازم قرار دیتے ہیں ۔

مرا باعشق و مستی آشنا کرد نئے آں نَے نوازے پاکبازے

خوشا مردے کہ در دامانم آویخت مئے روشن ز تاکِ من فروریخت

سنائی از دلِ رومی برانگیخت نصیب از آتشے دارم کہ اول (۵۹)

۱۔ اس نے نواز، پاک باز کے نغموں نے مجھے عشق و مستی سے آشنا کر دیا۔

۲۔ میرے انگور سے روشن شراب ٹپک رہی ہے۔ وہ مرد خوش نصیب ہے جس نے میرا دامن تھام لیا۔

۳۔ مجھے بھی اس آتش سے حصہ مل گیا ہے کہ جو پہلے پہل سنائی نے رومی کے دل میں بھڑکائی تھی۔

۴۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عقل اور عشق کا مضمون بھی مشترک ہے۔ عقل اور عشق کے مقامات بھی ان دونوں کے ہاں ایک ہی قسم کے ہیں ۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں

علم میں بھی سرور ہے لیکن یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

(کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۳۳۵/۴۳)

ملت عشق از ہمہ دینہا جداست عاشقاں را ملت و مذہب خداست

(مثنوی معنوی، دفتر دوم، بخش ۳۶)

ملتِ عشق سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا مذہب ہر ایک سے الگ ہے۔ عاشقوں کی ملت اور مذہب خدا ہے۔

۵۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی دونوں ہی جبر و قدر کے بارے میں ایک جیسی رائے رکھتے ہیں۔ دونوں نے تقدیر کا ایسا مفہوم پیش کیا ہے جو انسانی خودی اور جدوجہد کی قوتوں کو ابھارے اور زندگی کو سنوارے (۶۰)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے (۶۱)

۶۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور رومی رحمۃ اللہ علیہ دونوں بقا پرست اور ارتقا پسند ہیں اور انسان کے اپنی اصل حقیقت (ذاتِ باری تعالیٰ) کی

طرف مسلسل سفر کے قائل ہیں ؎

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلّی اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (۶۲)

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کے مقامِ کبریا کے زیر ایسے مردانِ کامل ہیں جو فرشتوں کو اپنے جال میں جکڑ لیتے ہیں، پیمبر ان کا شکار ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ تک انہیں رسائی حاصل ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نوا ہو کر کہتے ہیں ؎

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ (۶۳)

میرے جنون کے بیابان میں جبریل تو ایک ادنیٰ سا شکار ہے۔اے ہمتِ مردانہ خدا پر کمند ڈال۔

مندرجہ بالا تقابلی جائزہ سے ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ

''ڈاکٹر صاحب نے ان تمام فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریات میں سے شوپنہار اور عام صوفیانہ تعلیمات اور صوفیانہ شاعری کے تمام ذخیرہ کو قرآن مجید کی تعلیمات کے مخالف پایا۔اس لیے ان کو بالکل نظر انداز کر دیا۔اسی طرح نٹشے کے فلسفہ میں ان کو خودی کے جو شیطانی عناصر نظر آئے ان کو تو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا، البتہ اصل مسئلہ کو لے کر اس شیطانی خودی کو یزدانی خودی بنا دیا، اور اس میں ان کو قرآن مجید کے بعد مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی سے مدد ملی۔''(۶۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و فلسفہ کی اصل اساس اور میزانِ حق، قرآن مجید ہے۔اسی طرح ان کے تصور مردِ کامل کی اساس بھی قرآن مجید ہے۔قرآن مجید کے بعد وہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار سے متاثر ہُوئے اور اس کی بھی اصل وجہ یہی ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی اساس بھی قرآن مجید ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مشرق و مغرب کے فلاسفہ کے تصورات اور نظریات کا بھی اصولِ قرآن کے مطابق جائزہ لیا اور ان میں سے جو قرآنی تعلیمات پر پُورے اُترے انہیں تسلیم کیا اور دیگر کو رد کیا۔

اقبال کا تصورِ زمان ومکان

مسئلہ زمان ومکان کی اہمیت

انسان جب مظاہرِ فطرت پر غور وفکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں لازماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خالق کس قدر حسین، حکیم، علیم، قادرِ مطلق اور فیاض ہے جس نے اتنی خوبصورت کائنات اور اس میں موجودات کو پیدا کیا۔ جب انسان ان اشیاء کے باطن اور گہرائیوں میں جھانکتا ہے تو اسے ان کے ظاہر کی نسبت ان کے باطن میں زیادہ مسحور کن خوبصورتی اور حکمت ودانائی نظر آتی ہے۔ مخلوق کے ظواہر اور بطون کی یہ خوبصورتی اور حکمت ودانائی پر مبنی صناعی وکاریگری اس ذات باری تعالیٰ، خالق ومالکِ کُلِّ شیءٍ کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں جو خود بھی حسین ہے اور حُسن سے پیار کرتا ہے۔

حقیقت کی تلاش اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی کی طلب ہر ذی فہم، دانش مند، اہلِ عقل اور اہلِ علم کے فطری تقاضے ہیں اور یہی منشائے قدرت ہے۔ اسی لیے تو قرآن مجید میں جا بجا غور وفکر کا، مشاہدے کا، تجربے کا حکم ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ انسان کو مختلف مثالوں اور حوالوں سے دعوتِ مشاہدہ ودیدیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ساتھ ہی انسانوں کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ اپنی ذات اور کائنات کے حوالے سے اپنے خالق ومالکِ حقیقی کو پہچانیں، اس کی معرفت حاصل کریں اور وہ قربِ ذاتی حاصل کریں جو انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد ہے۔

محبّ محبوب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور بقا نہیں پا سکتا۔ انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد ذات باری تعالیٰ سے محبت، عبادت، عقیدت اور اخلاص سے وصل پانا ہے۔ محبِّ مخلص کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے تو وہ زندہ ہے نہیں تو مردہ ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے عرفان کے حصول کے لیے زمان ومکان کا حقیقی تصور جاننا نہایت ضروری ہے۔ زمان ومکاں کا تصور واضح ہونے سے انسان کو اپنا مقصدِ حیات سمجھنے، اپنے آپ کو پہچاننے اور اس ذریعے سے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے زمان ومکان کے مسئلے کو مسلمانوں کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''.....اسلامی تہذیب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالص ذہنی مسائل ہوں یا مذہبی نفسیات، یعنی اعلیٰ تصوف کے مسائل ہوں، سب کا نصب العین اور مقصود یہی ہے کہ لامحدود کو محدود کے اندر سمو لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جس تہذیب کا یہ مطمعِ نظر ہو اس میں زمان ومکان کا سوال درحقیقت زندگی اور موت کا سوال ہے۔''(۱)

تصور زمان ومکان کی تفہیم، مطالعۂ فطرت، مشاہدۂ فطرت اور حقائق کے صحیح ادراک کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ہر وہ کام جو ہمیں ذاتِ حق کا قرب عطا کرے، عبادت ہے۔ اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ مطالعۂ فطرت کو عبادت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''.....نیچر کا علم خدا کی خدائی کا علم ہے۔ جب ہم نیچر کا مشاہدہ کرتے ہیں تو گویا ہم انائے مطلق سے قریب تر ہوتے ہیں، اور یہ بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔''(۲)

زمان ومکان کا عمومی تصور

'زمان' سے مراد زمانہ، وقت یا دہر ہے۔ انگریزی میں اسے time کہتے ہیں۔ وقت گزر رہا ہے۔ وقت ایک خارجی شے ہے جو انسان کے شعور سے اس طرح گزرتا ہے جیسے کوئی دریا ایک پل کے ستونوں میں سے ہوتا ہُوا بہتا ہے۔ جس طرح ایک مالا میں موتی ایک ترتیب سے یکے بعد دیگرے پروئے ہُوئے ہوتے ہیں اس طرح وقت کے لمحات ایک ترتیب سے گزرتے چلے جاتے ہیں اور 'پہلے' اور 'بعد'

کا تاثر قائم کرتے ہیں۔ دو واقعات کے درمیان گزرنے والے خالی وقت کو 'خالی آن' (خالی لمحہ یا خالی گھڑی) قرار دیا جاتا ہے۔ سائنس میں وقت کے بہاؤ کا ٹھیک اندازہ ان واقعات کے ذریعے کیا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے مساوی فصل پر رونما ہوتے ہیں۔ سورج یا کسی ستارے کا نصف النہار پر سے گزرنا یا ایک گھڑی کی ٹِک ٹک وغیرہ وقت کے فاصلوں کو ناپنے کے کام میں لائی جاتی ہے۔ (۳)

'مکاں' یا 'مکان' سے مراد جگہ، ٹھکانہ یا مقام ہے۔ فضا میں ہم اشیا کے مقامات کا تعین آنکھ کے ذریعے کرتے ہیں۔ آنکھ کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ جو شعاعیں ایک ہی سمت سے آتی ہیں وہ ایک ہی نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس طرح اشیاء کے متعلق ہماری پہلی ترتیب سمت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم محض سمت کے ذریعے اشیاء کے مقام کا تعین نہیں کر سکتے کیونکہ اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ان کی سمت بدل جاتی ہے اور دو اشیا جو پہلے ایک ہی سمت میں دکھائی دیتی ہیں، اب مختلف سمتوں میں نظر آنے لگتی ہیں۔ جس طرح دو واقعات میں 'خالی وقت' ہوتا ہے۔ اسی طرح دو اشیاء میں 'خالی فاصلہ' ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔ جس طرح وقت کا اندازہ وقت کے آلۂ پیمائش یعنی گھڑی سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح فاصلے کی پیمائش، پیمائش کے آلات سے کی جاتی ہے۔ تاہم تجربے و مشاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ

''فضا میں اشیاء کا تعین کوئی غیر متغیر مطلق یا خارجی شے نہیں ہے بلکہ وہ موضوعی اور شخصی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھ آئے ہیں کہ دو واقعات کے درمیان وقت کی ترتیب ایک خارجی چیز ہے جو ہمارے ذاتی اثرات سے قطعاً بے نیاز ہے''۔ (۴)

زمان و مکاں کا یونانی تصور

حکیم افلاطون کے مطابق وہ تمام اشیا جن کا وجود ہے کسی نہ کسی جگہ ہونی چاہئیں اور انہیں کچھ نہ کچھ فضا گھیرنی چاہیے جو نہ زمین پر ہے نہ آسمان پر وہ ''لاشے'' ہے۔ (۵)

زینو کے نزدیک زماں لامحدود آنوں اور مکاں لامحدود نقطوں سے مل کر بنا ہے۔ لامحدود نقطوں کے تصور کی بدولت وہ حرکت کو ناممکن سمجھتے تھے اور روزمرہ زندگی میں متحرک اشیا کو محض فریبِ نظر سمجھ کر نظر انداز کر دیتے تھے۔ اسی تصور کی بدولت یونانی کائنات کو ساکن/سکونی قرار دیتے تھے۔ (۶)

زمان و مکاں کے متعلق مسلم علماء کے خیالات

قرآن مجید میں اختلافِ لیل و نہار کو خدا کی نشانیاں بتایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں دہر (زمانہ، زماں) کو ذاتِ الٰہی کا مترادف قرار دے کر اسے برا نہ کہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ صوفیائے کرام خصوصاً ابنِ عربی نے دہر کو اسمائے الٰہی میں شامل کیا ہے۔

اسلامی مفکرین میں عقلی بنیاد پر سب سے پہلے اشاعرہ نے اس مسئلے کی گرہیں کھولنے کی کوشش کی۔ اقبال نے خطبات میں مسلمان فلسفیوں خصوصاً اشاعرہ اور معتزلہ وغیرہ کے خیالات پر تفصیلی بحث کی ہے اور الاشعری، ابنِ حزم، طوسی اور عراقی کے افکار کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مسلم مفکرین نے یونانیوں کے سکونی تصورِ کائنات کے خلاف بغاوت کی ہے۔ اسلام نے انسان کو حقیقت پسند بنایا اور اسے دنیا کی موجودہ حیثیت پر غور و فکر کرنا سکھایا۔ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ہماری کائنات ایک ارتقاء پذیر متحرک کائنات ہے۔ چنانچہ حرکت کے اس اصول کو بنیادی حیثیت دی جانی چاہیے۔ (۷)

اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات (۸)

اشاعرہ کا حوالہ دیتے ہُوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''اشاعرہ کے نزدیک کائنات کی ترکیب جواہر یعنی ان لاانتہا چھوٹے ذروں سے ہُوئی جن کا مزید تجزیہ (تقسیم) ناممکن ہے۔ لیکن خالقِ کائنات کی تخلیقی فعالیت کا سلسلہ چونکہ برابر جاری ہے اس لیے جواہر کی تعداد بھی لامتناہی ہے کیونکہ ہر لحظہ نئے نئے جواہر پیدا کئے جا رہے ہیں اور اس لیے کائنات میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کا بھی یہی ارشاد ہے: ''واللّٰہ یزید فی الخلق مایشآء'' لیکن یاد رکھنا چاہیے جواہر کی حقیقت کا دارومدار ان کی ہستی پر نہیں۔ ہستی تو وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ جواہر کو عطا کرتا ہے۔ جب تک یہ صفت عطا نہیں

ہوتی، جواہر گویا قدرتِ الٰہیہ کے پردے میں مخفی رہتے ہیں۔ وہ ہستی میں آتے ہیں تو اس وقت جب یہ قدرت (قدرتِ باری تعالیٰ) سے مرئی شکل اختیار کر لیتے ہے۔ لہٰذا باعتبارِ ماہیت جوہر قدرے عاری ہے۔ گویا یوں کہیے کہ اس کا ایک محل بھی ہے لیکن مکان سے بے نیاز۔ کیونکہ یہ صرف جواہر کا اجتماع ہے جس سے ان میں امتداد کی صفت پیدا ہوتی ہے اور مکان کا ظہور ہو جاتا ہے۔''(۹)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشاعرہ کے حوالے سے نہ صرف جواہر کے وجود کو تسلیم کیا بلکہ یونانیوں کے 'بند کائنات' یا 'کائنات سکونی' کے مقابلے میں ہر دم خلق ہوتی ہوئی کائنات کے تصور کو سراہا اور کہا کہ یہ تصور قرآنِ حکیم سے ماخوذ ہے۔ آج طبیعات بھی اس تصور ہی کی توثیق کر رہی ہے۔(۱۰)

جست کا تصور

مسلمان مفکر نظام نے 'جست' کا تصور پیش کیا اور کہا کہ متحرک جسم مکان کے تمام نقطوں سے نہیں گزرتا بلکہ جست سی لگا کر خلا کو عبور کر جاتا ہے اور اس لیے کبھی یہاں اور کبھی وہاں نظر آتا ہے۔ جدید طبیعات اس تصور کی تصدیق کرتی ہے۔(۱۱)

زماں ومکاں کا تعلق:۔

'آن' (لمحہ، گھڑی، زمان، moment) اور 'نقطہ' (مکان، جگہ، مقام) میں سے 'آن' زیادہ بنیادی عنصر ہے، تاہم نقطہ 'آن' سے جدا نہیں بلکہ اس کا مظہر ہے۔ دراصل نقطہ کسی شے کا نام نہیں۔ یہ تو 'آن' کو دیکھنے کا ایک زاویہ ہے۔(۱۲)

مرورِ زماں کا تصور

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشاعرہ کے معروضی نقطۂ نظر کے بجائے 'مرورِ زماں' کا تصور قبول کیا جس کے اندر واقعات کا تسلسل ایک چلتے ہُوئے کارواں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ تاہم جہاں تک خدا کی ذات کا تعلق ہے، وہاں تمام واقعات مشاہدے کے ایک ہی کوندے کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ مرورِ زماں کے تصور سے وقت کی تقسیم کی بجائے اس کی اکائی نمودار ہوتی ہے۔

عراقی کا تصورِ زماں ومکاں

ملا جلال الدین اور صوفی شاعر عراقی نے وقت کا ایک اضافی تصور لیا ہے۔ مختلف ہستیوں کے لیے جو خالص مادیت سے لے کر خالص روحانیت تک مختلف مدارج رکھتی ہیں، زماں کی نوعیت مختلف ہے.....عراقی نے اس قسم کی طبقہ بندی مکان یا فضا کے لیے بھی کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ فضا کے تین طبقے ہیں:

۱۔ مادی اشیاء کی فضا

پہلا طبقہ مادی اشیا کی فضا ہے جس کے پھر تین درجے ہیں:

پہلا درجہ:۔ پہلے درجے میں وزن دار اشیاء کی فضا ہے۔

دوسرا درجہ:۔ دوسرے درجے میں ہوا اور اسی نوعیت کی ہلکی چیزوں کی فضا ہے۔

تیسرا درجہ:۔ نور یا روشنی کی فضا ہے۔

یہ تینوں فضائیں ایک دوسرے کے اس قدر قریب واقع ہیں کہ ان میں سوائے ذہنی تحلیل اور روحانی واردات کے اور کسی ذریعے سے امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ اس پہلے طبقے کی فضا میں ہم دو نقطوں کے درمیان ایک فاصلے کی تعریف کر سکتے ہیں۔

۲۔ غیر مادی ہستیوں کی فضا

دوسرا طبقہ غیر مادی ہستیوں یعنی ملائکہ وغیرہ کی فضا کا ہے۔ اس فضا میں بھی فاصلے کا ایک مفہوم موجود ہے۔ کیونکہ اگرچہ غیر مادی ہستیاں پتھر کی دیواروں میں سے گزر سکتی ہیں، تاہم وہ حرکت سے بالکل بے نیاز نہیں ہیں اور حرکت کے ساتھ فاصلے کا مفہوم لازماً پایا جاتا

ہے۔فضا سے آزادی اور بے نیازی کا بلند ترین درجہ انسانی روح کو عطا ہُوا ہے۔مادی اور غیر مادی اشیاء کے طبقات کے بعد اگلا طبقہ ربانی یا الٰہی فضا کا ہے۔

۳۔ربانی یا الٰہی فضا

تیسرا طبقہ ربانی یا الٰہی فضا کا ہے جس تک ہم فضا کی لامحدود اقسام سے گزر کر پہنچتے ہیں۔یہ فضا ابعاد اور فاصلوں کی تمام قیدوں اور بندشوں سے آزاد ہے اور اس پر لامتناہیاں آ کر مرتکز ہو جاتی ہیں۔(۱۳)

خدا کے حوالے سے زماں ومکاں کا تصور

عراقی کے مطابق خدا کے حوالے سے کسی نہ کسی 'مکاں' کا وجود قرآنِ حکیم کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

.....وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِO(ق۵۰آیت۱۶)

میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

تاہم قرب، ربط یا فراق کے جو الفاظ مادی اشیاء کے سلسلے میں موزوں ہیں، خدا کی ذات پر منطبق نہیں ہو سکتے۔دراصل رُوح نہ تو جسم کے اندر ہوتی ہے اور نہ باہر، نہ قریب ہوتی ہے اور نہ دُور! لیکن ہر ذرے کے ساتھ اس کا ربط اور انسلاک ایک حقیقت ہے۔لہٰذا خدا کے حوالے سے 'مکاں' کے وجود کی نفی نہیں کی جا سکتی۔(۱۴)

خدا کے حوالے سے 'زماں' کا تصور یوں پیش کیا جاتا ہے کہ غیر مادی ہستیوں کے نچلے طبقوں کو درجہ بدرجہ طے کر کے آخر میں ہم ربانی یا الٰہی وقت پر پہنچتے ہیں جو گزرنے یا بہاؤ کی خاصیت سے بالکل مبرا ہے اور اس لیے اس میں نہ تقسیم ہے، نہ ترتیب اور نہ تغیر۔یہ دوام سے بھی بالاتر ہے اور اس کا نہ آغاز ہے نہ انجام۔یہی وہ وقت ہے جس کو قرآن کریم نے 'ام الکتاب' کا لقب دیا ہے اور جس میں ساری تاریخِ عالم علّت ومعلول کے سلسلے سے آزاد ہو کر ایک مافوق الدوام ''اب'' میں سما جاتی ہے۔(۱۵)

خدا کے حوالے سے زماں کے مندرجہ بالا توضیح کے بعد درج ذیل حدیث قدسی پر غور کریں تو زماں کا تصور اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے:

حدیث قدسی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ'' زمانے کو گالیاں نہ دو کیوں کہ اللہ ہی وہ زمانہ ہے۔(۱۶)

مغربی مفکرین کا تصورِ زمان ومکان

مسلمان مفکرین کے بعد مغربی مفکرین نے زمان ومکاں کے مسئلے پر گہرا غور وفکر کیا۔اس سلسلے میں ڈیکارٹ (فرانسیسی فلسفی)، نیوٹن (سائنسدان)، نطشے (جرمن فلسفی) اور آئن سٹائن کے افکار اہل علم کی توجہ وغور وفکر کا مرکز رہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نیوٹن کے تصورِ زماں پر تنقیدی نظر ڈالی اور نطشے کے تصور کی خامیوں کو بھی واضح کیا۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت سے متاثر ہُوئے کیونکہ یہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور اسلام کے تصور زمان ومکان سے خاصا قریب ہے۔آئن سٹائن کے نظریات نے مادہ پرست مغرب پر کاری ضرب لگائی اور ایک ایسا نظریہ پیش کیا جو اقبال اور اسلام کے نظریۂ زمان ومکان کے مطابق مادے کی حقیقت بیان کرتا اور اشیاء کی حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

آئن سٹائل کے نظریۂ اضافیت میں زمان ومکان کا تصور

آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱۔زمان ومکان اضافی ہیں:۔نظریۂ اضافیت

نظریۂ اضافیت کی رو سے زمان اور مکان، مطلق اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں بلکہ اضافی اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ زمان و مکان کی اس اضافی خاصیت کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'جاوید نامہ' میں 'زروان' فرشتہ کے تذکرے کے ضمن میں بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ فرشتہ اقبال کو افلاک کی سیر کے لیے لے جاتا ہے۔ اس سیر سے قبل مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو معراج کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

از شعور است ایں کہ گوئی نزد و دور چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور
انقلاب اندر شعور از جذب و شوق وارھاند جذب و شوق از تحت و فوق
ایں بدن با جانِ ما انباز نیست! مشت خاکے مانع پرواز نیست (۱۷)

☆... یہ جو تو نزدیک اور دور کی بات کرتا ہے، اس کا تعلق شعور سے ہے۔ معراج کیا ہے؟ معراج شعور میں انقلاب پیدا ہونے کا نام ہے۔
☆... شعور کے اندر انقلاب جذب و شوق (عشق) سے پیدا ہوتا ہے۔ جذب و شوق انسان کو پستی و بلندی (مکان) سے آزاد کر دیتا ہے۔
☆... یہ بدن ہماری روح کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ یہ مٹی کی مٹھی (انسانی بدن) روح کی پرواز میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

جب انسان کو ذاتِ الٰہی اور محبوبِ خدا کا عشق حاصل ہوتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ حقیقت الحقائق کی طرف مرکز ہو جاتی ہے۔ اس توجہ کی بدولت اس کی روح نورِ الٰہی سے قوت پاتی ہے۔ اس طرح وہ مادی دنیا سے روحانی دنیا میں داخل ہوتا ہے اور اس کی رُوح قدرتِ خداوندی سے اپنے مرکزِ حقیقی کی طرف پرواز کرتی اور اپنی روحانی قوت کے بقدر، مشیتِ ایزدی کے تحت معراج حاصل کرتی ہے۔ اس سفرِ معراج میں روح مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ بلکہ زماں کی گرفت سے بالکل تو نہیں مگر قدرے زیادہ آزادی پا کر حقیقی زماں میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال ہمارے پیارے آقا، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کا سفرِ معراج ہے جس میں آپ ﷺ عالم لاہوت میں پہنچ کر اور اپنے محبوبِ حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو کر زمین پر لوٹ آئے۔ آپ ﷺ کی نسبت کی بدولت آپ ﷺ کی امت کو بھی معراج کی صلاحیت عطا فرمائی گئی اور آپ ﷺ نے یہ فرما کر کہ 'نماز مومن کی معراج ہے' اہل ایمان اور اہلِ عشق کے امکانی معراج کی نشاندہی فرما دی۔ آپ ﷺ کی امت کے اولیا میں سے جسے خدا تعالیٰ چاہے یہ معراجِ روحانی کی صلاحیت و سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً غوث الاعظم پیرانِ پیر دستگیر اپنے قصیدہ غوثیہ میں قربِ الٰہی اور معراج روحانی کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

اَنَا فِیْ حَضْرَتِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ یُصَرِّفُنِیْ وَ حَسْبِیْ ذُوالْجَلَال

☆... میں اللہ تعالیٰ کے حضور اور قرب میں یگانہ اور فرد ہُوں۔ وہ مجھے ایک حال سے دوسرے حال میں پھیرتا ہے اور اُس کی ذات میرے لیے کافی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ زمان و مکان پر عطائے خداوندی سے حاصل ہونے والے تصرف کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وَمَا مِنْھَا شُھُوْرٌ اَوْ دُھُوْرٌ تَمُرُّ وَ تَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ!

☆... ہر مہینہ اور ہر زمانہ جو دنیا میں گزرنے کے لیے آتا ہے۔ وہ واقع ہونے سے پہلے میرے پاس آتا ہے۔

وَ تُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاتِیْ وَ یَجْرِی وَ تُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِ

☆... اور جو کچھ واقع اور جاری ہوتا ہے اس کی مجھے خبر اور اطلاع دیتے ہیں۔ یہ علم خاصہ غیبی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہُوا ہے۔ اے نادان! ظاہر بین تو اس معاملے میں میرے ساتھ جھگڑا کرنے سے باز آ جا۔ (۱۸)

آسمانی سفر (معراج) کے لیے انسان کو جسمِ خاکی کی پابندی سے آزاد ہونا چاہیے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان زمان و مکان پر سوار ہو، یعنی زمانی اور مکانی حدود پر غالب آئے:

بر مکان و بر زمان اسوار شو فارغ از پیچاکِ ایں زنّار شو

چشم بکشا بر زمان و بر مکاں این دو یک حال است از احوالِ جاں (۱۹)

☆... تو زمان ومکاں پر سوار ہو جا اور یوں اس زنار کی گرفت سے آزاد ہو جا یعنی تو اس کائنات کو مسخر کر کے اس سے آزاد ہو جا تا کہ تو اپنی خودی کو پہچان سکے۔

☆... تو زمان اور مکان پر نظر ڈال۔ یہ دونوں (زماں ومکاں) جاں کے حالات میں سے ایک حال ہیں۔ مراد یہ ہے کہ زماں ومکاں قدرتِ الٰہی کی صفات کا مظہر ہیں۔

اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ زمان ومکاں کے فرشتے کا ذکر کرتا ہے جو انہیں عالم بالا کی سیر کے لیے ساتھ لے جاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس فرشتے کی دو صورتوں کا ذکر فرماتے ہیں اور یوں زمان ومکان کی اضافی خاصیت کا ذکر کر کے اس کی حقیقت اور امکانِ تسخیر کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

زاں سحاب افرشتۂ آمد فرود با دو طلعت ایں چو آتش آں چو دُود
آں چو شبِ تاریک و ایں روشن شہاب چشمِ ایں بیدار و چشمِ آں بخواب
بال او را رنگہائے سرخ و زرد سبز و سیمین و کبود و لاجورد
چو خیال اندر مزاجِ او رمے از زمین تا کہکشاں او را دمے
ہر زماں او را ھوائے دیگرے پر کشادن در فضائے دیگرے (۲۰)

☆... اس بادل میں سے ایک فرشتہ نیچے اترا۔ اس کے دو چہرے تھے، ایک آگ کی مانند دوسرا دھوئیں کی مانند۔

☆... دھوئیں والا چہرہ رات کی طرح تاریک اور آگ والا چہرہ ستارہ شہاب کی طرح روشن تھا۔ آگ والے چہرے کی آنکھ بیدار اور دھوئیں کے چہرے والی آنکھ سوئی ہوئی تھی یا نیند میں تھی۔

☆... اس کے بال سرخ اور زرد رنگ کے، نیز سبز وسفید اور نیلے اور لاجوردی تھے۔

☆... اس کے مزاج میں خیال کی سی تیز رفتاری تھی اور زمین سے کہکشاں کا سفر اس کے لیے ایک پل کا سفر تھا۔ (وہ یہ سفر لمحہ بھر میں طے کر لیتا تھا)۔

☆... ہر زماں اس میں ایک نئی خواہش پیدا ہوتی تھی اور ہر پل ایک نئی فضا میں پرواز کرتا تھا۔

انسان رہنما کے بغیر زمان ومکاں کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا اور ان پر غالب آ کر سیرِ روحانی نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے رہنما کے ساتھ ساتھ توفیقِ الٰہی کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ اقبال کی شاعری میں مرشدِ رومی اور زروان فرشتہ انہی امور کی نشاندہی کرتے ہیں۔

آئن سٹائن کا نظریۂ اضافیت

نظریۂ اضافت میں آئن سٹائن نے یہ بھی بتایا کہ توانائی بھی وجود رکھتی ہے۔ اس نے ثابت کیا کہ مادہ اور توانائی ایک ہی چیز ہیں، ایک ہی چیز کی دو شکلیں ہیں۔ اس انکشاف نے مادہ پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ (۲۱)

آئن سٹائن کا چار ابعادی تصور

انیسویں صدی تک دنیا کا سہ ابعادی (تھری ڈائی منیشن) تصور رائج تھا۔ آئن سٹائن نے چار ابعاد، طول، عرض، عمق اور وقت کا تصور پیش کیا۔ اس نے وضاحت کی کہ کسی واقعہ کو معین کرنے کے لیے صرف اس کے جائے وقوع کا بیان کافی نہیں بلکہ یہ بتانا بھی لازمی ہے کہ واقعہ کس وقت ظہور میں آیا۔ (۲۲)

قوت کے بارے میں آئن سٹائن کی وضاحت

نیوٹن نے مکان اور زمان کے ساتھ قوت کو بھی مطلق فرض کیا تھا۔ آئن سٹائن نے عام اضافیت کے اصولوں پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہم

جس چیز کو 'قوت' کہتے ہیں وہ صرف مکان وزمان کی ایک خاصیت ہے، کوئی علیحدہ چیز نہیں۔(۲۳)

متناہی مگر غیر محدود کائنات کا تصور

آئن سٹائن نے کائنات کو متناہی مگر غیر محدود قرار دیا، اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال سے اتفاق کیا۔فرماتے ہیں:

''.....اس نظریہ کی رو سے فضا مادہ پر منحصر ہے۔آئن سٹائن کے خیال کے بموجب کائنات کسی لامحدود خلا میں ایک جزیرہ نہیں بلکہ وہ غیر محدود لیکن متناہی ہے، جس کے آگے کوئی خیالی فضا نہیں۔''(۲۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ زمان ومکان

اقبال رحمۃ اللہ علیہ آئن سٹائن کے پیش کردہ تصور زمان ومکان سے بہت حد تک متفق ہیں۔انہیں نظریہ اضافیت کی اس تعبیر سے اتفاق ہے جو وہائٹ ہیڈ نے کی ہے۔یعنی یہ کہ

''نیچر کوئی ایسی سکونی حقیقت نہیں ہے جو ایک غیر حرکیاتی خلا میں واقع ہو بلکہ وہ ایسے واقعات کا مجموعہ ہے جو اپنے اندر مسلسل تخلیقی بہاؤ کی خاصیت رکھتے ہیں۔زمان ومکان دونوں اضافی اور حقیقی ہیں لیکن ان دونوں میں سے زمان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اگرچہ تمام اشیاء میں زمان ومکان دونوں موجود ہیں لیکن ان کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا جسم اور ذہن کا، یعنی زمان ذہن ہے مکان کا۔''(۲۵)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ

۱۔ ہماری کائنات ارتقا پذیر اور متحرک ہے۔

۲۔ زمان ومکان دونوں اضافی اور حقیقی ہیں لیکن ان دونوں میں سے زمان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

۳۔ تمام اشیاء میں زمان ومکان دونوں موجود ہیں اور ان کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسا جسم اور ذہن کا۔زمان ذہن ہے مکان کا۔

مندرجہ بالا اقتباس سے متصل اقتباس کا جائزہ لیں تو مزید معلوم ہوتا ہے کہ

۴۔ طبیعاتی نقطۂ نظر سے ہم زمان کا صرف جزئی تعین کر سکتے ہیں۔

۵۔ زمان ومکان سے متعلق ہمارے مشاہدات اضافی (Relative) ہیں۔

۶۔ حقیقی زمان ایک قسم کی تخلیقی فعلیت ہے۔اس کے متعلق تواتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ہمارا ذہن اپنی سہولت کی خاطر اس خالص زمان کو متواتر آنات میں تقسیم کر لیتا ہے تاکہ اس طرح حقیقت کی فعلیت کا تصور اور اس کی پیمائش کی جا سکے۔(۲۶)

ڈاکٹر یوسف حسین خان 'روحِ اقبال' میں اقبال کے تصورِ زمان ومکان پر بحث کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔

''.....اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے زمان کی حقیقت کا ادراک اور حیات کا تصور، زمان میں ایک مسلسل حرکت کے طور پر کیا ہے۔زماں ایک مسلسل حرکت ہے۔انسانی زندگی اور تاریخ کا راستہ پہلے سے بنا بنایا اور مقرر شدہ نہیں ہے۔زمان ایک تو لحہ بہ لحہ مرور ہے اور دوسرے وہ ایک رجحان ہے جو زندگی کسی مقصد ومنتہا کی طرف آگے بڑھنے میں ظاہر کرتی ہے جو ابھی تکمیل پذیر نہیں ہُوا۔''(۲۷)

مراد یہ ہے کہ

۱۔ زمان ایک حقیقت ہے۔

۲۔ زمان مسلسل حرکت ہے اور ابھی تکمیل پذیر نہیں ہُوا۔

۳۔ زندگی زمان میں مسلسل حرکت کا نام ہے۔

'بالِ جبریل' کی مشہور نظم 'مسجد قرطبہ' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے زمان ومکان کی حقیقت یوں بیان کی ہے:

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات — سلسلۂ روز و شب اصلِ حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تارِ حریرِ دو رنگ — جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلۂ روز و شب سازِ ازل کی فغاں جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ ممکنات
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا ایک زمانے کی رَو، جس میں نہ دن ہے نہ رات (۲۸)

ہم طبعی زمان ومکان میں جنم لیتے ہیں۔ اپنی زندگی کے دن گزارتے ورمر جاتے ہیں۔ یہ سلسلۂ روز وشب ہمیں گزرتے ہُوئے زماں کا احساس دلاتا ہے۔ یہ زماں اصل میں حکمِ ربی کی جلوہ نمائی اور ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے۔ اصل زمان ومکان (خالص زمان/ حقیقی زمان) ذات باری تعالیٰ کی قدرت کا مظہر ہے اور اس کی تمام صفات اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ طبعی زمان ومکان جس میں انسانی عقل چکر لگاتی ہے اصل حقیقت نہیں۔ طبعی زمان ومکان کے بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خرد ہوئی ہے زماں و مکاں کی زناری نہ ہے زماں نہ مکاں، لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا الـلّٰـــہ (۲۹)
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدنِ من چہ زمان و چہ مکاں، شوخیٔ افکارِ من (۳۰)

☆... کسی چیز کے ہونے اور نہ ہونے کا دارومدار میرے دیکھنے اور نہ دیکھنے پر ہے۔ کیا زماں ہے اور کیا مکاں، اس کا دارومدار میری شوخیٔ افکار پہ ہے۔

'جاوید نامہ' میں 'زمان ومکان' کا فرشتہ زروان، زمان کی حقیقت بیان کرتے ہُوئے کہتا ہے:

۱۔ ہر انسانی تدبیر زمان کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔
۲۔ زندگی، موت اور حشر سب زمان ہی کی حرکتیں ہیں۔
۳۔ انسان، فرشتے اور کائنات سب زمان میں واقع ہُوئے ہیں۔
۴۔ زمان حقیقت کا آخری جزو ہے۔

گفت زروانم جہاں را قاہرم ہر نہانم از نگہ ہم ظاہرم
بستہ ہر تدبیر با تقدیرِ من ناطق و صامت ہمہ نخچیرِ من
من حیاتم، من مماتم، من نشور من حساب و دوزخ و فردوس و حور
آدم و افرشتہ در بندِ من است عالمِ شش روزہ فرزندِ من است
ہر گُلے کز شاخ می چینی منم اُمِّ ہر چیزے کہ می بینی منم (۳۱)

☆... کہنے لگا، میں زروان ہوں۔ جہاں کے لیے میں قاہر ہوں۔ میں نگاہ سے چھپا ہوا بھی ہوں اور ظاہر بھی ہوں۔
☆... ہر تدبیر میری تقدیر سے بندھی ہوئی ہے۔ بات کرنے والے اور گونگے سب میرے شکاری ہیں۔
☆... میں ہی زندگی ہوں، میں ہی موت ہوں، میں ہی روزِ حشر ہوں۔ میں ہی حساب، دوزخ، جنت اور حور ہوں۔
☆... انسان اور فرشتہ میری قید میں ہیں۔ یہ چھ دن کا جہان میرا فرزند ہے۔
☆... ہر پھول جو تو شاخ سے توڑتا ہے، وہ میں ہوں۔ ہر وہ چیز جسے تو دیکھتا ہے، اسے جنم دینے والا میں ہوں۔

'اسرارِ خودی' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مقولہ ''الوقت سیف قاطع'' کی خوبصورت انداز سے وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کا ظہور اس شمشیر قاطع (زمان، وقت) سے ہُوا۔ جو شخص زمانے کو محض دن اور رات کی تعداد سے ناپتا ہے وہ گمراہ ہے اور زمانہ کی اصل حقیقت سے واقف نہیں۔ جو شخص زمان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں وہ حیاتِ جاوداں سے بھی آگاہ نہیں۔

اے اسیرِ دوش و فردا در نگر در دلِ خود عالمِ دیگر نگر
در گِلِ خود تخم ظلمت کاشتی وقت را مثلِ خطے پنداشتی
باز با پیمانۂ لیل و نہار فکرِ تو پیمودِ طولِ روزگار

ساختی ایں رشتہ را زنّارِ دوش گشتۂ مثلِ بتاں باطل فروش (۳۲)

☆... اے دوش وفردا کے اسیر اپنے دل کے اندر دیکھو ہاں ایک اور جہاں آباد ہے۔

☆... تو نے وقت کو ایک لکیر کی طرح تصور کر کے اپنے خاکی وجود میں تاریکی کا بیج بویا ہے۔

☆... پھر تیرے فکر نے زمانے کی لمبائی کو رات اور دن کے پیمانے سے ناپا ہے۔

☆... تو نے (رات اور دن کے اس) رشتے کو کندھے کی زنّار بنالیا ہے اور بتوں کی طرح باطل فروش بن گیا ہے۔

'بالِ جبریل' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نظم 'زمانہ' ہے جس میں زمانہ اپنی صفات خود بیان کرتا ہے۔ زمانہ کہتا ہے کہ میں حادثات کو جنم دیتا ہوں۔ کہیں میں راکب ہوں اور کہیں مرکب، اور کہیں تازیانۂ عبرت۔ مجھے صرف کوئی خود شناس بندۂ مولیٰ، عارف ہی پہچان سکتا ہے۔

جو تھا، نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے ایک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اُسی کا مشتاق ہے زمانہ
مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر ایک سے آشنا ہوں، لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اس کا، نظر نہیں جس کی عارفانہ (۳۳)

ڈاکٹر یوسف حسین خاں ''روح اقبال'' میں زمانے کے اوصاف اور معارف بیان کرتے ہُوئے کہتے ہیں:

۱۔ مفکروں کے نزدیک زمانہ حوادث وواقعات کے تواتر سے عبارت ہے جس کا کوئی اور محور نہیں جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا۔

۲۔ بجائے عقل کے، جو تحلیل وتجزیہ کرتی ہے، ذوقِ وجدان کے ذریعے زمانے کی حقیقت کا راز تھوڑا بہت کھلتا ہے۔

۳۔ ماضی، حال اور مستقبل مرورِ زمانی کے نقطے ہیں۔

۴۔ مکان کا تصور چونکہ آفریدہ ہوتا ہے اس لیے ہم اس کی ماہیت جان سکتے ہیں اور اس کا تجزیہ کر سکتے ہیں۔

۵۔ مکان کا ادراک بالواسطہ طور پر ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی تعبیر ہوتی ہے جو ہم اپنے حواس کے ذریعے سے کرتے ہیں۔

۶۔ زمانہ ایک اندرونی احساس سے عبارت ہے جس کی تعریف ممکن نہیں۔ اس کی حقیقت کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (۳۴)

وقت را مثلِ مکاں گستردۂ امتیاز دوش و فردا کردۂ
وقتِ ما کو اول و آخر ندید او خیابانِ ضمیرِ ما دمید (۳۵)

☆... تو نے وقت کو مکاں کی طرح ہی پھیلی ہوئی چیز تصور کیا اور (اس طرح) ماضی اور مستقبل میں فرق سمجھا ہے۔

☆... ہمارے وقت نے اول وآخر نہیں دیکھا ہے۔ اس نے ہمارے ضمیر کے چمن سے جنم لیا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'پیامِ مشرق' میں اپنی ایک نظم 'نوائے وقت' میں زمان کے تصور کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ زمانہ انسان کو خطاب کرتے ہُوئے کہتا ہے کہ میری اصل حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے تو خود اپنے اندر دیکھ کہ میں تیری جان ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جو خود کو پہچان لیتا ہے اسے زمانے کی حقیقت کا ادراک بھی ہو جاتا ہے۔ زمانہ رازِ زندگی ہے، حیاتِ کائنات ہے۔ اس راز سے آگاہ ہونے کے لیے من کی دنیا میں غوطہ زن ہونا پڑے گا۔ فرماتے ہیں:

مَن رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل تو سازِ صد آہنگے، تو گرمئ ایں محفل
آوارۂ آب و گِل! دریاب مقامِ دل گنجیدہ بہ جامے ہیں، ایں قلزمِ بے ساحل

از موجِ بلندِ تو سر برزدہ طوفانم (۳۶)

تصورِ زمان ومکان کا انسانی علم، عزم اور ارادے پر اثر

خالقِ کائنات نے ہر چیز عجب پیدا کی ہے۔ کسی بھی تخلیق کے ظاہر و باطن پر غور کرلیں عجب اسرار ظاہر ہوتے یں۔ کچھ بھی بلا مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر ایک شے مخصوص شکل وشباہت اور ساخت رکھتی ہے اور مخصوص افعال سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہر ایک شے کی تخلیق پر غور کریں تو اس کی ساخت، شکل وشباہت اور کارکردگی میں ایک خاص ترتیب، تناسب اور حکمت ودانش پائی جاتی ہے۔ یہ ترتیب و تناسب حُسن وخوبصورتی کے مظہر ہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت، حکمت، صناعی، حسن و جمال اور مشیت کا بین ثبوت ہیں۔ ان حقائق کے ادراک کے لیے عقلِ بیدار اور دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

غرضیکہ ہر تخلیق خالق کی معرفت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تمام مخلوقات میں سے انسان افضل ترین مخلوق ہے جسے احسن الخالقین نے احسن تقویم پر تخلیق فرمایا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے کائنات اور اس میں جو کچھ ہے انسان کے لیے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو بار بار دعوتِ نظارہ، دعوتِ غور وفکر اور ان کی تسخیر کے لیے دعوتِ عمل دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت ومعرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ بغیر معرفت کے عبادت وہ اعلیٰ مقام نہیں پاتی جس کا شرف صرف اعلیٰ مقام کے انسانوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

جب انسان اپنی ذات میں، کائنات میں غور وفکر کرتا ہے تو اسے خالقِ حقیقی کے جلوے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ گویا معرفت کے حصول کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہی مقصدِ حیات اور مقصودِ فطرت ہے۔

جب انسان زمان ومکان کے تصور پر غور وفکر کرتا ہے اور اُس پر اِس کی حقیقت آشکار ہوتی ہے تو وہ اپنی شخصیت کے باطنی اوصاف اور خوابیدہ صلاحیتوں کو بھرپور انداز سے بروئے کار لانے کے لیے مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے کہ وہ جہاں کے لیے پیدا نہیں ہُوا بلکہ جہاں اُس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنی خودی کی پہچان اور اس کی تکمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اسے ستاروں سے آگے اور جہاں بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ زمان ومکان کا حقیقی تصور آشکار ہونے سے اُسے حقیقت الحقائق یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ خودی کے استحکام سے اُسے کائنات میں دور دور تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے قدرت تصرفات عطا فرماتی ہے۔ ایسے خود شناس اور خدا شناس شخص کی ہر جگہ حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔ اُسے اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ وہ مجبورِ محض نہیں۔ قدرت نے اسے بے شمار صلاحیتیں اور طاقتیں عطا کی ہیں۔ اس کی کارکردگی کا دائرہ کار بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی اور تاریخ کا راستہ پہلے سے مقرر نہیں۔ اس سے وہ بہت پرعزم ہو جاتا ہے۔ اس کے ارادے بہت وسیع اور مستحکم ہو جاتے ہیں اور وہ بھرپور زندگی گزارنے کے لیے مصروف بہ عمل ہو جاتا ہے۔ اس طرح زمان ومکان کے حقیقی تصور سے آگہی پر انسان کے علم میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں سے بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے اور عزمِ راسخ کے ساتھ راہِ حیات پر گامزن ہو جاتا ہے۔

باالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ زمان ومکان کے واضح اور حقیقی تصور کے بغیر زندگی کو، کائنات کو اور اپنی ذات کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔ زمانے کو معروضی اور خارجی سمجھنے والا شخص جبر کا قائل ہوگا۔ اس کے برعکس زمانے کو داخلی تصور کرنے والا شخص اپنی قوت ارادی سے کائنات میں تصرف کرنے اور اپنی خودی کو مستحکم وابدی بنانے کا قائل ہوگا۔

زندگی از دہر و دہر از زندگی است لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فرمانِ نبیؐ است (۳۷)

☆... زندگی، زمانے سے اور زمانہ زندگی سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ زمانے کو برا نہ کہو۔

جب انسان اپنے آپ کو آزاد اور خودمختار محسوس کرتا ہے تو وہ یقین رکھتا ہے کہ مستقبل کو جس طرح چاہے تشکیل دے۔ اس یقین کے سرچشمے سے انسان کے تمام اعلیٰ تخیلات وجذبات پیدا ہوتے ہیں، ورنہ وہ خود کو بہت بے بس سمجھتا ہے۔ اس کی بدولت شعور کا وہ مرکزی نقطہ مستحکم ہوتا ہے جسے ہم خودی کہتے ہیں اور جس کی سرحد پر خارجی عالم اور اندرونی عالم آکر مل جاتے ہیں اور انسان کو زمانے پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔

اقبال کا تصورِ ریاست

ریاست سے مراد عوام الناس کی سماجی، معاشی اور اخلاقی فلاح و بہبود کے لیے کسی مخصوص علاقے میں قائم نظامِ حکومت ہے۔ کسی بھی ریاست کے قیام میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور سماجی فلسفۂ زندگی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں کیپٹلزم، سوشلزم اور فاشزم کے تصورات کی بنیاد پر کئی ریاستیں قائم ہوئی ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تعلیمات کی رو سے ایسے تمام معروف سیاسی و معاشی تصورات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اسلامی تصورِ ریاست واضح کیا ہے جسے بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کیپٹلزم، سوشلزم اور فاشزم کے تصورات کا جائزہ لیا جائے۔

کیپٹلزم:۔ Capitalism:-

"Capitalism is a system of production and trade based on property and wealth being owned privately, with only a small amount of industrial activity by the government. (1)

''کیپٹلزم اشیاء کی پیداوار اور تجارت کا ایک نظام ہے جس کی بنیاد پرائیویٹ شعبے کی جائیداد اور دولت پر ہے جبکہ صرف محدود پیمانے پر صنعت کا شعبہ گورنمنٹ کے زیرِ انتظام ہوتا ہے۔''

مندرجہ بالا تعریف سے اور کیپٹلزم کے وسیع تصور کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ کیپٹلزم ایک معاشی نظام ہے جس میں پیداوار کے ذرائع پرائیویٹ شعبے کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس میں مارکیٹ میں اشیاء و خدمات کی فراہمی (supply)، طلب (demand)، قیمت (price)، تقسیم (distribution) اور زر کی فراہمی (investment) کو پرائیویٹ شعبے کے افراد کنٹرول کرتے ہیں۔ منافع سرمایہ کاری کرنے والے مالکان میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کاروبار میں خدمات سرانجام دینے والے افراد کو ان کی اُجرت (wages) ادا کی جاتی ہے۔

۲۔ کیپٹلزم کا نظام یورپ میں سولہویں صدی عیسوی میں پروان چڑھنا شروع ہُوا اور مغربی دنیا میں جاگیرداری اور نوآبادیاتی نظام کے زوال کے بعد پوری طرح غالب اور رائج ہو گیا۔ اس کے بعد تمام یورپ میں کیپٹلزم (سرمایہ دارانہ نظام) رائج ہو گیا اور بعد ازاں انیسویں اور بیسویں صدی میں دنیا میں اس کی بدولت صنعتی نظام رائج ہُوا۔ عصرِ حاضر میں دنیا کے زیادہ تر ممالک (مغربی یورپ، اٹلی، فرانس، جرمنی، امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا وغیرہ) میں یہی سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے۔

اشتراکیت:۔ Communism:-

"Communism is a political system in some countries in which the government controls the production of all food and goods, and which has no different social classes". (2)

''اشتراکیت چند ملکوں میں رائج ایسا سیاسی نظام ہے جس میں حکومت تمام قسم کی غذائی اجناس اور اشیاء کو کنٹرول کرتی ہے اور جس میں مختلف سماجی طبقات نہیں ہوتے۔''

علمی اردو لغت میں 'اشتراکیت' کی تعریف یوں درج ہے:

''معاشی خدمت اور پیدائش کے ذرائع پر عوامی ملکیت کے اصول پر مبنی معاشرتی نظام۔ مزدور کی آمریت۔ اس میں بلا لحاظ مراتب و قابلیت سب کو مساوی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ یہ قومی پیداوار میں سب کی یکساں شراکت کا نظام ہے۔''(۳)

اشتراکیت کی ایک اعلیٰ شکل اشتمالیت (Socialism) ہے۔ اشتراکیت کے تصور کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سوشلزم (اشتمالیت) کی تعریفوں پر بھی غور کر لیں۔

اشتمالیت:۔ Socialism:-

Longman ڈکشنری میں سوشلزم کی تعریف یوں درج ہے:

"Socialism is a system of political beliefs and principles whose main aims are that everyone should have a equal opportunity to share wealth and that industries should be owned by the government."(4)

''سوشلزم عقائد اور اصولوں پر مبنی ایسا نظام ہے جس کے بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ ہر ایک کو دولت میں مساوی حصہ ملنا چاہیے اور صنعتیں حکومت کی ملکیت میں ہونی چاہئیں۔''

علمی اردو لغت میں اِشتمالیت (Socialism) کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

''پیدائش دولت کے تمام مساوی وسائل پر تسلط ہونا اور تمام افرادِ قوم کا اس میں برابر کا حصہ دار ہونا۔''(۵)

اشتراکیت (Communism) کی ترقی یافتہ شکل اشتمالیت (Socialism) ہے۔ اشتراکیت اور اشتمالیت کی تعریفوں سے واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ اشتراکیت یا اشتمالیت ایسا سیاسی نظام ہے جس میں کسی ملک کا تمام معاشی نظام حکومت کے کنٹرول میں ہوتا ہے۔ آمدنی کے تمام ذرائع حکومت کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔

۲۔ ایسے معاشرے میں امیر اور غریب کا فرق نہیں ہوتا۔ دولت تمام افراد میں مساوی طور پر تقسیم ہوتی ہے۔ اس میں بلالحاظ مراتب و قابلیت سب کو مساوی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ یہ قومی پیداوار میں سب کی یکساں شراکت کا نظام ہے۔ یہ نظام مشرقی یورپ، روس اور چین وغیرہ میں رائج ہے۔ اس کا بانی کارل مارکس تھا۔

فسطائیت/ فاشزم:۔ Fascism:-

ویبسٹر ڈکشنری میں فاشزم کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

"It is a system of government characterized by rigid one party dictatorship, forcible suppression of opposition control, belligerent nationalism, racism, and militarism, etc.: first instituted in Italy in 1922".(6)

''یہ ایک نظامِ حکومت ہے جس کی نمایاں خصوصیات یک جماعتی آمریت، حزب اختلاف کو شدت سے کچل دینا، شدید نوعیت کی قوم پرستی، نسل پرستی اور فوج کُشی وغیرہ ہیں۔ یہ نظامِ حکومت پہلی بار ۱۹۲۲ء میں اٹلی میں رائج ہُوا تھا۔''

قدیم دور کے انسان نے جب ترقی کی تو ترقی پذیر اور طاقتور اقوام نے کمزور اقوام کو غلام بنالیا، ان کی زمینوں، جائیدادوں، املاک اور وسائل پر قبضہ کرلیا اور بزورِ طاقت ان سے کام لینا شروع کر دیا۔ بزورِ طاقت یہ ناجائز فائدہ حاصل کرنے یعنی استحصال کرنے (Exploitation) کی بدترین مثال تھی۔

غلامی کے دور کے بعد بادشاہی دور یا ملوکیت کا آغاز ہُوا۔ ملوکیت استحصال (Exploitation) کی بدترین صورت بن گئی۔ اس کی ایک مثال فرعون کی حکومت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ ملوکیت کے خلاف ردّعمل کے نتیجہ میں لادینیت کی بنا پر دو بڑے معاشی نظام سامنے آئے۔ ان میں ایک کیپٹلزم (سرمایہ دارانہ نظام) اور دوسرا سوشلزم (اشتمالیت) ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت بھی عوام الناس اور مزدور طبقہ کا استحصال ہُوا۔ سرمایہ دار طبقہ نے دنیا بھر میں جمہوریت کے نام پر استحصالی سرگرمیوں کا دائرہ کار بڑھا دیا۔ کمزور اقوام کو مغلوب کیا اور کمزور ممالک پر بالواسطہ، بلاواسطہ قبضہ کرلیا۔ اس طرح دنیا بھر میں سامراجیت (Imperialism) کو فروغ ملا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں اور استحصالی سرگرمیوں کے ردّعمل میں کئی ممالک میں اشتراکیت نے جنم لیا۔ اس نظام کے حامی افراد نے معاشی مساوات کا نعرہ لگایا۔ تمام وسائل پر حکومت نے قبضہ کرلیا۔ تمام افرادِ معاشرہ کو ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ یہ نظام سرمایہ داروں کی حوصلہ شکنی کی وجہ سے، یکساں مفادات کے حصول کی وجہ سے زیادہ محنت اور کوشش کا جذبہ مفقود ہونے پر اور اعلیٰ حکومتی سطح پر چند افراد کی اجارہ داری کی وجہ سے ناکام ہوگیا۔

اسلامی معاشی نظام:۔ Islamic Economic System:-

اسلامی اصولوں پر مبنی معاشی نظام، اسلامی معاشی نظام کہلاتا ہے۔اس معاشی نظام میں سرمایہ دار اور مزدوروں دونوں کو تحفظ مہیا کیا گیا ہے۔حقوق وفرائض کے تعین سے سرمایہ دار اور مزدور طبقے میں معتدل، متوازن اور مستحکم رشتہ قائم کیا گیا ہے۔سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کی طرح اس نظام میں استحصال نہیں۔اس نظام میں سرمایہ دار مزدور کو اس کا جائزہ حق فوراً ادا کرنے کا پابند ہے۔اسلام میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور مضاربہ/ مشارکہ کی بنا پر باہمی لین دین کیا جاتا ہے۔سرمایہ دار ہر سال اپنے مالی و مادی وسائل پر زکوٰۃ فوراً ادا کرنے کا پابند ہے۔اس نظام میں حکومت افرادِ معاشرہ کی فلاح کی ذمہ دار ہے اور عوام کو کاروبار کا اختیار بھی دیتی ہے۔حضرت عمرؓ نے یہ نظام احسن طور پر رائج کیا تھا۔ان کے دور میں تمام افرادِ معاشرہ اس قدر خوشحال ہو چکے تھے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے زکوٰۃ کے مستحق افراد کو ڈھونڈتے پھرتے تھے مگر انہیں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔افسوس کہ عصرِ حاضر میں کسی بھی اسلامی ملک میں اسلامی معاشی نظام اپنی اصل شکل میں رائج نہیں ہے۔

کیپٹلزم، اشتراکیت اور فاشزم پر اقبال کی تنقید:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آل احمد سرور کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء میں لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک فاشزم، کمیونزم یا زمانۂ حال کے اور ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔میرے عقیدے کی رُو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطۂ نگاہ سے موجبِ نجات ہو سکتی ہے۔''(۷)

خواجہ غلام السیّدین کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں لکھتے ہیں:

''سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیات کے مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔لفظ 'افیون' اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔میں مسلمان ہوں اور ان شاء اللہ مسلمان مروں گا.....اسلام خود ایک سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔''(۸)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ

۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کیپٹلزم، اشتراکیت اور فاشزم اور اسی طرح کے کسی بھی اور غیر اسلامی نظامِ سیاست یا نظامِ معیشت کے قائل نہ تھے۔ان کے نزدیک اس طرح کے ازم کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

۲۔ وہ نہایت دیندار اور اعلیٰ فکر کے حامل مفکر، فلسفی اور حکیم الامت تھے۔وہ دین اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تصور کرتے تھے اور اسلامی نظامِ معیشت یا اسلامی نظامِ سیاست کے قائل تھے۔

کیپٹلزم، اشتراکیت اور فاشزم وغیرہ دولت اور طاقت کے حصول اور ان کی تقسیم کے ضابطہ کار پر مبنی نظام ہیں۔یہ فرد، معاشرے اور ملت یا قوم میں فطرتی ربط، تعلق اور توازن قائم نہیں کرتے۔کیپٹلزم چند سرمایہ دار افراد یا اقوام کے ہاتھوں دیگر افراد یا اقوام کے استحصال کے لیے مکروفریب پر مبنی ایک نظام ہے۔اشتراکیت میں قابل، لائق افراد کا استحصال ہے۔اس نظام میں سب کو مساوی ملتا ہے جس وجہ سے مسابقت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور افراد و قوم ترقی نہیں کر پاتے۔فاشزم کمزور اقوام کی تباہی اور استحصال کے پرفریب ضابطۂ عمل کا نام ہے۔ان میں سے کوئی نظام بھی، سوائے اسلامی نظام کے، دولت اور طاقت کی تقسیم کا اور ان کی مدد سے صحیح فلاحی معاشرے کے قیام کا قابلِ عمل پروگرام پیش نہیں کرتا۔اس سلسلے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسلام نے ہر معاملے میں ایک فطری اور طبعی روش اختیار کی۔اس لیے کہ اسلام کا مقصود ہے فرد اور جماعت کی تربیت، اس کا **بھمہ** وجود اور مسلسل نشوونما۔''

''اسلام قوائے حیات کا شیرازہ بند ہے۔اسلام ہی وہ ائتلاف (منظّم ضابطۂ حیات) ہے جس کی دنیا کو ضرورت تھی اور ہے۔''(۹)

''قانونِ وراثت ہی کو دیکھ لو۔اس میں بھی دولت کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، خویش واقارب، دوستوں

اور ناداروں سب کا لحاظ رہے۔''

''دولت اور طاقت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلام نے اس امر کی پیش بندی نہایت خوبی سے کی کہ دولت حصولِ طاقت کا ذریعہ نہ بنے اور پھر طاقت کو بھی رد نہیں کیا۔ نہ دوسرے مذاہب کی طرح اسے مذموم ٹھہرایا۔ طاقت کی روح ہے جہاد مگر جہاد کے لیے بھی جو احکام وضع ہُوئے اور ان کے مقصود و مدعا کی تعیین اس طرح کی گئی کہ جوع الارض کی بجائے جہاد صلح و آشتی کا ذریعہ بن گیا۔'' (۱۰)

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ فرد اور معاشرہ کی اصلاح، ترقی اور استحکام صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کی بدولت ہی ممکن ہے۔ دنیا میں دولت اور طاقت کے حصول اور تقسیم کے نام پر کئی معاشی اور سیاسی نظام رائج ہوئے اور مٹ گئے۔ یہ تمام نظام استحصالی اور باطل ثابت ہوئے۔ صرف اسلام ہی ایسا واحد دین ہے جس نے عدل و مساوات پر مبنی نظام معاشرت، نظام معیشت اور نظام سیاست پیش کیا اور اسلامی تعلیمات کا عملی اطلاق اور اس کے دُور رس فلاحی و اصلاحی اثرات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسائل زندگی کے حل کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی نوعیت اور ان کی اہمیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اسلام جیسا کہ بارہا کہہ چکا ہوں دین ہے، مذہب نہیں ہے لہٰذا جہاں تک سیاسی معاشی مسائل کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ایک عمرانی تحریک بھی ہے۔ لیکن نکتہ ہے جو ابھی تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو بے سروپا سوالات اٹھائے جاتے ہیں اُس کی وجہ بھی یہ ہے کہ بحیثیت ایک نظامِ مدنیت اسلام ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔ یہ نظامِ مدنیت ایک نہ ایک دن سامنے آئے گا، لیکن اس وقت جب مسلمانوں کا ملّی شعور بیدار ہوگا اور وہ سمجھیں گے کہ حیاتِ ملی عبارت ہے ایک سیاسی اجتماعی ہیئت، نہ کہ محض ایک اخلاقی، مذہبی نظام سے۔ ذرا اس شعور کو بیدار ہو لینے دو، زمانہ خود ہی سمجھا دے گا مسائل کیا ہوتے ہیں اور ان کی صحیح شکل کیا۔'' (۱۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ ہر شعبۂ زندگی اور تمام مسائلِ زندگی میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ ایک عمرانی تحریک بھی ہے۔ یہ تمام سیاسی و معاشی مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے۔

گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تمام معاملاتِ زندگی میں دین اسلام سے رہنمائی حاصل کرتے تھے وہ کسی بھی ازم کے قائل نہ تھے۔ وہ تمام سیاسی تحریکوں، معاشی نظاموں کا دین اسلام کی رو سے جائزہ لیتے تھے۔ انہیں جہاں کہیں اسلامی اصولِ زندگی کارفرما نظر آتے وہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ وہ کیپٹلزم، اشتراکیت اور فاشزم کا اسی انداز سے جائزہ لیتے تھے۔ انہوں نے ان سیاسی و معاشی تحاریک اور نظامہائے فکر کا تنقیدی جائزہ لے کر اسلامی معاشی نظام کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا اور زندگی بھر افرادِ ملت اور ملتِ اسلامیہ کی بہتری کے لیے کام کرتے رہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تمام نظریات کو ردّ و قبول سے قبل کلامِ الٰہی پر پرکھنے کے قائل تھے۔ جو نظریات و تعلیمات میزانِ کتاب پر درست ثابت ہوتے، انہیں وہ تسلیم کر لیتے تھے اور جو حق کے اس معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے، انہیں رد کر دیتے تھے۔ اس اصول کو وہ یوں بیان کرتے ہیں ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف (۱۲)
(بالِ جبریل)

تا دو تیغِ لَا و اِلاَّ داشتیم — مَا سِوَا اللّٰہ را نشاں نگذاشتیم (۱۳)
(پس چہ باید کرد)

جب تک ہمارے ہاتھ میں یہ دو تلواریں ہوں گی ('لَا' یعنی تمام باطل قوتوں اور طاغوتی طاقتوں سے اعلانِ برأت اور 'اِلَّا اللّٰہ' یعنی اللہ تعالیٰ واحد و قہار کی طاقت، سطوت اور قوت پر ایمانِ راسخ) تو مَاسِوَا اللّٰہ ہر طاقت زیر ہو جائے گی۔ (۱۴)

متذکرہ بالا اصول کے پیش نظر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے ہر ایسے سیاسی نظام کو جس کی بنیاد لادینی ہو، ناپسندیدگی سے دیکھا ہے اور اہلِ اسلام کو اُن کی فریب کاریوں سے آگاہ کر کے انہیں دین کی پناہ میں آنے کی تلقین کی ہے۔

اقبال کیپٹلزم یا سرمایہ دارانہ نظام کو قیصری، پرویزی، سلطانی، سرمایہ داری یا فرعونی حکمت قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام ایک استحصالی نظام ہے۔ اس نے نت نئے طریقوں سے مزدور کا خون چوسا ہے۔ امیر، امیر تر ہوتا جا رہا ہے اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات (۱۵)

سرمایہ دار حیلہ گر اپنے مکر و فریب سے مزدور کا استحصال کرتا ہے۔ مزدور طبقہ فریب خوردہ ہے۔ وہ سرمایہ دار کو اپنی ضرورت سمجھتا ہے حالانکہ وہ خود سرمایہ دار کی ضرورت ہے ؎

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات (۱۶)

اس ضمن میں 'پیامِ مشرق' کے حصہ 'نقشِ فرنگ' کی چند منظومات ہمیں بطور خاص متوجہ کرتی ہیں۔

پہلی نظم 'محاورہ مابین حکیم فرانسوی اگسٹس کومٹ و مردِ مزدور' ہے۔ اس میں فرانسیسی فلسفی بندۂ مزدور کو نظامِ عالم کی مثال دیتے ہُوئے کہتا ہے کہ جس طرح دماغ کا کام سوچنا اور پاؤں کا کام گھسنا ہے۔ اس طرح سماجی نظام میں کوئی کام بتانے والا ہے تو کوئی کام کرنے والا۔ مزدور اس فلسفے کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ راضی برضا رہنے کی تعلیم کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ کوہکن (مزدور) کے مقابلہ پر پرویز (سرمایہ دار) کو رد کر دیتا ہے۔ وہ سرمایہ دار کو زمین کا بوجھ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے کھانے اور سونے یعنی دوسروں کی محنت سے مزا اڑانے کے سوا کوئی کام نہیں ؎

بدوشِ زمیں، بار، سرمایہ دار ندارد گزشت از خور و خواب کار (۱۷)

☆... سرمایہ دار زمین کے کندھوں پر بوجھ ہے۔ اسے سونے اور کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔

ایک اور نظم عنوان ''موسیو لینن اور قیصر ولیم'' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اقتدار کی ہوس اپنی غارت گری صورت بدل کر بھی جاری رکھتی ہے۔ کیپٹلزم، اشتراکیت، فاشزم، ملوکیت، پاپائیت اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ (۱۸)

تیسری نظم ''قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور'' میں سرمایہ دار مزدور کے ساتھ اسبابِ زندگی اور مال و دولت کی تقسیم کا ایک پر فریب، غاصبانہ اور مکارانہ معیار قائم کرتا ہے۔ سرمایہ دار مزدور سے کہتا ہے کہ لوہے کے کارخانوں کا شور و غل میرے لیے رہنے دو اور کلیسا کا دلکش نغمہ اپنے لیے وقف رکھو تا کہ تمہاری روح تسکین پائے۔ کھیتوں کا حاصل اور لگان میں لوں گا اور باغِ بہشت، سدرہ اور طوبیٰ تمہارے لیے ہے۔ انگور کی شراب میں پیوں گا اور تمہارے لیے شرابِ طہور بہتر رہے گی۔ یہ مرغابیاں، کبوتر اور بٹیر میرے لیے ہیں اور عنقا و ہما تمہارے لیے۔ زمین اور زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میرے پاس رہنے دو اور زمین سے اوپر آسمان تک سب کچھ تم لے لو۔ یہ مختصر سی نظم سرمایہ دار کے ظلم، مکر و فریب، چالاکی اور ریاکاری کی نہایت عمدہ مثال ہے۔

غوغائے کارخانۂ آہن گری ز من گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو
نخلے کہ شہ خراج برو می نہد ز من باغِ بہشت و سدرہ و طوبیٰ ازانِ تو
تلخابۂ کہ دردِ سر آرد ازانِ من صہبائے پاکِ آدم و حوّا ازانِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من ظلِّ ہماؤ شہپرِ عنقا ازانِ تو
ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من و ز خاک تا بہ عرشِ معلّا ازانِ تو (۱۹)

☆... لوہے کے کارخانے کا شور شرابہ میرا ہے۔ کلیسا کے باجے کی دلکش دھن تیرے لیے ہے۔

☆... جس درخت پر بادشاہ خراج وصول کرتا ہے وہ میرا ہے۔ جنت کا باغ، مقام سدرۃ المنتہیٰ اور طوبیٰ تیرا ہے۔

☆... وہ تلخ شراب جس سے دردِ سر لاحق ہوتا ہے، میرے لیے ہے۔ آدم و حوا کی پاکیزہ شراب تیرے لیے ہے۔

☆... مرغابی اور تیتر اور کبوتر میرے لیے ہیں اور ہما کا سایہ اور عنقا کا پر تیرے لیے ہے۔

☆... یہ زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے میرے لیے ہے اور زمین سے عرشِ معلیٰ تک سب کچھ تیرا ہے۔

چوتھے نظم 'نوائے مزدور' ہے۔ اس میں مزدور سیاست اور مذہب کے نام پر ہونے والے استحصال کا ذکر کرتا اور خودداری اور آزادی کی زندگی گزارنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے۔

ایک اور نظم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ مزدور کی حمایت کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ سرمایہ دار مزدور کی حق تلفی کرتا ہے، اُسے مکمل اُجرت ادا نہیں کرتا، اس کی بیٹی کی عصمت بھی لوٹ لیتا ہے۔ دولت مند کے آگے مزدور بے بس اور لاچار ہوتا ہے۔ وہ زندگی کی ہر خوشی اور آسائش سے محروم رہتا ہے اور اس سے ہمدردی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ وہ سرمایہ داروں کے لیے تو عظیم الشان محل تعمیر کرتا ہے لیکن خود بے سروسامان گلیوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد آبروے دخترِ مزدور برد
در حضورش بندہ می نالد چو نے برلبِ او نالہ ہائے پے بہ پے
نے بجامش بادہ و نے در سبوست کاخہا تعمیر کردہ خود بکوست (۲۰)

☆... سرمایہ دار مزدور سے روٹی بھی چھین کر کھا جاتا ہے۔ مزدور کی بیٹی کی آبرو بھی پامال کر دیتا ہے۔

☆... اس کے حضور مزدور بانسری کی طرح فریاد کرتا ہے۔ اس کے لبوں پر مسلسل فریاد رہتی ہے۔

☆... نہ تو اس کے جام میں اور نہ ہی صراحی میں شراب ہے۔ وہ دوسروں کے لیے محلات تعمیر کرتا اور خود ذلت کی زندگی بسر کرتا ہے۔

انسانی معیشت کے دو ہی بڑے میدان ہیں، زراعت اور صنعت وتجارت ان دونوں میں ہوسِ زر، خودغرضی اور کوتاہ نظری کے باعث انسان نے انسان کا خون چوسا ہے اور بنی آدم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔

کارخانے کا ہے مالک مَردکِ ناکردہ کار عیش کا پتلا ہے، محنت ہے اُسے ناسازگار
حکمِ حق ہے لَیْسَ الْاِنْسَانَ اِلاَّ مَا سَعٰی کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار (۲۱)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بنیادی اصول اور نظریہ پیش کیا کہ صنعت وتجارت کے میدان کی اکثر ناانصافیوں کا علاج اس اصول کے برتنے سے ہوسکتا ہے کہ جس کی محنت، اس کا پھل اور زرعی معیشت کا سدّ باب یوں ممکن ہے کہ جاگیرداروں کے مالکانہ حقوق کا الارض اللہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت ہونے والے جبر واستبداد اور استحصال کے شدید مخالف تھے۔ وہ اپنی نظم ''لینن، خدا کے حضور میں'' لکھتے ہیں ؎

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟ دنیا ہے تیری منتظرِ روزِ مکافات (۲۲)

اشتراکیت پر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید:۔

کمیونزم (اشتراکیت) کا بانی کارل مارکس ہے۔ اس نے انگلستان میں قیام کر کے کارخانہ داری، زمینداری اور سرمایہ داری کے خلاف ایک مبسوط کتاب لکھی اور انہیں ڈاکے اور چوری کی قسمیں قرار دیا۔ کارل مارکس کے نظریات سے بہت سے لوگ متاثر ہُوئے اور انہوں نے پہلے تمام ادیان اور فلسفوں کو منسوخ کر کے انہیں اپنا لیا۔ (۲۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سرمایہ دارانہ نظام (کیپٹلزم) اور اشتراکیت (سوشلزم، کمیونزم، فاشزم) کا بغور تنقیدی مطالعہ کیا اور واضح انداز سے ان کے مضمرات کی نشاندہی کی۔ اس کے ساتھ ہی اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے روحِ اسلام مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی نظام معیشت کی ضرورت اور اہمیت واضح کی۔ (۲۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کارل مارکس کے ملوکیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کے خلاف اعلانِ جنگ، اس کے درس مساوات اور محنت

کشوں سے اس کی ہمدردی کو پسند کیا مگر مارکس کی لادینیت، انتشاریت اور اس کی کرخت مادہ پرستی سے اختلاف کیا۔ انہوں نے اس وجہ سے بھی مارکس کو اہمیت دی کہ اس نے مغربی تہذیب کا طلسم توڑنے میں موثر حصہ لیا مگر بدقسمتی سے وہ لا سے الا تک نہ پہنچ سکا۔ (۲۵)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشتراکیت کے مثبت پہلوؤں کو سراہا اور منفی پہلوؤں کی تردید کی۔ سطحی سوچ رکھنے والے کچھ افراد نے انہیں اشتراکی قرار دینا شروع کر دیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ ان سے بالشویک خیالات منسوب کئے گئے ہیں تو انہوں نے مدیرِ 'زمیندار' کے نام، ایک جامع خط لکھ کر اس الزام کی تردید کی۔ ان کا خط ۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو 'زمیندار' میں شائع ہُوا۔ یہ اہم دستاویز ان تمام حضرات کے موقف کو رد کرتی ہے جو 'خضرِ راہ' یا 'پیامِ مشرق' کے حوالے سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو کسی سطح پر بھی، اشتراکی قرار دیتے ہیں۔ یہ خط عام طور پر دستیاب ہے۔ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا کہ

۱۔ بالشویک خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔

۲۔ مغربی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط وتفریط کا نتیجہ ہیں۔

۳۔ قرآن نے اعتدال کی راہ دکھائی اور اقتصادی مسائل کا بہترین حل پیش کیا ہے۔

۴۔ بالشویک سرمائے کی قوت کو معاشی نظام سے خارج کرتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ اسلام سرمائے کی قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا، تاہم اسے مناسب حدود کے اندر رکھتا ہے تاکہ مساوات قائم ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے قرآنِ حکیم نے قانونِ میراث، حرمتِ ربا اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے۔ (بعد میں اقبال نے 'قل العفو' کی طرف بھی توجہ دلائی۔)

۵۔ اشتراکیوں کا اقتصادی نصب العین درست مگر طریقِ کار غلط ہے۔ اس نظام کے نقائص، تجربے سے معلوم کر کے، روسی قوم بالآخر اشتراکیت سے دست بردار ہو جائے گی۔ (۲۶)

کارل مارکس نے اپنی کتاب ''سرمایہ'' میں اشتراکیت کو ایک جامع نظامِ حیات اور فلسفۂ زندگی کے طور پر پیش کیا تھا۔ لینن نے اس فلسفہ کو روس میں زندہ حقیقت بنا دیا۔ اقبال نے ان دونوں اشتراکی رہنماؤں میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ ''پیامِ مشرق'' اور بعض دوسری کتابوں میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لینن پر مختصر اظہارِ خیال کیا۔ ''بالِ جبریل'' کی طویل نظم بہ عنوان ''لینن، خدا کے حضور میں'' اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے لینن کے بارے میں واضح افکار پر مبنی ہے۔ اس نظم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کارل مارکس کے فلسفے کے شارح، کمیونزم کے بانی اور پہلی کمیونسٹ مملکت کے پہلے صدر کو خدا تعالیٰ کے حضور لا کھڑا کیا ہے۔ اس پوری نظم میں لینن بڑی دل سوزی کے ساتھ سرمایہ پرستی کے استبداد کی تفصیلات عرض کرتا ہے۔ (۲۷)

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی — مغرب کے خداوند درخشندہ فِلِّزات
یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائیِ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں — گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت — پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس — کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت — احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات (۲۸)

اس کے بعد لینن بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتا ہے کہ

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟ — دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات (۲۹)

اس کے بعد اقبال 'فرشتوں کا گیت' میں مختلف استحصالی قوتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں:

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ میر و پیر — تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست — بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی
دانش و دین و علم و فن بندگیٔ ہوس تمام — عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی (۳۰)

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ''فرمانِ خدا (فرشتوں سے)'' رقم کرتے ہیں۔ اس نظم میں استحصالی قوتوں کے خلاف شدید اور پرزور جدوجہد اور نفرت کا اظہار ہے اور اعلانِ جنگ ہے۔

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو — کاخِ اُمرا کے درودیوار ہِلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے — کُنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — جو نقشِ کُہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی — اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے — پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے — بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سِلوں سے — میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیبِ نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے — آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو (۳۱)

اشتراکی تفکر کے 'لا' کی منزل سے آگے بڑھ کر ''الاالـلّٰـــہ'' تک پہنچنے سے گریز نے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو باور کرا دیا تھا کہ بالآخر یہ تحریک مغربی استعمار کے مقابل ایک موثر و متحارب قوت کے طور پر ٹھہر نہ پائے گی۔ (۳۶)

'ضربِ کلیم' کی نظم 'لا و الاّ' میں اقبال رحمۃ اللہ اسی نقطے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا الاّ — پیامِ موت ہے جب لا ہوا الاّ سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی — یقیں جانو ہوا لب ریز اس ملت کا پیمانہ! (۳۲)

اسی تناظر میں اقبال کو یقین ہو گیا تھا کہ حتمی معرکہ مغربی استعمار اور اسلام کے درمیان ہوگا۔ ارمغان حجاز (اردو) کی نظم 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' میں انہوں نے اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے کہ 'ابلیسی نظام' کے لیے اصل خطرہ اشتراکیت نہیں بلکہ اسلام ہے۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد — یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشُفتہ ہُو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے (۳۳)

ابلیس آئین پیغمبرؐ سے اپنے خدشات کا اظہار کرتا ہے اور اس کی چار نمایاں خوبیاں بیان کرتا ہے:

۱۔ ہر طرح کی غلامی کا خاتمہ
۲۔ ہمہ گیر مساوات
۳۔ دولت کی منصفانہ تقسیم اور سود کی ممانعت
۴۔ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

ان خوبیوں کے بیان کے بعد ابلیس اپنے مشیروں کو اس امت کو خوابیدہ اور غافل رکھنے کے قریباً ۷ طریقے بتاتا ہے۔ وہ اپنے مشیروں کو فرمان جاری کرتا ہے کہ:

ہے یہی بہتر الٰہیّات میں الجھا رہے — یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے — پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے (۳۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اشتراکیت سے ملوکیت اور سرمایہ دارانہ استبداد کا خاتمہ تو ہو جائے گا مگر اشتراکیت کے حامی

افراد ملحد اور لادین ہیں۔ وہ کسی ضابطۂ اخلاق کے پابند نہیں۔ اس لیے اشتراکیت کو افراط وتفریط سے کون بچائے گا اور اسے استبداد میں تبدیل ہونے سے کون بچا سکے گا۔ وہ اشتراکی انقلاب کو فرسودہ طریقوں سے زمانے کی بیزاری سے تعبیر کرتے تھے۔(۴۰) اگرچہ انہوں نے اشتراکیت کے کلیساؤں کے لات ومنات توڑنے والے کردار کو سراہا(۴۱) لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو قرآن میں غوطہ زن ہونے ہو کر مسائل کا حقیقی حل تلاش کرنے اور دامنِ دین سے وابستہ رہنے کی دعوت دی ۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار (۳۵)

اقبال مجموعی طور پر اشتراکیت وملوکیت دونوں سے بیزار تھے۔ 'جاوید نامہ' کی نظم 'اشتراکیت وملوکیت' میں دونوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب ہر دو یزداں ناشناس، آدم فریب
زندگی ایں را خروج آں را خراج درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج!
غرق دیدم ہر دو را در آب و گل ہر دو را تن روشن و تاریک دل (۳۶)

☆... دونوں نظاموں (اشتراکیت اور ملوکیت) میں روح صبر اور اطمینان نہیں پاتی۔ دونوں نظام خدا ناآشنا اور انسانوں کو فریب دینے والے ہیں۔

☆... زندگی اِس (اشتراکیت) کے لیے خروج (بغاوت) اور اُس (ملوکیت) کے لیے خراج ہے۔ ان دو پتھروں کے درمیان آدمی شیشہ ہے۔

☆... میں ان دونوں کو آب وگل (مادیت) میں غرق دیکھتا ہوں۔ ان دونوں کے جسم روشن جبکہ دل تاریک ہیں۔

سیاسیاست افرنگ کے پورے نظام کو ابلیسی قرار دیتے ہُوئے، کہتے ہیں:

تری حریف ہے یا رب سیاستِ افرنگ مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس (۳۷)
(سیاست افرنگ)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اشتراکیت کی خوبیاں، خرابیاں دونوں بیان کی۔ انہوں نے اشتراکیت کی جن خرابیوں اور اس سے درپیش جن آمدہ خطرات کی نشاندہی کی تھی وہ عین درست نکلے۔

۱۔ مزدور کے ہاتھ میں زمامِ کار آ گئی تو دین سے بے گانگی کی وجہ سے اس نے بھی روس میں وہی پرویزی حیلے سیکھ لیے، جن سے اقبال خائف تھے۔

۲۔ آزادیٔ اظہار پر پابندیاں، سیاسی جوڑ توڑ، بین الاقوامی پیمانے پر سازشیں، مخالفوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا اور حکومت کا ایک محدود طبقے میں سمٹ آنا، ان سب خرابیوں کی بدولت یہ تحریک زوال پذیر ہوگئی۔

فرنگی تہذیب اور اس کے کیپٹلزم سسٹم نے عصر حاضر پر چار لعنتیں مسلط کی تھیں:

۱۔ بے رحم سرمایہ داری
۲۔ سامراجیت اور استعماریت
۳۔ نسلی تعصّبات
۴۔ لادینیت (سیکولرازم)، جس کے نتیجہ میں سیاست کو اخلاق ومذہب سے بے تعلق کر دیا گیا۔

اشتراکیت نے پہلی تین خرابیوں سے تو بچ گئی مگر لادینیت کا شکار رہی۔ جس کا نتیجہ لامحالہ تباہی تھا۔ اس لیے تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۳۸)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیپٹلزم اور اشراکیت، دونوں کو ناکام قرار دیا ؎

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب ہر دو یزداں ناشناس، آدم فریب (۳۹)

☆ ... دونوں نظاموں (اشتراکیت اور ملوکیت) میں روح صبر اور اطمینان نہیں پاتی۔ دونوں نظام خدا ناآشنا اور انسانوں کو فریب دینے والے ہیں۔

اشتراکیت ایک مادی قوت تھی کوئی بھی مادی قوت اس کا زور توڑ سکتی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ فسطائیت نے اشتراکیت کا بڑی سرگرمی سے مقابلہ کیا۔

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ آلِ سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب (۴۰)

فاشزم پر اقبال کی تنقید:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرد اور قوم دونوں کی اصلاح اور باہمی ربط وضبط کے قائل تھے۔ انہوں نے فرد کی اصلاح کے لیے 'خودی' اور قوم کی اصلاح کے لیے 'اجتماعی خودی' کے تصورات پیش کئے۔ جب اٹلی میں مسولینی نے قوم میں بیداری کی ایک نئی رُوح پھونکنے کی کوشش کی تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسولینی کو اس جدوجہد پر مبارک باد دی اور خود اس سے ملنے اٹلی گئے۔ انہوں نے مسولینی کی تعریف میں ایک نظم 'مسولینی' لکھی جو 'بالِ جبریل' میں شامل ہے۔ وہ اس نظم میں کہتے ہیں:

ندرتِ فکر وعمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب ندرتِ فکر وعمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی ندرتِ فکر وعمل سے سنگِ خارہ لعلِ ناب!
رومۃ الکبریٰ! دِگر گُوں ہو گیا تیرا ضمیر اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب
چشمِ پیرانِ کہن میں زندگانی کا فروغ نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
یہ محبت کی حرارت! یہ تمنا! یہ نمود! فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا معمور ہے زخمہ ور کا منتظر تھا تیری فطرت کا رباب
فیض یہ کس کی نظر کا ہے؟ کرامت کس کی ہے؟ وہ کہ ہے جس کی نگہ مثلِ شعاعِ آفتاب (۴۱)

(مسولینی از بالِ جبریل)

کچھ عرصہ بعد جب مسولینی نے حبشہ پر ناجائز حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا بہت صدمہ ہُوا۔ وہ 'مسولینی' کے نام سے ایک اور نظم لکھ کر اس کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور اسے اس صف میں کھڑا کرتے ہیں جس میں یورپ کے دوسرے سامراجی رہنما موجود ہیں۔ وہ اس کی غارت گری، آدم کشی اور سامراجیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

مسولینی

(اپنے مشرقی اور مغربی حریفوں سے)

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جُرم؟ بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج
میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو بُرا لگتا ہے کیوں ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھاج!
میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج؟
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے، نہ راج
آلِ سیزر چوبِ نَے کی آبیاری میں رہے اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج
تم نے لُوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام تم نے لوٹی کشتِ دہقاں! تم نے لوٹے تخت وتاج

پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کُشی کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج (۴۲)
(مسولینی ازضرب کلیم)

جب اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ مسولینی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اس میں مجھے تناقض نظر آتا ہے تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا اگر اس بندۂ خدا میں Devil اور Saint دونوں خصوصیات جمع ہوں تو اس کا میں کیا علاج کروں؟ (۴۳)

فاشزم درحقیقت سرمایہ داری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس کا مقصد جمہور کی فلاح نہیں بلکہ جمہور کا استحصال ہے۔ فاشزم اور تشدد لازم وملزوم ہے۔ فاشزم میں عوام کو وطن، رنگ یا نسل کے نام پر ورغلا کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے۔ سوشلزم کی طرح فاشزم نے بھی پیداوار کے ذرائع پر قبضہ کیا مگر اس کا مقصد مناسب اور موزوں تقسیم نہیں، ایک خاص طبقہ کے نفع کے لیے تقسیم ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ان میں سے کسی اصول سے ہمدردی نہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کسی 'ازم' کے قائل نہ تھے۔ وہ صرف اور صرف اسلام ہی کو بنی نوع انسان کے لیے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات سمجھتے تھے۔ (۴۴)

نظمِ ریاست کے لیے.....اقبال کا تصورِ ریاست:۔

جیسا کہ تمام تصریحات سے واضح ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ملوکیت، جمہوریت، اشتراکیت، فسطائیت غرض کسی بھی غیر اسلامی، لادینی نظامِ حکومت پر مطمئن نہ تھے۔ ان کے نزدیک نظام ریاست کی بنیاد مذہب اور اخلاق پر قائم ہونی چاہیے۔ وہ صرف اسی نظامِ سلطنت کو پسند کرتے ہیں جس میں روح ومادہ کی وحدت قائم رہے اور اس قسم کا نظام ریاست اسلام نے قائم کیا ہے۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری!
اس میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری (۴۵)

یہی وہ نظامِ ریاست ہے جس میں ایک شخص بادشاہ ہو کر بھی فقیر رہ سکتا ہے:

تو اے بادِ بیاباں از عرب خیز ز نیلِ مصریانِ موجے برانگیز
بگو فاروق(۴۶) را پیغامِ فاروقؓ کہ خود در فقر و سلطانی بیامیز (۴۷)
خلافتِ فقر باتاج و سریر است زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جواں بختا! مدہ از دست ایں فقر کہ بے او پادشاہی زُود میر است! (۴۸)

☆... اے بادِ صحرا! عرب سے اُٹھ۔ مصریوں کے دریائے نیل میں ایک موج پیدا کر۔
☆... پھر فاروق (شاہِ مصر) کو فاروقِ اعظمؓ کا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ فقر وسلطانی دونوں کو اپنائے۔
☆... فقر ہی خلافت کا تاج اور تختِ شاہی ہے۔ یہ کیا خوب دولت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔
☆... اے خوش قسمت انسان! اس فقر کو ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ اس کے بغیر بادشاہی جلد ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وہ فقیر ہے جو ملوکیت کا شیرازہ درہم برہم کر سکتا ہے:

در افتد باملوکیت کلیمے فقیرے بے کلاہے، بے گلیمے
گہے باشد کہ بازی ہائے تقدیر بگیرد کارِ صرصر از نسیمے (۴۹)

☆... کبھی کوئی کلیم ملوکیت سے ٹکراتا ہے۔ وہ ایسا فقیر ہوتا ہے جس نے گدڑی نہیں پہنی ہوتی۔
☆... تقدیر کے کھیل ہیں کہ کبھی کبھی، صبح کی خوشبودار ہوا سے گرم ہوا (آندھی وطوفان) کا کام لے لیتی ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک 'فلاحی اسلامی ریاست' کے قیام کے حامی ہیں۔ وہ توحید اور رسالت کو نظمِ ریاست کی اساس قرار دیتے ہیں۔ وہ 'اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل' میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہُوئے بیان کرتے ہیں:

"Islam as a polity is only a practical means of making this principal (Tauhid) a living factor in the intellectual and emotional life of mankind. It demands loyality to God not thrones. And since God is the ultimate spiritual basis of all life, loyalty to God virtually amounts to man's loyalty to his own ideal nature".(50)

''اسلام بحیثیت ایک نظامِ سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے۔اس کا مطالبۂ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ کہ تخت وتاج کے لیے اور چونکہ ذاتِ باری تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے اس لیے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت (اعلیٰ صفات) کی اطاعت کیشی اختیار کرتا ہے۔''(۵۱)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مملکتی اقتدار کا ماخذ ذاتِ باری تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی جماعت چاہے وہ کسی خاص نقطۂ نظر کے متعلق کتنی ہی اکثریت کیوں نہ رکھتی ہو۔

وہ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت کی بنا پر ایسی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے خواہاں ہیں جس میں انفرادی و اجتماعی سطح پر مساوات، اخوت اور حریت کے اصول عملی طور پر نافذ العمل ہوں، جہاں تمام افراد عشقِ نبویؐ کے جذبہ سے سرشار ہوں، اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنا فرض اولین سمجھتے ہوں اور کسی بھی سطح پر کسی بھی قسم کا استحصال نہ ہو۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تمام کلام، تصانیف، تقاریر، مضامین میں اسی اعلیٰ فکر کی تعلیم دی گئی ہے۔مثنوی ''پس چہ باید کرد'' میں 'اسرارِ شریعت' کے زیرِ عنوان اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔'جاوید نامہ' میں 'حکومتِ الٰہی، خلافتِ آدم، اور 'حکمتِ کلیمی' کے عنوان سے جو حصے درج ہیں ان کا موضوع بھی اسلامی نظامِ زندگی (اسلامی اشتراکیت، اسلامی نظامِ معیشت) ہے۔مثنوی 'اسرار خودی' اور مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں 'خودی' اور 'اجتماعی خودی' کے تصورات کے حوالے سے فرد اور معاشرہ و ریاست کی تربیت اور استحکام کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔

اقبال کا تصورِ فنونِ لطیفہ

فن:۔

فن کے لیے انگریزی زبان میں لفظ Art استعمال ہوتا ہے جو لاطینی زبان کے لفظ Arts سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہنر یا خصوصی مہارت کے ہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق آرٹ کا مفہوم یہ ہے:

Art n. 1. a. human creative skill or its application.
b. work exhibiting this.
2. a. (in pl, prec. by the) the various branches of creative activity concerned with the production of imaginative designs, sounds or ideas, e.g. painting, music, writing. considered collectively.
b. any of these branches.
3. creative activity, esp. painting and drawing resulting in visual representation. (1)

فن (اسم) ۱۔ (ا) انسان کی کوئی تخلیقی مہارت یا اس کا استعمال
(ب) فنی شہ پارہ
۲۔ (ا) 'the arts' کا لفظ تخلیقی سرگرمیوں کی مختلف شاخوں پر مشتمل علوم جن کا تعلق تصوراتی نمونوں، آوازوں یا تصورات سے ہے۔ مثلاً مصوری، موسیقی، خطاطی، مجموعی طور پر (اس سے مراد فنونِ لطیفہ ہیں)
(ب) ان شاخوں میں سے کوئی ایک
۳۔ تخلیقی سرگرمی، خصوصاً مصوری اور ڈرائنگ کے ماڈل، سانچے، مجسمے، وغیرہ۔

انگریزی لغت کے مطابق، لفظ آرٹ کسی تخلیقی مہارت (ہنر) یا اس کے استعمال کے لیے مستعمل ہے۔ اس سے مراد کوئی فنی شہ پارہ بھی لیا جاتا ہے۔ کسی ہنر یا فن کے مظہر ماڈل، نمونے، مجسمے یا سانچے وغیرہ بھی آرٹ کہلاتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ مثلاً مصوری، موسیقی، خطاطی وغیرہ کے لیے 'the arts' کی ترکیب استعمال ہوتی ہے۔

فن کا حُسن سے گہرا تعلق ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ حُسن کا تعلق نہ تو یکسر خارجیت سے ہے اور نہ یکسر ہماری داخلیت سے، بلکہ ان دونوں کے ربطِ باہمی سے ہے۔ یعنی خارجی اشیاء کے مشاہدے سے انسان کے باطن یا روح میں ایک طرح کی حرکت یا تموّج پیدا ہوتا ہے۔ یہ تموّج اگر روح کی تشنگی کو بجھا کر، اس کے لیے لطف و نشاط کا پیغام بن گیا تو حُسن کہلاتا ہے۔ (۲)

فن، حُسن ہے، حُسن کا مظہر ہے، حُسن کا خالق اور حُسن آفرین ہے۔

''فن دراصل وہ ہنر یا صنعت ہے جس کی مدد سے حُسن کی تخلیق کی جائے یا تخیلات کا خلاقانہ اظہار کیا جائے۔'' (۳)

حسن کے خارجی و باطنی مشاہدے کے تصور کی رُو سے ادب کا جائزہ لیں تو کہہ سکتے ہیں کہ بعض کے نزدیک شعر کا حُسن، اس کے پیکر، الفاظ اور قوافی و ردیف یعنی ہیئت میں ہوتا ہے۔ بعض کے مطابق یہ حُسن ہیئت میں نہیں بلکہ اس خیال یا مواد میں ہوتا ہے جو شاعر کا ذہن اس ہیئت کو عطا کرتا ہے۔ ان دونوں کے برعکس بعض کے خیال میں شعر کا حُسن نہ تو لفظ میں ہوتا ہے نہ معنی میں بلکہ ہیئت و مواد کی ہم آہنگی و یک رنگی حسنِ شعر کی تخلیق کرتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ شعر میں صوری و معنوی حُسن پایا جائے تو حُسن کا تصور مکمل ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف کمالِ حُسن کا تقاضا ہے بلکہ کمالِ فن کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ صوری و معنوی حُسن کا مظہر ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن سے پیار کرتا ہے۔ (۴)

اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرض ..... اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔(۵)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز میں ایک خاص ترتیب، ترکیب، توازن اور تناسب قائم کیا ہے۔ ترتیب، تناسب اور توازن سے حسن جلوہ افروز ہوتا ہے۔ ترتیب اور تناسب، حسن کا ہی دوسرا نام ہے۔ ہر ایک ایٹم، سیل، خرد بینی جاندار، نباتات، حیوانات، انسانوں، سورج، چاند، ستاروں، آسمانوں، غرضیکہ ہر جگہ، ہر چیز کے ظاہر اور باطن میں، ہر ایک چیز کی بناوٹ میں ایک خاص ترتیب اور تناسب یعنی حسن نظر آتا ہے۔ اس لیے حسن اور ہنر کا آفاقی، فطرتی مسلمہ اصول یہی ہے کہ فن یا ادب کی ہر وہ شکل جو صوری و معنوی حُسن سے آراستہ ہو، خوبصورت اور مکمل تخلیق قرار پائے گی ۔

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے — یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل (۶)
سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر — گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات — نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ (۷)
سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات — ہو نہ روشن، تو سخن مرگِ دوام اے ساقی (۸)

فنونِ لطیفہ:۔

فنون کی دو بنیادی اقسام ہیں: فنونِ لطیفہ اور فنونِ غیر لطیفہ۔ 'فن' کی جمع 'فنون' ہے۔ وہ فنون (مہارتیں، ہنر) جو انسان کے لیے روحانی فرحت و مسرت کا ذریعہ بنتے ہیں یا اس کی مادی ضروریات پوری کرتے ہیں 'فنون' کہلاتے ہیں۔ ان سے انسان کے جمالیاتی ذوق اور ہنرمندی کا اظہار ہوتا ہے۔ فنونِ لطیفہ میں شاعری، موسیقی، مصوری، بت تراشی، رقص اور فنِ تعمیر شامل ہیں۔ انہیں میں خطابت، خطاطی ڈراما نگاری اور ادب کا شمار بھی ہوسکتا ہے۔ فنون لطیفہ سے انسان روحانی مسرت حاصل کرتا ہے۔

لوہار، نجار، کوزہ گر اور بافندے وغیرہ کا کام فنونِ غیر لطیفہ یا فنونِ مفیدہ میں شمار ہوتا ہے۔

فنونِ لطیفہ سے انسان کو روحانی فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ذہنی ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے اور جمالیاتی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ فنونِ غیر لطیفہ سے انسان کی جسمانی اور مادی ترقی کا سراغ ملتا ہے، اس کی ہنرمندی کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی مادی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

فنونِ لطیفہ کی بھی دو اقسام ہیں: ایک 'عینی' یعنی آنکھ سے متعلقہ اور دوسرے 'سماعی' یعنی 'کان' سے متعلقہ۔ فنِ تعمیر، بت تراشی اور مصوری 'عینی فنونِ لطیفہ' ہیں۔ شاعری اور موسیقی 'سماعی فنونِ لطیفہ' ہیں۔(۹)

ادب یا لٹریچر:۔

ادب کے لیے انگریزی زبان میں لفظ لٹریچر استعمال ہوتا ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں لٹریچر کی یہ تعریف درج ہے:

literature (*n.*) written works, esp. those whose value lies in beauty of language or in emotional effect. (10)

ادب (اسم) تحریریں، خصوصاً وہ تحریریں جن کی قدر و قیمت زبان کی خوبصورتی یا جذباتی تاثر کی شکل میں پائی جاتی ہے۔

فنی مہارت سے ادب یا لٹریچر میں خوبصورتی اور تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے فن و ادب کا گہرا تعلق ہے۔ ایک اچھا فنکار ہی اچھا ادب تخلیق کرسکتا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ فن وادب.....تصورات، رجحانات:۔

اقبال 'ادب برائے ادب' نہیں بلکہ 'ادب برائے زندگی' کے قائل تھے۔ وہ فنون و ادب میں افادیت اور مقصدیت کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ایسے فنون و ادب جو فکر و عمل پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں، اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جبری روک تھام کے قائل تھے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فن برائے انفرادی و اجتماعی زندگی کے قائل تھے۔ انفرادی زندگی میں بہتری اور اصلاح کے لیے وہ انفرادی خودی

اور اجتماعی اصلاح وترقی کے لیے اجتماعی کا استحکام چاہتے تھے۔انہوں نے زندگی بھر فرد اور معاشرے کی اصلاح اور ہمہ جہت ترقی کے لیے 'خودی' اور 'بے خودی' کی تعلیم دی۔ان کی تمام تحریروں (نظم ونثر) میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فکر وفن اور ادب کے بارے میں بھی عین واضح نقطۂ نظر رکھتے تھے۔انہوں نے 'جناب رسالتمآب ؐ کا ادبی تبصرہ' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا تھا۔جو 'ستارۂ صبح' لاہور میں ۱۹۱۷ء کو شائع ہُوا تھا۔یہ مضمون سید عبدالواحد کے مرتبہ 'مقالاتِ اقبال' کے صفحہ نمبر ۲۲۹ تا صفحہ نمبر ۲۳۲ پر اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب 'زندہ رُود' کے صفحات نمبر ۲۴۱ تا ۲۴۲ پر موجود ہے۔(۱۱)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

''.....امراءالقیس نے اسلام سے چالیس سال پہلے کا زمانہ پایا ہے روایت ہمیں بتاتی ہے کہ جناب پیغمبر ﷺ نے اُس کی نسبت ایک موقع پر حسب ذیل رائے ظاہر فرمائی ''اشعر الشعراء وقائدہم الی النار'' یعنی وہ شاعروں کا سرتاج تو ہے ہی لیکن جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے.....''(۱۲)

امراءالقیس اپنی شاعری میں شراب ارغوانی کے دور، عشق وحُسن کی ہوشربا داستانوں اور جاں گداز جذبوں، آندھیوں سے اُڑی ہوئی پرانی بستیوں کے کھنڈروں کے مرثیوں، سنسان ریتلے ویرانوں کے دل ہلا دینے والے منظروں کی تصویر کشی کرتا تھا۔اس کی شاعری غفلت، مایوسی، بے حیائی اور خوف پیدا کرتی تھی۔ یہ حیات بخش نہیں تھی بلکہ حیات کُش تھی۔اس لیے جناب پیغمبر ﷺ نے اسے جہنمی شعراء کا سپہ سالار قرار دیا۔

اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حیات بخش شاعری کے خالق، ایک عربی شاعر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک دفعہ قبیلہ بنوعبس کے مشہور شاعر عنترہ کا یہ شعر حضرت رسول اللہ ﷺ کو سنایا گیا ؎

و لقد ابیت علی الطّوی و اظلہ حتی انال بہ کریم المآکل

میں نے بہت سی راتیں محنت ومشقت میں بسر کی ہیں تا کہ میں اکل حلال کے قابل ہوسکوں۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ جن کی بعثت کا مقصد وحید یہ تھا کہ انسانی زندگی کو شاندار بنائیں اور اسی کی آزمائشوں اور سختیوں کو خوش آئند اور مطبوع کر کے دکھائیں اس شعر کو سُن کر بے انتہا محظوظ ہوئے اور اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوقِ ملاقات نہیں پیدا کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے نگارندہ کے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔''(۱۴)

اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ عنترہ کا شعر حیات بخش تھا۔اس میں رزقِ حلال کمانے کے لیے محنت کا درس تھا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے شعر اور شاعر کو پسند فرمایا۔اس کے بعد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کلام یوں تحریر فرمایا:

''.....ہر شے کی قدر وقیمت کا معیار یہی ہونا چاہیے کہ اس میں حیات بخشی کی قابلیت کس قدر ہے۔تمام وہ باتیں جن کی وجہ سے ہم جاگتے جاگتے اونگھنے لگیں اور جو جیتی جاگتی حقیقتیں ہمارے گردوپیش موجود ہیں (کہ انہی پر غلبہ پانے کا نام زندگی ہے) ان کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ لیں، انحطاط اور موت کا پیغام ہے۔صنعت گر کو چغتا بیگم کے حلقۂ عشاق میں داخل نہ ہونا چاہیے۔مصورِ فطرت کو ایسی رنگ آرائیوں کا اعجاز دکھانے کے لیے افیون کی چسکی سے احتراز واجب ہے.....''(۱۵)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہے کہ وہ ادب اور فنونِ لطیفہ کی مختلف اور متنوع صورتوں کے بارے میں ایک ہی رائے رکھتے تھے وہ یہ کہ حیات بخش ادب اور فنونِ لطیفہ دینی، دنیوی اور آخروی نقطۂ نگاہ سے عین جائز ہیں جبکہ حیات کش ادب اور فنونِ لطیفہ کسی لحاظ سے بھی منافع بخش اور قابلِ تحسین نہیں ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل اس ضمن میں لکھتی ہیں:

''اقبال نے شاعریٔ حیات کے گُن گائے اور زوال آموز شعراء کے زہر آگین کلام کے خطرات سے لوگوں کو بخوبی آگاہ کیا ہے۔ان کے نزدیک ہر فن کو چاہیے کہ انسانی خودی اور لوگوں کی ملّی اور دینی زندگی کو تقویت دے۔اس لیے انہوں نے فنونِ لطیفہ غلاماں (موسیقی، مصوری اور فنِ تعمیر وغیرہ) کی بڑے تلخ انداز میں مذمت کی ہے۔ان کے نزدیک جمالیاتی ذوق کی خاطر ان فنون کی طرف توجہ دینا ایک طرح کی

بت پرستی تھی۔''(۱۶)

ڈاکٹر جاوید اقبال ادب اور فنونِ لطیفہ کے بارے میں فکرِ اقبال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال آرٹ کو حیاتِ انسانی کے تابع قرار دیتے ہیں۔ اس لیے شاعری کی قدر و قیمت کا معیار یہی ہونا چاہیے کہ اس میں حیات بخشی کی صلاحیت کتنی ہے۔ ایسی شاعری جو اس صلاحیت سے محروم ہو اقبال کے نزدیک حیات کش ہے۔''(۱۷)

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس کی عظمت آشکار کرنے کے لیے اور مقام اعلیٰ تک رسائی میں مدد دینے کے لیے تمام انبیائے کرام، پیغمبر اور رُسل مبعوث فرمائے۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پیغامِ حیات کی تکمیل کے لیے تشریف لائے اور ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کر کے کامیاب زندگی گزارنے کی تعلیم فرمائی۔ زندگی کا اصل مقصد ذاتِ باری تعالیٰ کی منشا اور رضا کے مطابق تمام معاملاتِ حیات سرانجام دے کر قرب و رضائے باری تعالیٰ حاصل کرنا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تمام نظریات، تصورات، معاملات اور امور کو قرآن حکیم کے مقرر کردہ میزان پر پرکھ کر ان کے غلط یا درست ہونے کی نشاندہی فرمائی۔ انہوں نے جن امور، معاملات، نظریات اور تصورات کو قدرت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق حیات بخش پایا ان کی تصدیق کی اور جن کو حیات کش پایا ان کی مخالفت اور تردید کی۔ انہیں جہاں کہیں بھی اور کسی بھی شکل میں کوئی حیات بخش فن یا فنکار نظر آیا اسے بہت پسند کیا۔ انہیں گوئٹے کا ڈراما 'فاؤسٹ' بہت پسند تھا کیونکہ اس میں انسان کے اعلیٰ ترین نصب العین کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''گوئٹے نے ایک معمولی قصے کو لیا اور اس میں صرف انیسویں صدی ہی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کے تمام تجربات سمو دیے۔ ایک معمولی قصے کو انسان کے اعلیٰ ترین نصب العین کے ایک منظم و مربوط اظہار میں ڈھال دینا، الہامی کارنامے سے کم نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے بے ہنگم ہیولیٰ سے ایک حسین کائنات تخلیق کر دی جائے۔''(۱۸)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حقیقت پسند انسان تھے۔ انہیں ذوقِ عمل، جستجو، حریت، شجاعت، بلند عزم اور حوصلہ پیدا کرنے والے آرٹ و لٹریچر کے شہ پارے پسند تھے۔ وہ عربی شاعری کا ایک نمونہ پیش کر کے اس کے حیات بخش پہلو کی تعریف کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

''میرے چچا کا بیٹا ایک چٹان کے سرے پر چلا جا رہا ہے۔ کیا میں پیچھے سے جا کر اُسے سنگلاخ وادی میں دھکیل دوں کہ اس کی زندگی کے افق پر پھر نئی سحر طلوع نہ ہو؟ اس کے رویے کے پیش نظر میرا یہ عمل بالکل روا ہوگا۔ لیکن ایسا کرنا کمینہ پن، شیوۂ مردانگی کے خلاف ہے۔''(۱۹)

مندرجہ بالا تحریر کے نیچے علامہ اقبال لکھتے ہیں:

''یہ ٹکڑا عربی شاعری کا ایک نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ دنیا کی کوئی شاعری، اتنی سادہ، دوٹوک اور مردانہ جذبات سے اتنی لبریز نہیں ہے۔ عرب شاعر حقیقت سے نہایت گہرا رابطہ رکھتا ہے۔ رنگینیٔ کلام کی آب و تاب سے وہ بے نیاز ہے.....''(۲۰)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحقیق کے مطابق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بامقصد فن یا آرٹ کے قائل تھے۔ بامقصد سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کا اعلیٰ نصب العین حاصل کرنے میں معاون و مددگار ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کا سوز و ساز قوت کا مظہر، خودی کا محافظ اور زندگی کا نقیب ہو۔ ادب برائے ادب کے نظریہ کے لیے اقبال کے تصورِ فن میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ فنونِ لطیفہ کو تفننِ طبع یا محض دل بہلانے کا مشغلہ نہیں بلکہ زندگی کی تعمیر، تطہیر اور تزئین کا نہایت ہی موثر اور معتبر وسیلہ سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں شاعری انسان کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں بلکہ ایک ایسا آلہ ہے جو کارزارِ حیات میں علم و حکمت سے زیادہ کارگر ہے۔(۲۱)

قاضی عبدالرحمٰن ہاشمی، 'شعریاتِ اقبال' میں ادب و فن کے بارے میں فکرِ اقبال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال جن کے افکار و وجدان کا سرچشمہ اسلامی تعلیمات اور دینی بصیرتیں رہی ہیں وہ جہاں زندگی کے ہر شعبے، سیاست، معیشت اور دوسرے علائق دنیوی کو دینی زاویۂ نظر سے دیکھتے ہیں ادب و فن کو بھی اس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فن کی عظمت اس کی خوابناک اور طلسماتی کیفیات میں نہیں بلکہ اس کی فعالیت میں مضمر ہے جس کے وسیلے سے وہ انسانی حیات میں حرکت و حرارت اور بیداری کے عناصر شامل کرنے کا اہل ہوتا ہے۔(۲۲)

ہر آرٹ کا حقیقی مقصد انسانی زندگی کو زرخیز اور خوبصورت بنانا ہے وہ آرٹ جو خودی کو مستحکم کرے وہ صحت بخش اور توانا اور خودی کو

کمزور کرنے والا آرٹ غیر صحت منداور ناپسندیدہ ہے۔ اگر آرٹ زندگی کو بھرپور، رنگین اور مرصع نہیں بناتا اور کارزارِ حیات میں انسان کو درپیش مختلف مسئلوں پر قابو پانے میں انسانیت کی رہنمائی نہیں کرتا تو وہ آرٹ بے معنی ہے۔

ایک آرٹسٹ اپنے ماحول پر بالادستی حاصل کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا ہے اور یہ جہدِ مسلسل اسے اس کی زندگی کی داخلی قوتوں کو بے نقاب کر کے آرٹ تخلیق کرنے کے قابل بنا دیتی ہے۔ یہ جدوجہد یا اضطراب کی کیفیت فرد کی شخصیت یا خودی کی نشوونما میں مدد دیتی ہے اور ہر قسم کے آرٹ کا حقیقی نصب العین بھی یہی ہونا چاہیے۔(۲۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء میں فن کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

''شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمعِ نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں۔ اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے اور یہ بات موجودہ حالات میں میرے لیے ممکن نہیں۔''(۲۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ اقبال ادب برائے ادب کے نہیں بلکہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ وہ اپنی شاعری کو ''مفید خیالات'' کے ابلاغ کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اسے اپنا شعری نصب العین قرار دیا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تمام افکار وخیالات قرآن حکیم سے اخذ کئے، قرآن حکیم کی ہی روشنی میں اخذ وقبول کئے اور انہیں امت محمدیہ کے سامنے پیش کیا۔ اس عزم کا اظہار اسرارِ خودی میں اس طرح سے کیا گیا ہے:

گر دلم آئینہ بے جوہر است — در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
اے فروغتِ صبحِ اعصار و دہور — چشم تو بینندۂ مَا فِی الصُّدُوْر
خشک گرداں بادہ در انگورِ من — زہر زیر اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا (۲۵)

ترجمہ:

۱۔ اگر میرے دل کا آئینہ جوہر کے بغیر ہے۔ اگر میرے اشعار میں قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے۔
۲۔ آپؐ کا نور اعصار ودہور (عصر ودہر کی جمع) کی صبح ہے۔ آپؐ کی آنکھ پر دلوں کی بات روشن ہے۔
۳۔ (اگر میں قرآنِ پاک کے علاوہ کچھ اور کہہ رہا ہوں) میرے انگور کے اندر جو شراب ہے اسے خشک کر دیجئے۔ میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے۔
۴۔ مجھے قیامت کے روز خوار ورسوا کیجئے یعنی اپنے بوسۂ پا سے محروم رکھئے۔(۲۶)

مندرجہ بالا اشعار میں علامہ اقبال نے حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کے حضور التجا پیش کی ہے کہ میں جو کچھ امتِ محمدیہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں وہ قرآن ہی کی روشنی میں نذر کر رہا ہوں۔ اگر میں انہیں کوئی ایسی تعلیم دوں جو قرآن سے متصادم ہو تو پھر میں ایک ایسا مجرم ہوں جسے قیامت کے روز بڑی سے بڑی سزا دینی چاہیے۔ اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ ایسے مجرم کو آپ ﷺ کے بوسۂ پا کی سعادت سے محروم رکھا جائے۔(۲۷)

حیاتِ اقبال اس امرِ حقیقت کا مظہر ہے کہ انہوں نے زندگی بھر یہ وعدہ نبھایا۔ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس وابستگی نے ان کو ہر لحاظ سے ممتاز ومنفرد بنا دیا۔ سید ابوالحسن ندوی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اس انفرادیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''.....ان کی شاعری نری حکمت وفلسفہ کی شاعری تھی، ان کے پیشِ نظر اسلام کی دعوت اور قرآن کا پیغام تھا۔ جس طرح ہوا کے جھونکے پھولوں کی خوشبو پھیلاتے ہیں اور جس طرح زمانے میں برقی لہروں سے پیغام پہنچانے کا کام لیا جاتا ہے اس طرح اقبال بھی اپنے اس پیغام

کو شعر کی زبان میں کہتے تھے تا کہ ان کے پیغام کے لیے شعر برقی لہروں کا کام دے۔''(۲۸)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فکر وفن پر اعتراضات بھی ہوئے۔مگر یہ اعتراضات بے بنیاد تھے اس لیے صدا بصحرا ثابت ہوئے۔

رفیق خاور نے 'اقبال کا فارسی کلام ایک مطالعہ' میں 'تصورِ فن' کے عنوان سے ان کے فکر وفن پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فن کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔کچھ اس لیے کہ علامہ نے فن کو دین سے اس طرح وابستہ کر دیا ہے کہ اہلِ ایمان اس سے انکار بمنزلہ کفر خیال کرتے ہیں۔اس لیے کوئی شخص اس محاذ پر کھل کر گفتگو نہیں کر سکتا۔دوسرے دورِ جدید نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں جن میں ہر بات مقصدیت اور افادیت کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے.....''(۲۹)

''.....علامہ کے الفاظ میں علم وفن پیش خیزانِ حیات ہیں اور جو بات زندگی کے لیے مفید ہے وہی فن ہے۔یہ محض ادعا ہے جو ہزار ہا سالہ مشاہدات اور مظاہرِ فن کے منافی ہے.....''(۳۰)

آخر پر 'رفیق خاور' حاصل کلام کے طور پر لکھتے ہیں:

''ان حقائق کے پیشِ نظر فن کو افادیت کے دائرہ میں محدود کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ہمیں لامحالہ اس میں وسعت پیدا کرنی ہوگی۔جو یوں بھی اندازِ نظر اور نظامِ حیات میں وسعت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے۔بے شک علامہ کے پیغام میں دلچسپی ہونی چاہیے لیکن فن میں بھی اتنی ہی دلچسپی لازم ہے کیوں کہ اس کی بدولت ان کا نورِ بصیرت عام ہوا اور وہ نفوذ واثر پیدا کیا جو اس کی کامیابی کا باعث ہُوا۔فن برائے زندگی بھی اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے جب شرائطِ فن پر پورا اُترے ورنہ محض تجرید اس کی کامیابی کی ضامن نہیں ہوسکتی۔''(۳۱)

رفیق خاور کی آراء پر مشتمل مندرجہ بالا اقتباسات کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ 'فن برائے زندگی' کے تصور سے کلی اتفاق نہیں رکھتے۔انہوں نے فن کی مقصدیت وافادیت اور بامقصد افکار کی پابندی کو بے جا قرار دیا ہے۔ساتھ ہی انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ کلامِ اقبال فنی تقاضے پورے نہیں کرتا۔اس لیے اس کی کامیابی کی ضمانت نہیں دی سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا فکر وفن پرکھنے والوں کا روایتی معیار درست نہیں تھا۔بڑی شاعر کا یہ وصف ہے کہ وہ اپنا قالب خود تیار کرتی ہے۔شعر کے پس منظر میں نظریۂ شعر کارفرما ہوتا ہے۔نظریۂ شعر اور معنی وفکر کے اعتبار سے اقبال کی زندگی بخش اور قوت خیز شاعری، دور تنزل کی شاعری سے جوہری طور پر مختلف ہے۔اقبال نے نئی تراکیب، نئے محاورے، نئی تلمیحات، نئے استعارات، نئی علامات اور نئی اصطلاحات وضع اور استعمال کی۔قدامت پسند اور روایت پسند اہلِ فن نے شروع میں تو اس سے اختلاف کیا مگر بعد میں اس کے حامی وہمنوا ہوگئے اور وہ اقبال کی تخلیقی زبان اور شعری عظمت ورفعت کے نئے نئے راز دریافت کرنے لگے۔(۳۲)

مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر احمد ندیم قاسمی اپنے مضمون 'اقبال کا نظریۂ شعر' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فکر وفن کی عظمت، ضرورت، افادیت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....ان کا یہ نظریۂ شعر زندگی اور اس کے حسن، انسان اور اس کی توانائیوں، کائنات اور اس کی پہنائیوں اور انسانی فکر کی رسائیوں کا نظریہ ہے، اور یہی وہ نظریہ ہے جس سے منفعیت، بے معنویت اور لادینیت کے ان نظریوں کو شکست دی جاسکتی ہے۔جنہوں نے آج کے جدید انسان کو اپنی گرفت میں لینے اور اس سے اس کا انفرادی شرف چھیننے کی کوشش شروع کر رکھی ہے۔''(۳۳)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ منفرد، مخصوص نظریۂ فکر وفن اور ادب کے علمبردار تھے۔قرآنِ حکیم اور نبی کریم ﷺ کے فیض یافتہ تھے۔جب ان کے فکر وفن اور ادب پر بے جا اعتراضات ہوئے تو انہوں نے شانِ بے نیازی سے، ببانگِ دہل اعلان کیا ؎

نہ بینی خیر اَزاں مردِ فرو دَست — کہ برمن تہمتِ شعر و سخن بست
بکوے دلبراں کارے ندارَم — دلِ زارے غمِ یارے ندارَم
نہ خاکِ من غبارِ رہگذارے ! — نہ در خاکم دلِ بے اختیارے
بہ جبریل امیں ھَم داستانم — رقیب و قاصد و درباں ندانم
مرا بافقر سامانِ کلیم است — فرِ شاہنشہی زیرِ گلیم است
دمے در خویشتن خلوت گزیدم — جہانے لازوالے آفریدم

''مرا زیں شاعری خود عار ناید که در صد قرن یک عطار ناید'' (۳۴)

ترجمہ:

۱۔ اس پست ہمت شخص سے بھلائی کی کوئی امید نہیں، جس نے مجھ پر شعر وسخن کی تہمت رکھی۔

۲۔ دلبروں کے کوچہ سے مجھے کوئی کام نہیں، نہ میرے بدن میں دلِ بے اختیار ہے۔

۳۔ نہ میری خاک غبارِ راہ ہے، نہ میرے بدن میں دلِ بے اختیار ہے۔

۴۔ میں تو جبریلِ امینؑ کا ہم داستاں ہوں، میرا کوئی رقیب، قاصد یا دربان نہیں۔(اللہ تعالیٰ سے براہِ راست فیضیاب ہوں)

۵۔ میرا فقر سامانِ کلیم رکھتا ہے، میری گڈری کے نیچے شوکتِ شہنشاہی (پوشیدہ) ہے۔(۳۵)

۶۔ میں نے ایک لمحہ اپنے اندر خلوت گزین ہو کر جہانِ لازوال پیدا کیا ہے۔

۷۔ مجھے اپنی اس (بامقصد) شاعری سے شرم نہیں آتی کہ خواجہ فریدالدین عطار جیسا عارف شاعر صدیوں بعد ہی پیدا ہوتا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں حق کا علمبردار ہوں۔ میں اپنے فکر وفن اور ادب کے ذریعے معارف وحقائق منکشف کرتا ہوں۔ میں کوچۂ فکر وفن وادب میں منفرد اہمیت اور مقام رکھتا ہوں۔ میں حق سے فیضیاب یافتہ اور حق کا پیامبر ہوں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ترجمانِ قرآن ہیں۔ان کے فکر وعمل کا میزان اور کسوٹی قرآن حکیم ہے۔انہوں نے فلسفہ حیات، فلسفہ فکر و فن وادب قرآن حکیم اور حیاتِ نبوی ﷺ سے اخذ کئے ہیں۔ان کے فلسفہ حیات کی روح توازن ہے۔انہوں نے فکر وفن اور ادب میں کارفرما اپنا نظم وترتیب اور تناسب وتوازن کا فلسفہ بھی قرآن حکیم ہی سے اخذ کیا ہے۔ڈاکٹر سید شوکت سبزواری اپنے مضمون 'اقبال: آفاقی شاعر' میں لکھتے ہیں:

''......اقبال نے ہر شے کو خاص جگہ دے کر اور حدود وقیود میں محصور رکھ کر اپنے پیش کردہ نظامِ حیات میں توازن قائم کیا ہے۔(مثلاً ان کے نزدیک) وطن دوستی اپنی جگہ مستحسن جذبہ ہے (مگر یہ) اس صورت میں قابلِ قدر ہے جب اپنی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھ کر بالاتر اور برتر جذبہ ملت پرستی سے نہ ٹکرائے۔(اس طرح کا) ٹکراؤ کائنات کے ہم آہنگ صدرنگ نظام کی روح کے منافی ہے۔......'' (۳۶)

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آئینِ تناسب وتوازن کا ذکر ہے۔قرآن کریم سوجھ بوجھ رکھنے والے ہر شخص کو یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ کائنات کے توازن وتناسب پر غور کرے تاکہ وہ خود اپنی زندگی کو بھی اس سانچے میں ڈھال سکے۔توازن وتناسب فقط جسمانی ڈھانچے ہی کے لیے ضروری نہیں، یہ تخیل وفکر کے لیے بھی ضروری ہے اور افعال واعمال کے لیے بھی۔

توازن کا احساس علامہ اقبال کے افکار واشعار کا ایک اہم پہلو ہے۔ چنانچہ وہ ہر نظامِ فکر اور فلسفے کی اچھی چیزوں پر بھی نگاہ رکھتے تھے اور بری چیزوں پر بھی۔ مثلاً وہ جمہوریت کی اچھی باتوں کے قائل ہیں۔ جب وہ استعماری روپ دھارتی ہے یا دوصد مغزِ خر کے شمار ہی کو معیارِ دانش قرار دے لیتی ہے تو وہ اسے معاف نہیں کرتے۔ یہ توازن وتناسب ان کے فلسفے، فکر وفن اور ادب میں نظر آتا ہے۔ان کے اکثر اشعار نظم وترتیب اور تناسب وتوازن کا خوبصورت نمونہ پیش کرتے ہیں۔(۳۷)

پروفیسر محمد منور اپنے مضمون ''توازن: اقبال کی شاعری کا ایک پہلو'' میں لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے فکر وفن، ادب، دیگر تصورات و نظریات اور عملی زندگی میں نظر آنے والا یہ توازن بے سبب نہ تھا۔اس کی بنیاد قرآن حکیم کے بیان کردہ تناسب وتوازن اور ترتیب کے فطرتی وآفاقی اصول پر تھی۔ بہت سی آیات اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں۔ذیل میں چند آیات کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍO (الملک ۶۷ آیت ۳)

''جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، خدائے رحمٰن کی تخلیق (کائنات) میں تم کو کہیں بھی رخنہ نظر نہ آئے گا۔ پھر سے نظر دوڑالو، کیا کہیں کوئی کوتاہی دکھائی دی؟'' (۳۸)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍO (القمر ۵۴ آیت ۴۹)

''بالتحقیق ہم نے ہر شے کو ایک قدر ومعیار کے مطابق پیدا کیا ہے۔'' (۳۹)

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ O أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ O (الرحمٰن ۵۵ آیات ۷تا۸)

''اس (خدا) نے آسمان کو اونچا اٹھایا ہے اور میزان مقرر کر دی ہے تا کہ تم میزان کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہ کرو۔'' (۴۰)

اصولِ توازن واعتدال کی طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نظریہ فکر وفن وادب بھی قرآن وحدیث سے اخذ کیا۔ انہوں نے تخلیق ادب کے مراحل میں اس نظریے کو پیش رکھا اور دوسروں کو بھی اس نظریے کی روشنی میں ادب تخلیق کرنے کی دعوت دی۔ اس ضمن میں احادیث کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ الشعرا کی آیت نمبر ۲۴ کا ترجمہ بھی ملاحظہ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ O أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ O وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ O إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ O (الشعرا:۲۶ آیات ۲۲۴ تا ۲۲۷)

''رہے شاعر، تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔ اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہیں۔'' (۴۱)

مندرجہ بالا آیت مقدسہ میں ایسی شاعری کی مذمت کی گئی ہے جو جھوٹ، لاف زنی، خوشامد، غرور وتکبر اور دیگر فضول باتوں اور افکار پر مبنی ہو۔ ایسے شاعر اور ان کے پیروکار، سب گمراہ ہیں۔

ان شعرا کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو مومن ہوں، عملی زندگی میں صالح ہوں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں، فکر وعمل میں توازن واعتدال کی راہ اختیار کریں، ذاتی، نسلی وقومی عصبیتوں کا شکار نہ ہو، حق پرست ہوں اور دوسروں کو بھی حق بات کی تلقین کریں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا امور پیش نظر رکھ کر زندگی بھر فکر وفن وادب کے ارتقائی مراحل طے کئے۔ خود بھی حیات بخش ادب تخلیق کیا اور دیگر اہلِ قلم اور اہلِ علم کو ایسا ہی ادب تخلیق کرنے کی تلقین کی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہُوا ہے زمانہ حال میں عجمیت سے اجتناب لازمی ہے.....'' (۴۲)

ایک مکتوب میں پروفیسر اکبر منیر کی رہنمائی کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

''خیالات کے لیے طبیعت پر زور دینا چاہیے۔ مطالب جلیلہ کی مشرقی نظم کو بہت ضرورت ہے۔ حکیم سنائی اور مولانا روم کو زیر نظر رکھنا چاہیے اس قسم کے لوگ اقوام وملل کی زندگی کے اصل راز ہیں.....'' (۴۳)

پروفیسر اکبر منیر نے اپنے ایک مکتوب میں علامہ کو چند اشعار لکھ کر بھیجے۔ ان اشعار کے نفسِ مضمون اور شرانگیزی کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نے جوابی مکتوب میں تحریر فرمایا:

''.....اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں، نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص ''مسلمانے نمی بینم'' نے تو مجھے رلا دیا۔ دنیا کے دل میں انقلاب ہے۔ اس واسطے قلوب انسانی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی عظمت کا زمانہ ان شاء اللہ قریب آ رہا ہے۔'' (۴۴)

کیپٹن منور حسن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

''.....آج کل وہ زمانہ ہے کہ مسلمان کو اپنی کوئی قوت اپنے نفس کی خاطر صرف نہ کرنی چاہیے.....خدا کا کلام تو ایک طرف اپنا کلام بھی اپنے نفس کی خاطر صرف نہیں کرنا چاہیے.....''

''میرا مقصود شاعری سے شاعری نہیں بلکہ یہ ہے کہ اوروں کے دلوں میں بھی وہی خیالات موجزن ہو جائیں جو میرے دل میں ہیں اور بس۔'' (۴۵)

علامہ گرامی کا ایک شعر اقبال کو صرف اس وجہ سے بہت پسند آیا کہ اس میں حقائق اسلامی کا نہایت عمدگی سے انکشاف کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ علامہ گرامی کو لکھتے ہیں:

''مخدومی! السلام علیکم! والا نامہ ابھی ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ شعر مندرجہ عنوان نے بے چین کر دیا۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ 'اللہ اکبر' پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو کیا مجھے یقین ہے، فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔'' (۴۶)

ایسا فن جس سے خودی مستحکم نہ ہو، اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسے بیکار سمجھتے تھے۔ وہ ایسے فن اور فنکار کی بھرپور انداز سے مذمت کرتے تھے۔ مثلاً ایک جگہ پر وہ فرماتے ہیں ؎

نہ خودی ہے، نہ جہانِ سحر و شام کے دور — زندگی کی حریفانہ کشاکش سے نجات
تو ہے میّت، یہ ہنر تیرے جنازے کا امام — نظر آئی جسے مرقد کے شبستاں میں حیات (۴۷)

مخلوقاتِ ہنر

قوم ایک جسم کی مانند ہے، افراد اس کے اعضا ہیں۔ ان اعضا میں شاعر کی حیثیت قوم کے دیدۂ بینا کی ہے۔ وہ اپنے اعلیٰ فکر و فن سے، اپنی بصیرت اور فہم و فراست سے افراد اور معاشرہ کی کمزوریوں اور خامیوں سے آگاہ ہوتا ہے اور اپنے فن و ادب سے ان کی اصلاح کرتا ہے ؎

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم — منزلِ صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظم حکومت چہرۂ زیبائے قوم — شاعرِ رنگین نوا ہے دیدۂ بینائے قوم (۴۸)

ملی درد رکھنے والا شاعر آنکھ کی مانند پورے جسم (قوم) کا دکھ درد محسوس کرتا ہے اور بے چین ہو جاتا ہے ؎

مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ — کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ (۴۹)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر ہنر و ادب سے خودی کی تعمیر اور حفاظت نہ ہو تو بے کار ہیں ؎

گر ہنر میں نہیں تعمیرِ خودی کا جوہر — وائے صورت گری و شاعری و نائے و سرود
مکتب و میکدہ جز درس نبودن ندہند — بودن آموز کہ ھم باشی و ھم خواہی بود (۵۰)

'وجود'

☆... مکتب و مے خانے میں محض فنا کا درس دیا جاتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ بقا کی تعلیم حاصل کرے تاکہ دنیا اور آخرت میں بھی زندہ رہ سکے۔

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر — گُہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
ضمیرِ بندۂ خاکی سے ہے نمود ان کی — بلند تر ہے ستاروں سے اُن کا کاشانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات — نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ (۵۱)

'دین و ہنر'

ڈاکٹر سید عبداللہ 'مسائلِ اقبال' میں لکھتے ہیں:

''اقبال کا تصورِ شعر (یا تصورِ فن) ان کے نظریۂ خودی کے تابع ہے اور ان کا نظریۂ خودی مسلمانوں کی اجتماعی قومی اور تہذیبی خود شناسی اور احیاء کا ایک پیغام، ایک دستور العمل ہے۔'' (۵۲)

اس لیے ایسا ہی فن و ادب مستحسن ہے جس سے خودی مستحکم ہو ؎

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود — کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے — اس آبجو سے کئے بحرِ بیکراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے — جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں — ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا
ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے — عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہم عناں پیدا (۵۳)

'تخلیق'

فن وادب سے عشق، صداقت، حریت اور جلال و جمال کا اظہار:۔

چونکہ خودی عشق، صداقت اور آزادی (حریت) سے مستحکم ہوتی ہے۔ان کے بغیر نہ تو خودی مستحکم ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کا اظہار ہوسکتا ہے۔اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا ہی فن وادب قابلِ تحسین ہے جو دلوں کو گرمائے، صداقت پر مبنی ہو، راست گوئی کی تعلیم دے، آزادی کے ماحول میں تخلیق ہو اور آزادئ رائے پر مبنی ہو۔ایسا فن وادب جس سے سوزِ دل حاصل نہ ہو، حق گوئی و بے باکی اور آزادئ افکار کا درس اور تعلیم نہ ملے، بالکل بیکار ہے۔

فن وادب اور عشق:۔

نظم 'مسجد قرطبہ' کو اردو شاعری کا تاج محل کہا جاتا ہے۔(۵۴) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سفر اندلس کے دوران مسجد قرطبہ کی زیارت کی تھی اور اس کی زیارت سے بہت متاثر ہوئے تھے۔وہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء کو محمد اکرم کے نام ایک مکتوب میں سفر ہسپانیہ کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

''میں اپنی سیاحت اندلس سے بے حد لذت گیر ہوا۔وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم 'مسجد قرطبہ' پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی۔الحمرا کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا۔لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایک ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب ہوئی تھی۔''(۵۵)

اقبال مسجد قرطبہ کی زیارت سے جذباتی طور پر اس قدر متاثر ہوئے کہ ہسپانیہ سے واپسی پر پیرس سے مدیر انقلاب کے نام ایک خط میں لکھا کہ مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھیں۔اقبال نے اس سفر کے دوران ہی جاوید اقبال کے نام دو تصویری کارڈ بھیجے جس پر مسجد قرطبہ کے دو عکس چھپے ہوئے تھے اس کے ساتھ ہی لکھا:

''میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لیے زندہ رہا۔یہ مسجد تمام دنیا کی مسجد سے بہتر ہے۔خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔''(۵۶)

مسجد قرطبہ کی تعمیر عبدالرحمٰن اول نے ۷۸۵ء میں شروع کرائی تھی اور اس کی توسیع دسویں صدی کے آخر تک جاری رہے۔الحکم ثانی کے زمانے میں توسیعی کام کے دوران ۹۶۱ء میں اس محراب کا اضافہ ہوا جو اس تصویر میں نظر آتا ہے جو مسجد قرطبہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی حالتِ نماز میں کھینچی گئی تھی۔(۵۷)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسجد کی زیارت کے دوران جو کچھ محسوس کیا اسے اپنے کمالِ فن سے ایک فنی شہ پارہ کی شکل دے دی۔انہوں نے اس نظم میں اپنا نظریۂ فن بیان کیا، اہل اسلام کو عظمتِ رفتہ کی یاد دلائی، فلسفۂ زماں اور فلسفۂ عشق بیان کیا اور حیاتِ جاودانی کے حصول کا درس دیا۔اس ضمن میں فکر اقبال میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''اقبال مسجد قوت الاسلام کو یا مسجد قرطبہ کو محض فن کی نظر سے نہیں دیکھ رہا بلکہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ یہ تعمیریں قوتِ حیات کے مظاہر ہیں اور اصل فن وہی جو زندگی کا مظہر ہو، زندگی کے انفعالی اور انقلابی یاس آفرین پہلوؤں کا نہیں، بلکہ اس کی فعال قوتوں کا، جو ارتقائی اور انقلابی ہیں۔مسجدِ قرطبہ نے اقبال کے دل میں جو تاثرات اور افکار پیدا کئے لازم تھا کہ ان کے اظہار کے لیے اقبال اپنا نظریۂ فن بھی اس ضمن میں بیان کر دے کیونکہ مسجد قرطبہ فنِ تعمیر کا ایک عظیم الشان نمونہ ہے۔فنِ لطیف کے متعلق حکما کے جو بلند پایہ نظریات ہیں ان میں سے ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ فن لطیف آنی کو جاودانی بنا دیتا ہے اور دریچۂ زمان سے جھانک کر انسان لازمانی حقائق سے روشناس ہوتا ہے۔''(۵۸)

ڈاکٹر عبدالمغنی 'اقبال کا نظامِ فن میں' 'مسجد قرطبہ' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ اس نظریہ میں عصر (زماں)، عشق، ایمان اور فن کا ایسا امتزاج ہے کہ عناصرِ ترکیبی میں سے کسی ایک کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم بے اختیار دوسرے کا احساس بھی کرتے ہیں۔(۵۹)

نظم کے دو حصے ہیں۔پہلے میں 'دعا' ہے جو پوری کی پوری مسجد قرطبہ میں لکھی گئی ہے۔دوسرے حصے میں 'مسجد قرطبہ' ہے جو شاعر کی وضاحت کے مطابق ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص 'مسجد قرطبہ' میں لکھی گئی ہے۔دعا کے آخری شعر میں اقبال فلسفہ وشعر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں''۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں روبرو (۶۰)

دعا کا پہلا شعر ہی نظم کے بنیادی عناصر عشق، ایمان اور فن کا اشاریہ ہے۔ فیضِ عشق سے فن ایک طرزِ عبادت بن جاتا ہے، اس لیے کہ جس ایمان سے عشق پیدا ہوا وہی فن بھی پیدا کرتا ہے۔ فن کے اس تصور کی نشاندہی 'دعا' کا آخری شعر بھی کرتا ہے۔ خواہ علمِ فلسفہ ہو یا فنِ شعر دونوں کی حقیقت جلوۂ محبوب کے لیے لبِ عاشق پر ایک حرفِ تمنائی ہے جو رخِ محبوب کے پسِ پردہ اور نگاہوں سے دور ہونے کے سبب شرمندۂ الفاظ ہوتا ہے۔ یہ شعر فلسفہ و شعر دونوں کی بڑی شاعرانہ تعریف ہے۔

نظم کا پہلا بند آٹھ (۸) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں شاعرانہ انداز سے وقت (زماں) کی فلسفیانہ تعبیر کی گئی ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ وقت ہر چیز کو پرکھتا ہے جو چیز کمزور ہو وقت کے ساتھ، ساتھ مٹ جاتی ہے۔ انسانی ہنر و فن کے تمام کمالات بھی بے ثبات اور عارضی ہوتے ہیں ؎

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر کارِ جہاں بے ثبات! کارِ جہاں بے ثبات (۶۱)

دوسرے بند میں بقا اور بقائے دوام کی صورت بیان کی گئی ہے۔ بیان ہوا ہے کہ عشق 'اصلِ حیات' ہے۔ عشق سے فروغ پانے والا عمل، ہنر، ادب لازوال اور ابدی بقا پاتا ہے۔ صرف اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام ہے جس کو کسی مردِ خدا کے جذبۂ عشق نے تمام کیا ہو۔ ایسے عمل کی نمایاں مثال مسجدِ قرطبہ ہے۔ علامہ لکھتے ہیں ؎

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام
تُند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو عشق خود اک سَیل ہے، سَیل کو لیتا ہے تھام
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام (۶۲)

پہلے بند میں زماں کا تصرف، دوسرے میں زماں و عشق کے تقابل میں، عشق کی بالادستی کا ذکر ہے۔ تیسرے بند میں زمان و عشق اور ایمان کے ربط سے معجزۂ ہنر و فن کی نمود کا ذکر کیا گیا ہے ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صَوت معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرۂ خونِ جگر، سِل کو بناتا ہے دل خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود (۶۳)

ایسے تمام معجزہ ہائے ہنر جن کی تہہ میں جذبۂ خلوص نہ ہو، فانی ہیں اور ایسے تمام فن پارے ابدی اہمیت کے حامل ہیں جن کی نمود خونِ جگر، خلوص اور سوزِ دِل کی مرہونِ منت ہے۔

چوتھے بند میں مسجد و مومن کو ایک دوسرے کے ساتھ مطلقاً ہم آہنگ کر دیا گیا ہے۔ اس میں جلال و جمال دونوں کا اظہار ہے۔ اقبال کے تصورِ فن کی رو سے جلال کے بغیر جمال فقط ایک کمزوری ہے جبکہ قوت جس کا صحیح استعمال ہو، اقبال کے نزدیک خود ایک قدرِ جمال ہے۔ اقبال لکھتے ہیں ؎

تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل
ساقیِ اربابِ ذوق، فارسِ میدانِ شوق بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل
مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لَآ اِلٰـــــــہ سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لَآ اِلٰـــــــہ (۶۴)

زندگی قوت و صلابت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے اقبال فن میں جمال و جمال کا توازن چاہتے ہیں اور نزاکت و صلابت کا اعتدالِ نہاں ہی مسجدِ قرطبہ میں نظر آتا ہے۔ نظم قرطبہ کی فکری و معنوی اور صوری و لفظی خوبصورتی اس امر حقیقی کا بین ثبوت ہے کہ نہ تو فنِ تعمیر میں مسجدِ قرطبہ کا جواب ہے نہ فنِ شاعری میں نظم کے مقررہ پیمانے پر 'مسجدِ قرطبہ' کا جواب ہے۔ (۶۵)

پانچویں بند میں بندۂ مومن کی صفات کا ذکر ہے اور اس کے پہلے دو اشعار میں ذکر ہے کہ بندۂ مومن کے ہنر و فن و ادب اور قول و فعل

وعمل میں اس کے اعلیٰ فکر اور ذوق وعشق، اعلیٰ قابلیت اور کارکردگی کا اظہار ہوتا ہے ؎

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقامِ بلند، اس کا خیالِ عظیم اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز (۶۶)

مسجد قرطبہ دینی سطوت اور اہلِ ہنر کی فنی عظمت کا لافانی شاہکار ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فنی شہ پارہ میں بھی یہ دینی سطوت اور فنی عظمت نظر آتی ہے۔ ایسا عظیم فن پارہ کائنات میں بے نظیر قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کے جلوے کا مرکز یا تو اس طرح تخلیق ہونے والے نمونۂ فن میں ہے یا اس قلبِ مسلماں میں ہے جو اس تخلیق کا عامل ہے۔ اس لحاظ سے مسجد قرطبہ اور نظم مسجد قرطبہ دونوں کا حسن بے مثال اور لازوال ہے۔ علامہ لکھتے ہیں ؎

کعبۂ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مبین تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہِ گردوں اگر حُسن میں تیری نظیر قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں (۶۷)

آخری دو بند میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخی انقلابات کا ذکر کیا ہے اور آنے والے انقلاب کی نشاندہی بھی کی ہے اور بتایا ہے اس انقلاب میں وہی ملت سرخرو ہوگی جو آنے والے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنا جائزہ لے کر اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لے گی۔ خونِ جگر (عشق وایمان اور جدوجہد وعمل) سے نشوونما پانے والے نقوش، اقوام اور ادبی شہ پارے ہی پائیدار ہوتے ہیں۔ ایسے نقوش لافانی ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمیں تخلیقِ فن وادب اور معاملاتِ زندگی میں اس اصولِ ہنر وفن وادب اور اصولِ انقلاب کو مدِّنظر رکھنا چاہیے ؎

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب!
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب
نقش ہیں سب ناتمام، خونِ جگر کے بغیر نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر (۶۸)

بندۂ مولا صفات نے 'کعبہ ارباب فن' یعنی مسجد قرطبہ کی تخلیق کی ہے اس لیے زمانے کا سیل اسے ابھی تک نہیں مٹا سکا۔ نظم 'مسجد قرطبہ' بھی بندۂ مولا صفات کی تخلیق ہے۔ یہ لافانی وابدی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ (۶۹)

علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ عشق وایمان اور صدق واخلاص (خونِ جگر) کے بغیر تمام نقش ناتمام اور ناپائیدار ہیں ؎

نغمہ می باید جنوں پروردۂ آتشے در خونِ دل حل کردۂ
نغمہ گر معنی ندارد مردہ ایست سوزِ او از آتش افسردہ ایست (۷۰)

☆... نغمہ جنون سے نمو یافتہ ہونا چاہیے جس سے خونِ دل میں آتشِ عشق شامل ہو جائے۔
☆... نغمہ اگر بامعنی نہ ہو تو یہ مردہ ہے۔ اُس کی حرارت بجھی ہوئی آگ کی حرارت جیسی ہے۔

فن وادب اور صداقت:۔

ایک اچھا فنکار یا ادیب حق کا پیامبر ہوتا ہے۔ وہ کھری بات کرتا ہے، صداقت کی تعلیم دیتا ہے اور حق گوئی وبے باکی کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اس کے کلام سے بھی ان اوصاف کا اظہار اور تاثر قائم ہوتا ہے ؎

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کھری ہوتی ہے اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری
شانِ خلیل ہوتی ہے اس کے کلام سے عیاں کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شعار آزری (۷۱)

'شاعر'

'شمع وشاعر' میں یہی بات یوں بیان ہوئی ہے:

در غمِ دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز گفتمت روشن حدیثے، گر توانی دار گوش
کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش (۷۲)

☆... دوسروں کے غم میں جل اور دوسروں کو بھی اسی آگ میں جلا۔ میں نے تجھے ایک بصیرت افروز بات بتادی ہے ہو سکے تو غور سے سن۔
☆... کہہ گئے ہیں کہ شاعری پیغمبری کا حصہ ہے۔ فرشتے کا یہ پیغام افرادِ ملت کو سنا دو۔

فن اور آزادی، حرّیتِ رائے:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فن کے حقیقی فروغ کے لیے آزادی کی ضرورت ہے کیونکہ عمرانی اور معاشی آزادی کے بغیر فن کی صحیح نشوونما ہو ہی نہیں سکتی۔ غلامی میں ذوقِ حسن باقی نہیں رہتا۔ غلامی فکری ہو یا سماجی و سیاسی اس میں فن اور فنکار نہیں پنپتے ؎

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی — جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر — کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا (۷۳)

فن اور جلال و جمال:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر فن پارے میں دلبری کے ساتھ قاہری کی صفت بھی دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ وہ فن میں جلال و جمال کے امتزاج کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کسی فن پارے میں دلبری و قاہری کا امتزاج نہ ہو تو وہ فن پارہ نامکمل ہے اور اگر اس میں جلال و جمال کی صفات کی جلوہ گری ہو تو وہ ابدیت سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دلبری بے قاہری کو جادوگری اور دلبری با قاہری کو پیغمبری قرار دیتے ہیں ؎

دلبری بے قاہری جادوگری است — دلبری با قاہری پیغمبری است
ہر دو را درکارہا آمیخت عشق — عالمے در عالمے انگیخت عشق (۷۴)
'بندگی نامہ'

۱۔ دلبری بغیر قاہری کے (محض) جادوگری ہے۔ دلبری قاہری کے ساتھ ہو تو پیغمبری ہے۔
۲۔ عشق اپنے کاموں میں ان دونوں کو ملا دیتا ہے۔ (اور اس طرح) اس جہان کے اندر ایک نیا جہان پیدا کرتا ہے۔

میرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی — ترے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک
مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی — کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک
نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر — نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ آگ — کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بے باک (۷۵)
'جلال و جمال'

اقبال اور فنونِ لطیفہ:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام تحریروں کے ذریعے انفرادی و اجتماعی خودی اور اس کی حفاظت و استحکام کا درس دیا۔ وہ خود بھی ان تعلیمات پر عمل کرتے رہے اور عملی سیاست میں حصہ لیا۔ انہوں نے فتنۂ قادیانیت، عجمی تصوف اور نظریۂ وطنیت کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ انہوں نے گالیاں سُنیں، کفر کے فتویٰ لگے، مخالفانہ پروپیگنڈا کا سامنا کیا اور ہر حال میں حتیٰ کہ بسترِ علالت پر بھی آخری سانس تک انفرادی و اجتماعی خودی کی حفاظت و استحکام کے لیے مصروف بہ عمل رہے۔

شاعری:۔

فنون میں سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ شاعری کو قابلِ توجہ سمجھا ہے اور اس کے اچھے اور برے پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ اقبال نے ایسی شاعری کی مذمت کی ہے جو حزن و یاس، افسردگی اور پژمردگی کا مرقع ہو اور قوم کے دل میں ولولہ اور جوش پیدا کرنے کے بجائے احساسِ مرگ پیدا کرتی ہو۔ مثلاً اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک چھوٹی سی نظم میں ہندوستان کے فنکاروں کے افسانوں اور دروغ

گوئی پر مبنی فنی شہ پاروں کے حوالے سے ان کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں ؎

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا — ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں — زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند — کرتے ہیں روح کو خوابیدہ، بدن کو بیدار (۷۶)

'ہنروورانِ ہند'

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسی شاعری کا کیا فائدہ جو فنی تقاضے تو پورے کرے مگر کاہلی و سستی، بے ہمتی، آرام طلبی، جاہ طلبی کے سے بے جا جذبات اور احساسات پیدا کرے اور قوتِ عمل مفقود کرے ؎

ہے شعرِ عجم گرچہ طرب ناک و دل آویز — اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں — بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے — جس سے متزلزل نہ ہوئی دولتِ پرویز (۷۷)

'شعرِ عجم'

اقبال ایسے فن وادب کے قائل ہیں جو 'ضربِ کلیمی' رکھتا ہو۔ ایسے فن وادب کا کیا فائدہ جو ضربِ کلیمی نہ رکھتا ہو ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ ہنر کیا
مقصودِ ہنر، سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا، وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں — جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا (۷۸)

'فنونِ لطیفہ'

پروفیسر ضیاء الدین احمد اپنی کتاب 'اقبال کا فن اور فلسفہ' میں مندرجہ بالا اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال (مندرجہ بالا) ان اشعار میں فن کی تشریح محض فن کی خاطر نہیں کرتا بلکہ وہ یہ اقدام زندگی کو زیادہ پر لطف اور بسیط بنانے کی خاطر کرتا ہے۔ وہ ''سوزِ حیاتِ ابدی'' کا داعی ہے جو فن کا اصل مقصد ہے۔ اس کو شاعر ''ضربِ کلیمی'' سے تعبیر کرتا ہے جو قوم وملت پر افسردگی طاری نہیں ہونے دیتا بلکہ وہ زندگی کو ایک ولولہ وعمل کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔''(۷۹)

'اسرارِ خودی' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ 'حقیقتِ شعر واصلاح ادبیاتِ اسلامیہ' کے عنوان کے تحت سچے شاعر کے بارے میں لکھتے ہیں:

سینۂ شاعر تجلّی زارِ حُسن — خیزد از سینائے او انوارِ حُسن
از نگاہش خوب گردد خوب تر — فطرت از افسونِ او محبوب تر
سوزِ او اندر دلِ پروانہ ہا — عشق را رنگیں ازو افسانہ ہا
بحر و بر پوشیدہ در آب و گِلش — صد جہانِ تازہ مضمر در دلش
فکرِ او با ماہ و انجم ہم نشیں — زشت را ناآشنا، خوب آفریں
خضر در ظلماتِ او آبِ حیات — زندہ تر از آبِ چشمش کائنات (۸۰)

۱۔ شاعر کا سینہ حسن کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کے طورِ سینا سے حسن کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔
۲۔ اس کی نگاہ سے خوب، خوب تر ہو جاتا ہے۔ فطرت اس کے سحر سے محبوب تر ہو جاتی ہے۔
۳۔ پروانوں کے دل میں اسی کا سوز ہے۔ عشق میں رنگینی انہی افسانوں سے ہے۔
۴۔ اس کے آب وگِل سے بنے خاکی بدن میں بحر و بر پوشیدہ ہیں۔ اس کے دل میں ہزاروں نئے جہان پوشیدہ ہیں۔

۵۔ اس کی سوچ چاند اور ستاروں کی ہم نشین ہے۔ وہ برائی سے نا آشنا ہے اور اچھائی و بھلائی کو فروغ دیتا ہے۔
۶۔ وہ خضر ہے جس کی تاریکی میں آبِ حیات موجود ہے۔ اس کے آنسوؤں سے کائنات زندہ تر ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بامقصد شاعری کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک شاعری کا مقصد فرد اور معاشرہ کی اصلاح ہے۔ اس سے انفرادی و اجتماعی خودی مستحکم اور محفوظ ہونی چاہیے۔ ایسی شاعری جس سے انفرادی و اجتماعی خودی کمزور ہو مضموم اور قطعی طور پر لاحاصل اور تباہ کن ہے۔

مصوری اور بت تراشی:۔

مصوری اور صنم تراشی کی اسلام نے سختی سے ممانعت کی ہے۔ ممانعت کی وجہ ظاہر ہے کہ بت پرستی حرام ہے تو صنم پرستی بھی حرام ہوئی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مصوری کے سلسلے میں بھی اسی اصول کے قائل ہیں کہ اگر اس سے نمودِ خودی یا نشو ونمائے خودی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی چھوٹی سی نظم 'مصور' میں اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل ہندی بھی فرنگی کا مقلّد، عجمی بھی
مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دَور کے بہزاد کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرودِ ازلی بھی
معلوم ہیں اے مردِ ہنر تیرے کمالات صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تُو نے آئینۂ فطرت میں دِکھا اپنی خودی بھی (۸۱)

قدرتی مناظر مثلاً پہاڑ، دریا اور صحرا کی تصویریں کتنی ہی دلآویز کیوں نہ معلوم ہوں یہ انسانی خودی کو نمایاں نہیں کرتیں بلکہ یہ فطرت کی غلامی ہے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں فنونِ لطیفہ کو فطرت کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیے۔ فن کار فطرت کا غلام نہیں ہوتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ فطرت کا مقابلہ کر کے اسے تسخیر کرے ؎

اس دشتِ جگر تاب کی خاموش فضا میں فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کیے تعمیر
اہرام کی عظمت سے نگوں سار ہیں افلاک کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر؟
فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو صیاد ہیں مردانِ ہنرمند کہ نخچیر؟ (۸۲)

'اہرامِ مصر'

اقبال 'فن برائے فن' کے نہیں بلکہ 'فن برائے زندگی' کے قائل تھے۔ ان کے افکار کی بنیاد فرقان حکیم، تاریخ عالم، تاریخِ اسلام کا عمیق مطالعہ اور فطرت کا گہرا مشاہدہ و مطالعہ ہیں۔ وہ اپنے ایک مکتوب محررہ ۷ ستمبر ۱۹۲۶ء میں ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

''اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی چھپا ہُوا مجموعہ ہو تو ایک دو روز کے لیے مرحمت کیجئے، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا کوئی مجموعہ نہ ہو تو چند مشہور تصاویر کے نام ہی سہی! ان کے ساتھ ان کا مضمون بھی ہونا ضروری ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مصور بالعموم کیسے مضامین اپنے فن کی نمائش کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔

بنگالی اسکول کی تصاویر کے نام خاص کر چاہئیں۔ اس کے علاوہ مغلوں کے آرٹ پر اگر کوئی کتاب ہو تو وہ بھی ساتھ لائیے۔'' (۸۳)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک مصور ضرار احمد کاظمی کو اس کے آرٹ پر داد دیتے ہُوئے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''.....اگر آپ نے کافی مشق و مہارت کے بعد اس فن میں کمال حاصل کر کے 'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' کو دنیائے اسلام کے سامنے پیش کر دیا تو آپ فنِ مصوری میں ایک نیا اضافہ کر کے اپنے فن کا ایک نیا سکول قائم کر رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں جب یہ چیز ایسی شان کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی تو دنیا یقینی طور پر اس کو 'کاظمی سکول' کے نام سے موسوم کرے گی۔ آپ محض فنِ مصوری میں اضافہ نہیں کر رہے بلکہ دنیائے اسلام میں بحیثیت 'مصورِ اقبال' ایک زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں جو کہ شاید قدرت آپ ہی سے لینا چاہتی ہے۔ پوری مہارتِ فن کے بعد اگر آپ نے 'جاوید نامہ' پر خامہ فرسائی کی تو ہمیشہ زندہ رہو گے۔'' (۸۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے بھی عین واضح ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایسی مصوری کے قائل تھے جس سے دنیائے اسلام کی خدمت ہو،

انفرادی واجتماعی خودی مستحکم ہو، یہ مصوری نئی اور منفرد طرز پر ہو اور مہارتِ فن پر مبنی ہو۔

ابن احمد نقوی، 'فکر اقبال' میں 'بندگی نامہ' کا تعارف کراتے ہُوئے لکھتے ہیں:

''یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں اقبال نے فنونِ لطیفہ غلاماں، موسیقی، مصوری، صناعی، فنِ تعمیر، مذہب غلاماں جیسے عنوانات باندھے ہیں اور ہر ایک فن میں غلاموں کی پست خیالی، نقالی، بے روح اور پژمردہ فکر پر تنقید وتعریض کی ہے، اس کے مقابلے میں مردانِ آزاد کی فنی و فکری عظمت کو سراہا ہے۔ دراصل اسے انہوں نے مشرق کی ان اقوام کے لیے تازیانہ بنایا ہے جو اس وقت مغرب کی غلام تھیں اور مدتوں غلامی میں زندہ رہنے کے سبب فکر وخیال کی عظمت، آزادی کی لذت اور خودشناسی کے جذبہ سے محروم ہو چکی تھیں۔'' (۸۵)

'بندگی نامہ' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے غلامی کی اذیت ناک اور روح کش فضا کا نہایت دردمندانہ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ غلامی میں جسم روح کی توانائی سے محروم ہو جاتا ہے اور تن بے جان سے کسی خیر کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ غلامی میں ذوقِ ایجاد و نمود رخصت ہو جاتا ہے۔ غلام فنکار تقلید میں پناہ لیتا ہے اور پامال اور فرسودہ راہیں اس کے دل کو لبھاتی ہیں۔ ایسا فن آرزو کی موت ہے۔ (۸۶)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی 'بندگی نامہ' میں 'در بیان فنون لطیفہ غلاماں' میں چار بند لکھ کر اس فن کے بارے میں اپنے وسیع خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اس میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ غلامانہ ذہنیت کی حامل مصوری پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تخلیقی اور تقلیدی دونوں محاسن سے خالی ہوتی ہے۔ اس سے رہبانیت، تنہائی، بے کسی، بے بسی، بے عملی، گریز، فرار، غفلت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ موت کی پیامبر اور تباہ کن اثرات کی حامل ہوتی ہے:

ہمچناں دیدم فنِ صورتگری نے براہیمی درو نے آزری
می چکد از خامہ ہا مضمونِ موت ہر کجا افسانہ و افسونِ موت (۸۷)
(بندگی نامہ/'مصوری')

۱۔ میں نے فنِ صورت گری کو بھی ایسا ہی پایا ہے۔ اس میں نہ ابراہیمی (رنگِ توحید) ہے اور نہ ہی آزری ہے۔
۲۔ ان (عہدِ غلامی) کے قلموں سے موت کا مضمون ٹپکتا ہے۔ ہر کہیں موت کا افسانہ یا جادو نظر آتا ہے۔

'بندگی نامہ' میں اقبال غلامانہ ذہنیت کے حامل 'مصور' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایسا فنکار بے یقین ہوتا ہے، تحقیق کا شوق نہیں رکھتا اور اس میں تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ فطرت سے حسن کی بھیک مانگتا ہے۔ حسن کو خود سے باہر تلاش کرتا ہے۔ اپنے اندر کا حسن تلاش نہیں کرتا۔ اس کا فکر مفلس ہے۔ وہ جنگ آزمائی کے ذوق سے بھی بے بہرہ ہے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ انسان بظاہر خاکی ہے مگر اس کے باطن میں نور ہے۔ روشن باطن کے بغیر ظاہر ایسے ہے جیسے بے عصا کلیم۔ زندگی معجزے کی قوت کے بغیر کچھ نہیں اور ہر شخص نبوت کے معجزات کے راز جاننے والا نہیں ہے۔ زندگی تو اصل میں تسخیری قوتوں کو عمل میں لانے کا نام ہے اور فنون لطیفہ بشمول مصوری سے اس حقیقت کا اظہار ہونا چاہیے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

خویش را آدم اگر خاکی شمرد نورِ یزداں در ضمیرِ او بمرد!
چوں کلیمے شد بروں از خویشتن دستِ او تاریک و چوبِ اُو رسن
زندگی بے قوتِ اعجاز نیست ہر کسے دانندۂ ایں راز نیست (۸۸)
'بندگی نامہ'

۱۔ اگر آدمی نے خود کو خاک کا پتلا ہی جانا تو (جان لو کہ) اس کے ضمیر میں موجود نورِ الٰہی اس کے لیے نہ رہا۔
۲۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے اندر سے کلیم اللہ باہر آ گیا تو اُن کا ہاتھ روشن نہ رہا اور عصا رسی کی مانند ہو گیا۔
۳۔ زندگی معجزے کی قوت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ ہر شخص اس راز سے آگاہ نہیں ہے۔

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ تسخیرِ فطرت کی صلاحیت رکھنے والے مصور کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا مصور فطرت کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ ایک نئی کائنات تخلیق کرتا اور دل کو ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ وہ پرانی روایات چھوڑ کر نئے انداز سے تصویر بناتا ہے ؎

آفریند کائناتِ دیگرے قلب را بخشند حیاتِ دیگرے
عینِ ابراہیم و عینِ آزر است دستِ اوہم بت شکن ہم بت گر است (۸۹)
'بندگی نامہ'

۱۔ وہ ایک نئی دنیا تخلیق کرتا ہے۔ دل کو نئی زندگی عطا کرتا ہے۔
۲۔ اس کا ہاتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کی طرح بت شکن اور آزر (کے ہاتھ) کی طرح بت گر ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ غارت گرِ فکر وعمل پیکر مٹاتا اور نئے فن پارے تخلیق کرتا ہے۔

غلام افراد کا فکر بھی غلام ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے دل سے نئی اشیاء کی ایجاد ونمود اور نئی تخلیقات کا ذوق وشوق نکل جاتا ہے۔ وہ قدامت پسند اور تقلید کا قائل ہوتا ہے۔ اس کا فکر ماضی میں سرگرداں رہتا ہے اور وہ مستقبل سے غافل ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی دانشمند انسان کسی غلام کی سی زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتا ؎

در غلامی تن ز جاں گردد تہی از تنِ بے جاں چہ اُمیدِ بہی
ذوقِ ایجاد و نمود از دل روَد آدمی از خویشتن غافل رود
طائرِ دانا نمی گردد اسیر گرچہ باشد دامے از تارِ حریر (۹۰)
'بندگی نامہ'

۱۔ غلامی میں جسم روح سے خالی ہوجاتا ہے اور بے روح جسم سے کیا امید کی جاسکتی ہے۔
۲۔ دل سے نئی اشیاء ایجاد کرنے اور (فکری وعملی لحاظ سے) ترقی کرنے کا شوق رخصت ہوجاتا ہے۔ آدمی اپنے آپ سے غافل ہوجاتا ہے۔
۳۔ عقل مند پرندہ قید نہیں ہوتا خواہ جال ریشم کے مضبوط تاروں سے بنا ہوا ہو۔

موسیقی کے بارے میں اقبال کے تصورات اور رجحانات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو معیار شاعری کے لیے مقرر کیا ہے وہی موسیقی کے لیے بھی کیا ہے۔ عجمی شاعری کی طرح عجمی موسیقی بھی زوال کے دور کی پیداوار ہے۔ اس سے رنج وغم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کاہلی، غفلت، عیش ونشاط کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ عیش وآرام اور فراغت وچین کی زندگی بسر کرنے کا درس ملتا ہے۔ حقائق سے فرار اور عمل سے گریز کی تعلیم ملتی ہے۔ یہ زندگی کے بجائے موت کی پیغامبر ہے۔ ایسی موسیقی بالکل حرام ہے ؎

شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا (۹۱)
فنون لطیفہ

نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں (۹۲)
موسیقی

کھل تو جاتا ہے مغنی کے بم و زیر سے دل نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود (۹۳)
سرودحلال

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی موسیقی و صورت گری و علمِ نباتات (۹۴)
ہندی مکتب

نغمۂ او خالی از نارِ حیات ہمچو سیل افتد بدیوارِ حیات
از نئے او آشکارا رازِ اُو مرگ یک شہراست اندر سازِ اُو
ناتواں و زار می سازد ترا از جہاں بیزار می سازد ترا
الحذر ایں نغمۂ موت است و بس نیستی در کسوتِ صوت است و بس (۹۵)
(بندگی نامہ)

۱۔ اس کا نغمہ زندگی کی حرارت سے خالی ہے۔ وہ سیلاب کی طرح زندگی کی دیوار گرا دیتا ہے۔
۲۔ اس کی بانسری سے اس کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ساز میں تمام شہر کی بربادی کا سامان ہے۔
۳۔ وہ تجھے کمزور اور بے ہمت بنا دیتا ہے۔ تجھے جہاں سے بیزار کر دیتا ہے۔
۴۔ اس سے بچو یہ تو بس موت کا نغمہ ہے۔ اس آواز میں صرف اور صرف موت ہے۔

ایسی موسیقی جس سے خودی بیدار اور استوار ہو، جو دل پر پائیدار اور مستقل اثر چھوڑ جائے، جس سے زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جائے، سرودِ حلال ہے۔ چنانچہ صوفیہ نے اسی وجہ سے سماع کو حلال قرار دیا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ایسی موسیقی کی ترجمانی کرتا ہے ؎

شوق مری لَے میں ہے، شوق مری نَے میں ہے نغمہ اللہ ہُو میرے رگ و پے میں ہے (۹۶)
'مسجد قرطبہ'

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی 'بندگی نامہ' میں 'موسیقی' کے عنوان کے تحت پہلے بند میں 'سرودِ حرام' اور اس کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے بند میں 'سرود حلال' اور اس کے اثرات کا ذکر ہے 'سرودِ حلال' کے بارے میں اقبال لکھتے ہیں ؎

نغمہ باید تند رو مانندِ سیل تا برد از دل غماں را خیل خیل
نغمۂ روشن چراغِ فطرت است معنیٔ او نقشبندِ صورت است
معنی آں باشد کہ بستاند ترا بے نیاز از نقش گرداند ترا (۹۷)
'بندگی نامہ'

۱۔ نغمہ سیلاب کی مانند تیز رفتار ہونا چاہیے تاکہ دل سے غموں کے گروہ در گروہ بوجھ کو دور کر دے۔
۲۔ روشن نغمہ فطرت کا چراغ ہے۔ اس کا مفہوم صورت کو نقش عطا کرتا ہے۔
۳۔ معنی وہ ہے جو تمہیں، تم سے رہائی دلا دے۔ تمہیں صورت سے بے نیاز کر دے۔

خطاطی اور فنِ تعمیر کے بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات اور رجحانات:۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فن میں جس چیز کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، وہ جلال و جمال کا امتزاج ہے اور فن تعمیر (خصوصاً مسلمانوں کے فنِ تعمیر میں) یہ چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد قرطبہ، مسجد قوت الاسلام، مسجد عمرؓ، قصرِ زہرا، قصرِ الحمرا، تاج وغیرہ کی خوب تعریف کی ہے اور ان کے حوالے سے مسلمانوں کو ان کا شاندار ماضی یاد دلایا اور خودی کی تعلیم دی ہے۔ 'بندگی نامہ' میں 'درفن تعمیر مردان آزاد' کے عنوان کے تحت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ؎

یک زماں با رفتگان صحبت گزیں صنعتِ آزاد مرداں ہم بہ بیں
خیز و کار ایبک و سوری نگر وا نما چشمے اگر داری جگر
دیدنِ او پختہ تر سازد ترا در جہانِ دیگر اندازد ترا
ہمّتِ مردانہ و طبعِ بلند در دلِ سنگ ایں دو لعلِ ارجمند (۹۸)
'بندگی نامہ'

۱۔ ایک لمحہ دنیا سے رخصت ہو جانے والے لوگوں کے درمیان گزار (اور) ان آزاد مردوں کے ہنر وفن کو دیکھ۔
۲۔ اُٹھ اور قطب الدین ایبک اور شیر شاہ سوری کے کارناموں کو دیکھ۔ اگر تو حوصلہ رکھتا ہے تو دیدۂ بصیرت سے کام لے۔
۳۔ ان (عمارتوں) کو دیکھنے سے تمہاری شخصیت مضبوط ہوتی ہے اور یہ مشاہدہ تمہیں کسی اور ہی جہان میں لے جاتا ہے۔
۴۔ مردانہ ہمت اور اعلیٰ فطرت، پتھر کے دل کے دو قیمتی ہیرے ہیں۔

یک نظر آں گوہر نابے نگر — تاج را در زیرِ مہتابے نگر
مرمرش ز آبِ رواں گردندہ تر — یک دم آنجا از ابد پائندہ تر
عشقِ مرداں سِرّ خود را گفتہ است — سنگ را بانوکِ مژگاں سفتہ است (۹۹)
'بندگی نامہ'

۱۔ ایک نظر اس خالص موتی کو دیکھ۔ تاج محل کو چاند کی چاندنی میں دیکھ۔
۲۔ اس کے سفید پتھر بہتے ہوئے پانی سے زیادہ شفاف ہیں۔ وہاں کا ایک لمحہ ابد سے بھی پائندہ تر ہے۔
۳۔ مردوں کے عشق نے اپنا راز خود فاش کیا ہے اور پتھر کو اپنی پلکوں کی نوک سے پرویا ہے۔

مراد یہ ہے کہ اہل علم و ہنر اور بلند ہمت فن کاروں نے فنِ تعمیر کے لافانی شاہکار تعمیر کیے ہیں۔ فنِ تعمیر اور فنونِ لطیفہ کے ذریعے جلال و جمال کے اظہار اور عشق و محبت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں ؎

از محبت جذبہ ہا گردد بلند — ارج می گیرد ازو نا ارجمند
بے محبت زندگی ماتم ھمہ — کاروبارش زشت و نامحکم ھمہ
عشق صیقل می زند فرہنگ را — جوہرِ آئینہ بخشد سنگ را
دلبری بے قاہری جادوگری است — دلبری با قاہری پیغمبری است
ہر دو را در کارہا آمیخت عشق — عالمے در عالمے انگیخت عشق (۱۰۰)

۱۔ محبت سے جذبے عروج پاتے ہیں۔ اس سے بے قدر اشیاء قدر و قیمت پاتی ہیں۔
۲۔ محبت کے بغیر زندگی سراسر ماتم ہے۔ اس کا کاروبار بدنما اور ناپائیدار ہے۔
۳۔ عشق انسانی صلاحیتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ (یہ) پتھر کو آئینے میں تبدیل کر دیتا ہے۔
۴۔ دلبری قاہری کے بغیر جادوگری ہے۔ دلبری قاہری کے ساتھ پیغمبری ہے۔
۵۔ عشق نے (دلبری اور قاہری) دونوں کو کاموں میں ملا رکھا ہے۔ عشق نے ایک عالم کے اندر ایک اور عالم قائم رکھا ہے۔ (مراد یہ ہے کہ عشق کی بدولت ہی جلال و جمال کی کیفیات کے امتزاج سے کئی طرح کے نئے جہاں پیدا ہوتے ہیں۔)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو 'پیرس کی مسجد' اس لیے پسند نہیں آئی کہ وہ جلال و جمال کے امتزاج کا مظہر نہیں تھی۔ اس سے عشق و محبت اور خلوص دل کا اظہار نہیں ہُوا تھا۔ ان کی رائے میں یہ مسجد نہیں تھی بلکہ فرنگی کرشمہ سازوں نے مسجد کے بدن میں روحِ بت خانہ چھپا دی تھی۔ علامہ لکھتے ہیں ؎

مری نگاہ کمالِ ہنر کو کیا دیکھے — کہ حق سے یہ حرمِ مغربی ہے بیگانہ
حرم نہیں ہے، فرنگی کرشمہ سازوں نے — تنِ حرم میں چھپا دی ہے روحِ بت خانہ
یہ بت کدہ انھیں غارت گروں کی ہے تعمیر — دمشق ہاتھ سے جن کے ہُوا ہے ویرانہ (۱۰۱)
'پیرس کی مسجد'

مثنوی 'بندگی نامہ'، نظم 'مسجد قرطبہ' اور 'ضربِ کلیم' کے حصے ادبیات فنون لطیفہ کے مشمولات، اقبال کے مکتوبات، دیگر تحریروں، کلام اور

اقبال شناس حضرات کی تحقیقی وتنقیدی آرا کا جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ مصوری، موسیقی، خطاطی اور فنِ تعمیر کے بارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات اور رجحانات کی بنا اسلامی نظریات ہیں۔ انہوں نے نظریۂ فن بیان کرتے ہوئے بھی اسلامی نظریات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ان کا نظریۂ فن بہت جاندار اور صحت مندانہ ہے اور تصورِ خودی کے گرد گھومتا ہے۔ وہ فن برائے فن کے نہیں بلکہ فن برائے (انفرادی واجتماعی) زندگی کے قائل تھے۔ وہ ان فنونِ لطیفہ کو پسند کرتے تھے جن سے خودی بیدار اور استوار ہو، جو دل پر پائیدار اور مستقل اثر مرتب کریں اور زندگی کا رنگ ڈھنگ بدل جائے، جو جلال و جمال اور عشق ومحبت کا مظہر ہوں۔ ایسے فنونِ لطیفہ جو خودی کو کمزور کریں، کاہلی، غفلت، گریز، فرار، کم ہمتی پیدا کریں، غلامی کا درس دیں وہ تباہ کن اثرات کے حامل ہیں اور افراد وملت کے لیے زندگی نہیں بلکہ موت کا پیغام ہیں ؎

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا (۱۰۲)

'فنونِ لطیفہ'

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار قرآن وحدیث سے اخذ کردہ ہیں۔ یہ آفاقی قدر وقیمت کے حامل ہیں۔ عصرِ حاضر کے علاوہ یہ آنے والے تمام ادوار کی ضرورت ہیں کیونکہ ان کی بنا اسلامی اصولوں پر ہے اور دین اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور امم خصوصاً امتِ مسلمہ کے لیے عالمگیر، آفاقی اور ابدی قدر وقیمت کا حامل ہے۔

عصرِ حاضر میں سائنس وٹیکنالوجی، خصوصاً انفارمیشن ٹیکنالوجی (موبائل، انٹرنیٹ، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا) کی ترقی کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان غیر اسلامی تہذیبوں اور ثقافتوں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ امتِ مسلمہ فکری وعملی انحطاط اور مغربی تہذیب کی ذہنی فکری وعملی غلامی کا شکار ہے۔ اس وجہ سے اہلِ اسلام تیزی سے اسلامی تہذیب وتمدن سے دور ہو رہے ہیں۔ تمام عالمِ اسلام (اسلامی ممالک) میں اور ان علاقوں اور ممالک میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، غیر اسلامی تہذیبیں مسلمانوں پر بری طرح سے اثر انداز ہو رہی ہیں۔

پاکستان میں بھی صورتِ حال نہایت خراب ہے اور روز بروز خراب تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پاکستانی کلچر، میڈیا کی وجہ سے ہندو کلچر، یورپی کلچر سے بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ ہمارے مدبرین اور مفکرین بھی اس ثقافتی یلغار کا شکار نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی اقبال شناس، کوئی مولوی، پیر فقیر، سیاستدان، مفکر یا مدبر اس ثقافتی اور ذہنی وفکری غلامی کی سازش کا قلع قمع کرتا نظر نہیں آتا۔ آج اقبال کی، فکرِ اقبال کی اور اس کے مطابق عملی کردار کی عصرِ اقبال سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ بصورتِ دیگر اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اغیار کی فکری اور تہذیبی و ثقافتی غلامی کی بدولت تمام اہلِ اسلام، خصوصاً اہل پاکستان گزشتہ کے دورِ غلامی سے بھی بڑھ کر زیادہ ذلت آمیز اور غارتِ دین وایمان، غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی (۱۰۳)

اقبال کا تصورِ قومیت

قومیت یا نیشنلزم:۔

نیشن یا قوم انسانوں کے کسی ایسے اجتماع کو کہتے ہیں جس میں وحدت کے کچھ جذباتی یا عقائداتی وجوہ موجود ہوں اور اس کے افراد نے ایک ہیئت اجتماعی کی صورت میں باہم مل جل کر رہنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔اس وحدت کے جذباتی احساس اور اس کے لیے عصبیت کا نام قومیت یا نیشنلزم ہے۔

مغربی تصورِ قومیت:۔

اہل مغرب کے نزدیک قومیت کی اساس نسل، زبان اور ثقافت یعنی طرزِ بود و ماند ہیں۔قومیّت صرف مادی اساسِ وحدت (یعنی وطن اور نسل اور زبان وثقافت) پر قائم رہ سکتی ہے اور مجرد روحانی عقیدے مثلاً مذہب یا اخلاقیات کا کوئی اصول وحدت قومی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

اسلامی تصورِ قومیت:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قومیت کا مغربی تصور مسترد کر دیا اور زور دیا کہ قومیت یا نیشنلزم کا یہ تصور نفرت انگیز اور عداوت خیز ہے، اس کے بجائے قومیت کی حقیقی وتعمیری اساس کلمۂ توحید اور عقیدۂ اخوّتِ انسانی ہے جس کا استحکام نظامِ رسالت ونبوت نے کیا ہے۔نسل، زبان اور محض جغرافیہ قومیت کی تعمیری اساس نہیں بن سکتا۔(۱)

اقبال کا تصورِ قومیت عقیدے پر مبنی ہے۔دیکھا جائے تو جو لوگ دین، روحانیت اور عقائد کے منکر ہیں وہ بھی کسی نہ کسی عقیدے کے پیروکار ہوتے ہیں۔لادینیت اور مادیت کے شکار افراد مادی عقیدۂ حیات کے پیروکار ہیں۔مختلف نظریات وتصورات کے حامی افراد اور اقوام کسی نہ کسی عقیدے کا سہارا لے کر ہی اپنے نظریات وتصورات کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔امریکی قوم اپنی بقا یا ترفع کے لیے آزادی (freedom) کا نعرہ لگاتی ہے۔امریکی قوم کی جمہوریتیں آزادی، اخوت اور مساواتِ انسانی کا علم بلند کرتی ہیں۔اشتراکی ممالک، استحصال سے آزاد معاشرے کا اخلاقی اصول پیش کرتے ہیں۔ان سب نعروں کے پیچھے کچھ عقیدے صاف نظر آتے ہیں۔غرض عقیدے کی حکمرانی ہر جگہ کسی نہ کسی صورت میں تسلیم شدہ ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ انسان کے خود ساختہ اخلاقی اصول وضوابط، عقائد، نظریات اور تصورات افراط وتفریط کا شکار ہیں۔افراط وتفریط کی کہیں بھی گنجائش نہیں۔صرف توازن واعتدال سے ہی سلامتی وامن اور فلاح وبقا ممکن ہیں۔تاریخِ عالم اور تاریخِ اسلام کے بغور مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے بنائے ہوئے قوانین اور ضابطوں سے کبھی بھی دنیا میں کسی بھی خطے میں ایسا پرامن معاشرہ قائم نہیں کرسکا جو مادی، اخلاقی، روحانی، غرضیکہ ہر لحاظ سے سلامتی وامن اور فلاح وبقا کا مظہر ہو۔

اہلِ مشرق اور ممالکِ اسلامیہ بھی دامنِ دیں چھوڑ کر افتراق وانتشار کا شکار ہوگئے۔اہل مغرب کی مادی وسائنسی ترقی اور دنیوی خوشحالی کو ہی حقیقی کامیابی تصور کرتے ہوئے انہوں نے اندھا دھند مغربی تہذیب، مغربی نظامِ جمہوریت، کیپٹلزم، سوشلزم، فاشزم، آمریت، دہریت اور لادینیت کی اندھا دھند نقالی شروع کردی جس کے نتیجے میں یہ ایک دوسرے سے کٹ کر مغربی بربریت کا شکار ہوگئے اور آپس میں بھی جنگ وجدل کا شکار ہیں۔

دو بڑی عالمگیر جنگوں کی تباہ کاری دیکھ کر اور اپنے سماجی واخلاقی نظام کی خرابیوں سے تنگ آکر مغربی دانشور کسی ایسے روحانی یا اخلاقی نظام کے امکان یا ضرورت کے بارے میں سوچنے اور بحث کرنے لگے ہیں جس سے نسلِ انسانی کی موجودہ تفریق مٹ جائے اور وہ آپس

میں زیادہ سے زیادہ شیرازہ بند ہو جائیں اور آنے والے حشر سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔

مغربی مفکر (Schweitzer)، نے اپنی کتاب (Ethics and Civilization) میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر مغربی تہذیب موت سے بچنا چاہتی ہے تو اسے کوئی عالمگیر اخلاقی نظام اپنانا پڑے گا۔(۲)

مشہور سیاسی مفکر Gensberg بھی نظمِ عالم کے لیے کسی اخلاقی ضابطۂ حیات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہتا ہے:

"Since wars begin in the minds of man, it is in the minds of man that the defences of peace must be constructed". (3)

کانٹ نے بھی عالمی امنِ عامہ کے لیے یہی تصور پیش کیا تھا کہ:

"Establishment of a universal rule of law may seem Utopian; yet, it is the inevitable escape from distress into which human beings bring each other". (4)

Illinois یونیورسٹی کے پروفیسر پال آرتھر سکلپ (Schulp) نے اپنی کتاب (National Sovereignty and International Anarchy) میں اسلحہ سازی کی دوڑ میں خطرناک بم ایجاد کرنے کو انسانوں کے خلاف سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے اور عالمگیر نظام حکمرانی کی ضرورت پر زور دیا ہے۔(۵)

حقیقت کو وقتی طور پر جھٹلایا اور چھپایا جا سکتا ہے۔مگر اسے مٹایا نہیں جا سکتا۔تاریخی حقائق دین اسلام اور اس کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔برصغیر میں مسلم قومیت نے اسی وقت جنم لے لیا تھا جب یہاں کے رہنے والے پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا اور ایک نئے مذہبی وتہذیبی نصب العین کو اپنا کر اپنے علیحدہ تشخص کی بنیاد رکھی۔برصغیر میں مسلم قومیت کے ارتقا کی پوری تاریخ اس کے اپنے علیحدہ تشخص کے تحفظ کی تاریخ ہے۔برصغیر میں جب بھی اسلام اور اس کے ماننے والوں کو مٹانے کی کوشش کی گئی یہ زیادہ مضبوط اور فعال قوت کے طور پر سامنے آیا۔خطبہ آلہ آباد میں اقبال نے اپنے تمام تر استدلال کی بنیاد اسی حقیقت پر استوار کی ہے کہ مذہب ہی قومیت کی مضبوط بنیاد ہے جو کہ لسانی، جغرافیائی، نسلی اور معاشی وسماجی اور طبقاتی وگروہی تعصّبات کی نفی کرتا ہے اور سماجی، معاشی، روحانی مساوات کی فراہمی یقینی بناتا ہے۔(۶) اس ضمن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ واضح طور پر مادیت کے بجائے روحانیت کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"Pass from matter to spirit. Matter is diversity; spirit is light, life and unity. One lesson I have learnt from the history of Muslims. At critical moments in their history it is Islam that has saved Muslims and not vice versa. If today you focus your vision on Islam and seek inspiration from the ever-vitalising idea embodied in it, you will be only reassembling your scattered forces, regaining your lost integrity, and thereby saving yourself from total destruction". (7)

''مادیات سے گزر کر روحانیت میں قدم رکھیے، مادہ کثرت ہے، لیکن روح نور ہے، حیات اور وحدت ہے۔ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے، یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا، مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت وبربادی سے محفوظ ہو جائے گا''۔(۸)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خطبے کے آخر میں اپنے موقف کی تائید میں سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۵ 'علیکم' سے 'اھتدیتم' تک دی ہے۔مکمل آیت اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ o (۱۰۵:المائدہ۵)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت یافتہ ہو چکے ہو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان کاموں سے خبردار فرما دے گا جو تم کرتے رہے تھے۔''

مندرجہ بالا آیتِ مقدمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مقصدِ حیات سمجھنے کے بعد مضبوطی اور استقامت سے راہِ حق پر گامزن ہو جاتے ہیں، ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے انہیں حفظ وامان اور سلامتی مل جاتی ہے۔ وہ فکری وعملی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ انفرادی واجتماعی سطح پر ان کا تشخص بحال اور محفوظ رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس بات کی تعلیم ہے کہ اپنا منفرد اسلامی تشخص ہر حال میں بحال رکھنے کی کوشش کرو۔ اس کوشش کے صلے میں تمہیں دین، دنیا اور آخرت میں حفظ وامان، سلامتی، فلاح ونجات اور عزت حاصل ہوگی۔ (۹)

خطبہ الٰہ اباد سے مذکورہ بالا اقتباس اور مندرجہ بالا آیتِ مقدسہ کے مفہوم کی بنا پر واضح ہوتا ہے کہ مذہب قومیت کی مضبوط بنیاد ہے۔ اس کی بدولت انسان قومیت کی دیگر شرائط مثلاً نسل، زبان، علاقہ اور معاشی مفادات سے چھٹکارا پا کر اسلامی مساوات، اخوت اور حریت کے سنہری اوصاف سے متصف افراد کی عالمی برادری تشکیل دے سکتا ہے۔

مذکورہ بالا اسلامی تصورِ قومیت کے پیشِ نظر حضرت علامہ نے مغربی فتنۂ قومیت و وطنیت کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے اور وہ مسلمانوں میں اس عصبیت کے پیدا ہونے کے مخالف تھے۔ سید سلیمان ندوی کو اس ضمن میں علامہ لکھتے ہیں:

''بزمِ اغیار کی رونق ضرور تھی۔ اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہوسکتا۔ افسوس! اہلِ خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔'' (۱۰)

اس حوالے سے وہ حضرت اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں:

''اس وقت اسلام کا دشمن سائنس نہیں.....اس کا دشمن یورپ کا جغرافیائی جذبۂ قومیت ہے جس نے ترکوں کو خلافت کے خلاف اکسایا۔ مصر میں مصر، مصریوں کے لیے، کی آواز بلند کی اور ہندوستان کو Pan Indian Democracy کا بے معنی خواب دکھایا..... مذہب اسلام کا ایک نہایت ضروری پہلو قومیت ہے جس کا مرکز کعبۃ اللہ ہے.....'' (۱۱)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں بھی اس طرح سے تصورِ قومیت بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری (۱۲)

اسلامی تصورِ شخصیت (اسرارِ خودی) اور اسلامی تصورِ قوم وملت (رموز بے خودی) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دو بنیادی نظریات ہیں۔ انہوں نے تیس بتیس برس تک مسلسل اسلامی تصورِ قومیت کی آبیاری کی۔ اسلامی تصورِ قومیت کو وطنی قومیت پر ترجیح دینے کے ضمن میں عبدالماجد دریابادی نے بجا طور پر انہیں 'امام العصر' قرار دیا۔ (۱۳)

اقبال کا یہ تصورِ قومیت ہی برصغیر میں پاکستان کے قیام کا باعث بنا اور اس سے عالمی سطح پر اسلامی اتحاد کی راہ متعین ہُوئی۔ عالمِ اسلام اور خاص طور پر اہلِ پاکستان کے لیے یہ تصور بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلامی تصورِ قومیت اسلام کا عطا کردہ تصور ہے جبکہ وطنی قومیت مادہ پرستی کی دَین ہے۔

یورپ میں میکاولی کے نظریۂ وطنیت سے مادہ پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقا، میکڈوگل کے نظریۂ جبلت اور فرائڈ کے نظریۂ لاشعور یا جنسیت نے لادینیت، مادیت اور اخلاقی بے راہروی کو رواج دیا۔ لادینیت اور مادیت کی کوکھ سے وطن، قوم پرستی، کیپٹلزم، سوشلزم، فاشزم اور استعماریت نے جنم لیا۔ مغربی ریاستیں استعماری قوتیں بن گئیں اور کمزور اقوام پر چڑھ دوڑیں۔ انہوں نے بیسیوں ممالک پر قبضہ کرلیا۔ استعمار وسامراج کا شکار بننے والے بیشتر ممالک مسلمان تھے۔ معاندانہ مسابقت اور رقابت کی بنا پر وطنی قومیت پر استوار استعماری طاقتیں دوبار آپس میں ٹکرائیں۔

دہریانہ مادیت کا سب سے بڑا سبب دین اور دنیا کی علیحدگی اور حکومت سے مذہب کی علیحدگی تھی۔ لوتھر اور روس کی ذہنی تحریک نے لوگوں کو مختلف قوموں میں تقسیم کردیا تھا۔ اقبال اپنے قیامِ یورپ کے دوران ہی اہلِ یورپ کی اسلام دشمنی، ملوکانہ اغراض، ان کے نظریۂ وطنیت اور مغربی تہذیب کی خرابیوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ (۱۴)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظم 'وطنیت' (۱۹۱۰ء) میں مغربی تصورِ قومیت (وطنی قومیت) کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر اس طرح

سے پیش کیا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے — جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصودِ تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے — قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے (۱۵)

فرنگی نظریۂ وطنیت کی بدولت اسلامی ممالک میں عدم اتفاق اور انتشار پیدا ہوگیا۔ اقبال نے اس امرِ حقیقت کا یوں ذکر کیا ہے ؎

حکمتِ مغرب سے ملّت کی یہ کیفیت ہوئی — ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز (۱۶)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۴ء میں نظم 'ترانۂ ہندی' لکھی۔ یہ نظم اکتوبر ۱۹۰۴ء کے مخزن میں چھپی تھی اور اس کا عنوان تھا 'ہمارا دیس'۔ 'بانگِ درا' مرتب کرتے وقت اس کا عنوان بدل دیا گیا۔ یہ نظم بہت مقبول ہوئی۔ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا — ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا (۱۷)

قیام یورپ کے دوران اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر وطنی قومیت اور مغربی تہذیب کی خرابیاں آشکار ہوگئیں۔ انہوں نے وطنی قومیت اور مغربی تہذیب کی خرابیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔ ۱۹۱۰ء کے وسط میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذاتی ڈائری میں وطن پرستی کے بارے میں لکھا:

''اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے۔ مختلف قوموں کے وطنی ترانے میرے اس دعوے کا ثبوت ہیں کہ وطن پرستی ایک مادی شے کی پرستش سے عبارت ہے۔ اسلام کسی صورت میں بت پرستی کو گوارا نہیں کرسکتا۔ بت پرستی کی تمام اقسام کے خلاف احتجاج کرنا ہمارا ابدی نصب العین ہے۔ اسلام جس چیز کو مٹانے کے لیے آیا تھا، اسے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پیغمبرِ اسلام کا اپنی جائے پیدائش مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے میں قیام اور وصال، غالباً اسی حقیقت کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔'' (۱۸)

۱۹۱۰ء میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نظم 'وطنیت' کہی۔ اس سال کے آخر میں یا اگلے سال کے اوائل میں انہوں نے علی گڑھ کالج میں ایک اہم خطبہ The Muslim Community, a Sociological Study دیا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس خطبے کا ترجمہ 'ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر' کے عنوان کے تحت کیا۔ 'ترانۂ ملی' کا بھی یہی دور ہے۔ اسلامی تصورِ قومیت کے ضمن میں، بعد کے کلام (نظم و نثر) میں حسب ذیل تحریریں خاص طور پر اہم ہیں:

۱۔ مثنوی رموزِ بے خودی (۱۹۱۸ء)
۲۔ خطبۂ الہ آباد (کا ابتدائی حصہ) ۱۹۳۰ء
۳۔ جغرافیائی حدود اور مسلمان ۱۹۳۸ء

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مسلمان کا ہر مصراس کا کنعان ہے۔ وہ رنگ و نسل کو تعارف کا نہ کہ امتیاز و تصادم کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔ وہ جمعیتِ آدم کا علمبردار ہے ؎

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں — جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں (۱۹)
پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا — تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا (۲۰)
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟ (۲۱)

وطنی قومیت کی مخالفت اور اسلامی قومیت کے پرچار پر ہندوؤں اور ان کے نظریۂ وطنی قومیت کے حامی مسلمانوں نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ قومیت کی بھرپور مخالفت شروع کر دی۔ آزادی کی صورت میں وطنی قومیت متحدہ ہندوستان کی شکل اختیار کرتی جس پر

ہندو اکثریت کا راج قائم ہوتا۔ ہندوؤں کو یہی پسند تھا۔ اسلامی قومیت کا نتیجہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا قیام تھا۔ یہ بات ہندوؤں کو گوارا نہیں تھی۔ عالمی سطح پر اسلامی قومیت کا تصور اسلامی اتحاد کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ہندو اسے خطرہ تصور کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے علاوہ مغرب کے نزدیک بھی یہ خطرہ ہے۔

۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں، مرہٹوں، ہندوؤں اور سکھوں سب نے حصہ لیا تھا۔ مگر انگریزوں نے مسلمانوں کو خصوصاً انتقام کا نشانہ بنایا۔ ہزاروں مسلمان پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ ہزاروں گولی کا نشانہ بنے تا کہ مسلمانوں میں نہ کوئی صاحبِ ثروت رہے نہ صاحبِ ادراک۔ متعدد لائبریریاں جلا دی گئیں۔ کتب خانے نذر آتش کر دیئے گئے۔ علماء و مشائخ اور سرکردہ رہنماؤں کو چُن چُن کر شہید کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ تعلیمی زبان فارسی سے انگریزی میں تبدیل ہوگئی جس کے نتیجے میں مسلمان ہر شعبۂ زندگی میں پسماندہ ہو گئے۔ انگریزوں کی سرپرستی میں 'کانگرس' کا قیام عمل میں آیا جس میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے چند ایک مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ جب مسلم رہنماؤں نے محسوس کیا کہ کانگرس صرف متعصب اور تنگ نظر ہندوؤں کی سیاسی جماعت ہے تو انہوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ۱۹۰۶ء میں 'کانگرس' کے مقابلے میں 'آل انڈیا مسلم لیگ' قائم کر لی۔ ۱۹۱۱ء میں حکومتِ برطانیہ نے ہندوؤں کے دباؤ پر تقسیم بنگال منسوخ کر دی۔ تقسیم بنگال نے مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کی۔ ان کا انگریز پر اعتبار مزید کم ہو گیا۔ اس وقت تک مسلمانوں میں اختلافات کی بنا پر چار قسم کے گروہ بن چکے تھے:

۱۔ سرسید کی پیروی کرنے والے اور انگریز سے مطابقت اور کانگرس سے مخالفت کے حامی لوگوں کا گروہ
۲۔ دیوبندی جو مذہب میں رجعت پسندی اور انگریز کی مخالفت کو اپنا مقصد خیال کرتے تھے۔
۳۔ ندوۃ العلماء جو حکومتِ برطانیہ سے مطابقت کے حامی تھے مگر علی گڑھ اور دیوبند دونوں کے خلاف تھے۔
۴۔ سیّد امیر علی کی مطابقت میں چلنے والے لوگ گرچہ بہت کم تھے تاہم یہ حکومتِ برطانیہ سے کسی قسم کی مخالفت نہیں چاہتے تھے۔

سوائے سرسید احمد کے حامیوں کے باقی سب کانگرس کے حامی تھے اور ہندوستان کی اکائی میں یقین رکھتے تھے یعنی وطنی قومیت (ہندو قومیت) کے قائل اور حامی تھے۔ اگرچہ مسلم لیگ کا انعقاد ہو چکا تھا اور مسلمان مسلم نیشنلزم (اسلامی قومیت) کے حامی بن رہے تھے تاہم یہ آواز بہت کمزور تھی۔ (۲۲)

یہ وہ دور ہے جب کہ مسلمان انتہائی پس ماندہ اور شکستہ دل تھے۔ اقبال کے یہ شعر ان کے حسبِ حال تھے جو اس نے بڑھتی ہوئی قدامت پسندی کے حوالے سے کہے۔ ذہنی آزادی نہ ہو تو معاشی اور سیاسی آزادی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس دور میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آزادیٔ فکر و عمل کا پیغام دیتے ہوئے کہا ؎

اے پیرِ حرم! رسم و رہِ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت — دے ان کو سبق خود شکنی، خودنگری کا
تو ان کو سکھا خارا شگافی کے طریقے — مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی — دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا (۲۳)

۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ جنگ کے آغاز کے وقت حکومتِ برطانیہ نے اہل ہندوستان کے ساتھ کچھ سیاسی وعدے کیے مگر جنگ کے اختتام پر یہ وعدے پورے نہیں کیے۔ نتیجتاً عدم تعاون، ترک موالات اور خلافت کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ کچھ دنوں ہندو مسلمان شیر و شکر رہے لیکن جلد ہی گاندھی کی سیاسی چالوں نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ تحریکِ خلافت اور خلافت دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اقبال تحریکِ خلافت کے حامی نہیں تھے کیونکہ انہیں اس کی بحالی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ اہلِ مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جائے۔ وہ اچھی طرح آگاہ تھے کہ اہلِ مغرب، کسی صورت بھی اسلام دشمن کارروائیوں سے باز نہیں آئیں گے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ؎

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی
''مرا از شکستن چناں عار ناید کہ از دیگراں خواستن مومیائی'' (۲۴)

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ترکی نے کمال اتاترک کی رہبری میں، افغانستان نے امیر امان اللہ کی بادشاہت میں اور ایران نے رضا شاہ کی سرگردگی میں اپنے ملکوں کو سیکولر قومی ریاستوں کے طور پر منظّم کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد دنیائے اسلام میں اسلام ایک سیاسی نظریے کے طور پر کہیں بھی مقبول نہیں تھا۔

مجموعی عالمی حالات، عالم اسلام اور برصغیر کے مسلمانوں کے زوال کے اسباب، مغربی تہذیب کی خامیوں، سائنسی ترقی اور مغربی نظریۂ وطنی قومیت کی خرابیوں سے آگاہ ہو کر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ اسلام کے اتحاد کے لیے، اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے انہیں عصرِ حاضر کے تقاضوں سے، ان کی خامیوں سے آگاہ کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے مسلمانانِ ہند کو ان کے اخلاق و کردار کی کمزوریوں سے آگاہ کیا جائے۔ ان کی کردار سازی کی جائے۔ ان کا قومی تشخص بحال کیا جائے۔ انہیں وطنی قومیت، نسل، زبان، علاقے اور معاشی مفادات پر قائم قومیت کے اس تصور کی خرابیوں سے آگاہ کر کے اسلامی تصورِ قومیت کی بنا پر جدوجہدِ آزادی کا درس دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے 'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' جیسی نظمیں تخلیق کیں۔ 'شکوہ' انہوں نے ۱۹۱۱ء میں انجمن حمایتِ اسلام کے سالانہ اجلاس میں پڑھی، جہاں سننے والوں کی اکثریت اشکبار تھی۔ جواب شکوہ ۱۹۱۴ء میں لکھی۔ ان میں خودنگری کا سبق بھی ہے اور کاروانِ حیات میں اعتماد کی بحالی اور ترقی کا سنگ بنیاد بھی۔ 'شکوہ' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟ اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہاں گیر، جہاں دار ہوئی کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے منہ کے بل گر کے ھُوَ اللّٰہ اَحَدْ کہتے تھے
آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہُوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہُوئے (۲۵)

'جواب شکوہ' میں خدا کا فرمان سنایا کہ وہ صاحبِ صفات تمہارے آبا و اجداد تھے، تم کیا ہو؟

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو نہیں جسم قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ، وہ خرمن تم ہو بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نِکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟ (۲۶)
منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ (۲۷)
ہر کوئی مست مَئے ذوقِ تن آسانی ہے تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر اور تم خوار ہُوئے تارکِ قرآں ہو کر (۲۸)
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (۲۹)

'شکوہ' اور 'جواب شکوہ' کے ذریعے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عالمِ اسلام، خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کو پیغام دیا کہ تمہارے زوال کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ ایمان کی کمزوری، لادینیت
۲۔ علم وعرفان سے عدم دلچسپی
۳۔ بے عملی، کاہلی، غفلت، سستی، آرام طلبی، عیش پرستی
۴۔ باہمی عدم اتفاق

ساتھ ہی انہوں نے ان کمزوریوں سے چھٹکارا پانے کا درس دیتے ہوئے کہا کہ

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ مضبوط کرلیں۔ دامنِ دین مضبوطی سے تھام لیں۔
۲۔ علم وعرفان میں بھرپور دلچسپی لیں۔ اپنی اخلاقی حالت بہتر بنانے کے لیے روحِ دین سے آشنا ہوں اور معاشی واقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق سائنس وسماجی علوم سیکھیں اور ضمنی مہارتیں حاصل کریں۔
۳۔ جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم کو اپنا شعار بنائیں۔
۴۔ تمام مسلمان اور اسلامی ممالک آپس میں متحد ہوجائیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرد کی اصلاح کے لیے مثنوی 'اسرارِ خودی' (۱۹۰۵ء) لکھی اور معاشرہ وقوم کی اصلاح کے لیے 'رموزِ بے خودی' (۱۹۱۸ء)۔ اسرارِ خودی میں انفرادی خودی اور رموزِ خودی میں اجتماعی خودی کے استحکام وتحفظ کے لیے ضابطہ فکر وعمل بیان کیا۔

میرے خیال میں خودی کا بہترین مفہوم اسرارِ خودی کے مندرجہ ذیل تین اشعار میں ہے:

اے کہ مثل گُل ز گِل بالیدۂ تو ھم از بطنِ خودی زائیدۂ
از خودی مگذر بقا انجام باش قطرۂ می باش و بحر آشام باش
تو کہ از نورِ خودی تابندۂ گر خودی محکم کنی پائندۂ (۳۰)

ترجمہ:

۱۔ اے وہ شخص جو تو پھول کی مانند مٹی سے نکلا اور بڑھا ہے درحقیقت تو بھی خودی کے بطن سے پیدا ہُوا ہے۔
۲۔ خودی کو نہ چھوڑ بقائے دوام پالے۔ بے شک تو قطرہ ہی ہے لیکن ایسا قطرہ بن جو اپنے اندر سمندر کو سمالے۔
۳۔ تیری چمک نورِ خودی سے ہے۔ تو اگر اپنی خودی کو محکم بنالے تو پائیدار ہوجائے گا۔ (۳۱)

'رموزِ بے خودی' میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرد اور ملت (قوم) کا رابطہ استوار کرنے کا سبق دیا ہے۔ فرد کے جماعت سے رابطے کے بغیر کوئی حقیقت نہیں جبکہ ملت، افراد سے استحکام پاتی ہے ؎

فرد می گیرد ز ملّت احترام ملّت از افراد می یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود قطرۂ وسعت طلب قلزُم شود (۳۲)

۱۔ فرد ملت کی بنا پر عزت حاصل کرتا ہے۔ ملت افراد سے ترکیب پاتی ہے۔
۲۔ فرد جماعت میں شامل ہوجاتا ہے تو وسعت طلب قطرے کی طرح سمندر کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو ناآشنا ہے قاعدۂ روزگار سے
ملّت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ (۳۳)

خودی کی تکمیل کے مراحل اطاعتِ رسول ﷺ، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی ہیں۔ رموزِ بے خودی کے ارکان بھی توحید اور رسالت ہیں۔

امت کی تشکیل کی بنیاد حریت، مساوات اور اخوتِ بنی آدم ہیں۔ مرکز اسلام بیت الحرم ہے۔ لہٰذا ملت کی بنیاد ایک خطۂ زمین نہیں ہوسکتا۔ جو انسان اسلام کو دینِ مکمل سمجھتا ہو وہ ملت کی اساس مذہب اور اس سے پیدا ہونے والی ثقافت کے سوا کچھ اور تصور نہیں کرسکتا۔

مغربی تصورِ قومیت کی خرابیاں پیشِ نظر رکھتے ہُوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قومیت کی بنیاد وطن کے بجائے ایمان کو قرار دیا۔ انہوں نے اسلامی تصورِ قومیت کی بنا پر اتحادِ اسلامی کی تعلیم دی، برصغیر میں دوقومی نظریہ دیا اور تمام اسلامی ممالک کو بھی اسلامی ریاست کے قیام کا تصور دیا۔

'رموزِ بےخودی' میں 'در معنی ایں کہ وطن اساسِ ملّت نیست' کے عنوان کے تحت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آں چناں قطع اخوت کردہ اند بر وطن تعمیرِ ملّت کردہ اند
مردمی اندر جہاں افسانہ شد آدمی از آدمی بیگانہ شد
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند آدمیت گم شد و اقوام ماند (۳۴)

ترجمہ:۔ ملت کی تعمیر، وطن کی بنیاد پر رکھ کر انہوں نے اخوت انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس طرح اس دنیا میں آدمی انسان سے بیگانہ بن کر محض افسانہ رہ گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ روح جسم سے نکل گئی اور اعضاء انسانی باقی رہ گئے۔ یعنی انسانیت تو کہیں کھوگئی اور اقوام رہ گئی ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مضبوط دلائل کی مدد سے واضح کیا کہ فرنگی نظریۂ وطنیت اسلام کی وحدتِ دینی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ یہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ہندوستانی میں یہ تصور ہمیشہ کے لیے برصغیر کے مسلمانوں پر ہندو اکثریت کو حکمران بننے کا سبب بن سکتا ہے۔ وطنیت کے فلسفے کے تحت مشرقِ وسطیٰ میں کئی ریاستیں وجود میں آئیں۔ ان میں سیاسی ترقی محدود رہی۔ یہ سلطنتیں آج تک بادشاہت کے لبادے میں لپٹی ہُوئی ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے یہ امیر ممالک صنعتی اور تجارتی ترقی کے لحاظ سے یورپ کے محتاج ہیں۔ یہ خودمختار نہیں۔ تکنیکی جوہر نہیں رکھتے اور عسکری قوت بھی نہیں رکھتے۔

اسلامی تصورِ قومیت کی بنا پر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۶ء کے میثاقِ لکھنؤ کی مخالفت کی۔ انہوں نے اسی وجہ سے تحریکِ عدم تعاون اور تحریکِ خلافت میں حصہ نہیں لیا۔ ہندوستان میں شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں سے علامہ اقبال کے دوقومی نظریے کو مزید تقویت ملی۔ سائمن کمیشن (۱۹۲۷ء) کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں بھی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دوقومی نظریے (اسلامی تصورِ قومیت) کا اصول ہی سامنے رکھا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک عملی سیاست میں حصہ لیا۔ اس دوران انہوں نے چھ خطبات تحریر کئے جو تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) کے نام ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے۔ ان خطبات میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق فرد اور معاشرے کی اصلاح کے لیے، اسلامی ریاست کے قوانین مرتب کرنے کے اصولوں کی وضاحت کے لیے اور اسلام کی تشکیلِ جدید کے لیے ضروری امور پر بحث کی اور رہنمائی فراہم کی۔

مارچ ۱۹۲۹ء کو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ نکات پیش کئے مگر کانگرس نے ان پر غور تک بھی نہ کیا۔ مسلمانانِ ہند اس وقت گومگو کا شکار تھے مگر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو یقین تھا کہ ہندو مسلم اتحاد ممکن نہیں۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ الہ آباد پیش کیا۔ اس خطبہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تصورِ قومیت اور اسلام کے سیاسی و اخلاقی نظام کا ذکر کیا اور برصغیر کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں اسلامی ریاست کے قیام کا تصور دیا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تصورِ قومیت کی بناء پر ایک خودمختار، جدید، اسلامی قومی ریاست کے خدوخال واضح کر دیئے تھے۔ مسلمانوں کی اس ریاست کے نظریے کی بنیاد اور ارتقاء کی جنگ انہوں نے بڑی حد تک اکیلے ہی لڑی۔ جیسے جیسے ہندوستان کی سیاست مختلف رجحانات پیش کرتی رہی۔ اقبال ان پر تنقید کرتے رہے اور اس تنقید کے ساتھ مسلمانوں کو متحد ہونے اور اپنا منفرد سیاسی پلان بنانے کی ترغیب دیتے رہے۔ (۳۵)

تین سال قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ لندن میں رہے۔۱۹۳۴ء میں انہوں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھال لی تھی۔قائداعظم نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی تحریک کو آگے بڑھایا۔۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو خطبہ الہ آباد میں پیش کئے گئے تصورِ پاکستان کی بنا پر قراردادِ پاکستان منظور کی گئی۔۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو صرف شاعر و مفکر نہیں بلکہ عظیم سیاسی رہنما، ملتِ اسلامیہ کا محافظ اور اپنا دستِ راست قرار دیا۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی:

''اقبال کے خیالات فی الحقیقت میرے اپنے خیالات سے بالکل متفق تھے جن کی بناء پر میں بھی انہی نتائج پر پہنچا ہوں جو ہندوستان کے آئینی مسائل کے غائر مطالعہ و تحقیق کا نتیجہ ہیں اور جو آگے چل کر مسلم ہند کے متحدہ ارادے کی شکل میں لیگ کے اجلاسِ لاہور کی اس قرارداد میں ظاہر ہُوئے جو عام طور پر قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہے۔میرے وہ ایک دانش مند دوست اور رہنما تھے۔مسلم لیگ کے نازک ترین اوقات میں ایک چٹان کی طرح کھڑے رہے اور لحہ بھر کے لیے بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔''(۳۶)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر کے مسلمانوں کے علاوہ دنیا بھر میں مختلف خطوں، علاقوں اور ملکوں میں آباد مسلمانوں کے مسائل میں بھی بھرپور دلچسپی لی اور ان کے حسبِ حال رہنمائی کی۔انہوں نے فلسطین، ترکی، ایران، افغانستان، بلاد عرب وحجاز، شام ومصر، حبشہ و مراکش اور دوسرے اسلامی ممالک کے مسائل سے بھی دلچسپی کا اظہار جا بجا کیا۔اہلِ کشمیر کے مسائل میں بھرپور دلچسپی لی۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے انہوں نے فکری اور عملی طور پر جو کچھ کیا وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

آج بلادِ عرب اور ممالکِ اسلامیہ میں جو سیاسی بیداری اور خودشناسی کی لہر نظر آتی ہے اور تیسری دنیا کے نام پر جمعیتِ اسلام کی جو ایک صورت دکھائی دیتی ہے اس کی تشکیل میں اقبال کی کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے۔(۳۷)

دین اسلام، دینِ فطرت ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ دین اسلام عالمی اتحادِ انسانی کا علمبردار ہے۔ یہ سلامتی اور امن کا ضامن ہے۔

پروفیسر ضیاء الدین احمد، اقبال کا فن اور فلسفہ میں لکھتے ہیں کہ صرف وہی اتحاد قابل اعتماد ہے جس کی بنیاد انسانی اخوت پر ہو اور جو نسل، قومیت، رنگ وزبان کے اثرات سے بالکل آزاد ہو۔ جب تک نام نہاد، جمہوریت، لعنت زدہ قومیت اور نفرت انگیز سامراجیت کے اصنام کو پاش پاش نہیں کیا جاتا، جب تک نسل، رنگ اور جغرافیائی تقسیم انسانی کو کامل طور ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک آدمی نہ تو مسرت و اطمینان کی زندگی بسر کر سکے گا اور نہ آزادی، مساوات اور اخوت کا دل خوش کن خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔اس کے لیے ہمیں مغربی جمہوریت کے بجائے اسلامی، روحانی جمہوریت کو اپنانا ہوگا۔وطنی نظریۂ قومیت کے اسلامی تصورِ قومیت کے مطابق اتحادِ ملی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔کیپٹلزم، سوشلزم، فاشزم، ملوکیت کے بجائے اسلامی نظامِ معیشت اور اسلامی طرزِ حکومت اختیار کرنا ہوگا۔(۳۸)

پروفیسر فتح محمد ملک، 'اقبال۔۔۔فکر وعمل' میں لکھتے ہیں کہ اسلامی تصورِ قومیت اور روحانی جمہوریت کے نفاذ سے صرف عالمِ اسلام ہی کو نہیں بلکہ ساری کی ساری دنیائے انسانیت کو 'لا' کے مقامِ تخریب سے 'الا' کی منزلِ تعمیر کی جانب، نفی اور جمود سے اثبات اور حرکت کی جانب گامزن کر کے، ملوکیت، ملائیت، جاگیرداری اور سرمایہ داری کی نفی کر کے اسلامی جمہوری معاشرہ قائم کر کے ہر ایک کے لیے سلامتی و امن کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔(۳۹)

لا اور اِلّا اقبال کے نزدیک زندگی کی جدلیات میں منفی اور مثبت مقامات کے مماثل ہیں۔'لا' انقلاب کا تخریبی پہلو ہے اور 'الا' تعمیری۔'لا' سے جلال ظاہر ہے اور 'الا' سے جمال۔'لا' کا مقام تخریبی اور حرکی ہے۔الا کا مقام تعمیری ہے اور تعمیری کے بعد کا سکون 'الا' کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔باطل کے سامنے 'لا' کہنا ضروری ہے۔طبقاتی کشمکش کو یہی 'لا' انقلابی حرکت عطا کرتا ہے۔(۴۰)

نکتۂ می گویم از مردانِ حال امتاں را لَا جلال اِلّا جمال
لَا و اِلّا احتسابِ کائنات لَا و اِلّا فتحِ بابِ کائنات
ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نون حرکت از لَا زاید، از اِلّا سکون

پیشِ غیراللہ 'لا' گفتن حیات تازہ از ہنگامۂ اُو کائنات
بندہ را با خواجہ خواہی در ستیز؟ تخمِ لَا در مشتِ خاکِ او بریز
ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ اُو قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ اُو
روس را قلب و جگر گر دیدہ خوں از ضمیرش حرفِ لَا آمد بروں
آں نظامِ کہنہ را برہم زدست تیز تیشے بر رگِ عالم زد است
کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ لَا سلاطیں، لَا کلیسا، لَا اِلٰـــــہ (۴۱)

۱۔ میں صاحبِ حال بزرگوں کی بات بتاتا ہوں۔امتوں کے لیے 'لا' جلال ہےاور 'الا' جمال ہے۔
۲۔ 'لا'اور 'الا' کائنات کا احتساب ہے۔ 'لا'اور 'الا' سے کائنات (کے خزانوں) کا دروازہ کھلتا ہے۔
۳۔ یہ دونوں جہانِ کُن کی تقدیر ہیں۔ 'لا' سے حرکت میں اور 'الا' سے سکون میں اضافہ ہوتا ہے۔
۴۔ غیراللہ کے سامنے 'لا' کہنا زندگی ہے۔اسی کے ہنگامے سے کائنات میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔
۵۔ تو غلام کو آقا سے لڑانا چاہتا ہے تو اس کی مشتِ خاک میں 'لا' کا بیج بودے۔
۶۔ اس (لا) کے ہاتھوں ہر پرانی قبا چاک ہوئی۔قیصر وکسریٰ اس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔
۷۔ جب روس کا قلب وجگر خون ہوگیا تو اس کے ضمیر سے 'لا' کا لفظ اٹھ کھڑا ہوا۔
۸۔ اس نے اپنا پرانا نظام درہم برہم کردیا ہےاور جہان کی رگِ حیات پر تیز نشتر لگایا ہے۔
۹۔ میں نے اس انقلاب کے مقامات پر نظر ڈالی ہے۔اس نے پہلے سلاطین، پھر کلیسا اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی نفی کی ہے۔

اسلامی تصورِ قومیت کے ضمن میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے اندر سے ایک جہانِ نو کے طلوع ہونے کی بشارت دی ہے مگر یہ اسلام مروجہ اسلام نہیں حقیقی اسلام ہے۔وہ عمر بھر دُنیائے اسلام میں مرّوج اسلام کی مختلف اور متنوع شکلوں پر سے ملوکیت اور مُلّائیت کی گہری چھاپ اُتار کر اسلام کی حقیقی روح کی بازیافت میں منہمک رہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ملوکیت اور ملائیت کے اتحادِ فکر وعمل کے اسباب ونتائج پر 'جاوید نامہ' میں بڑی دل سوزی کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔خلافتِ راشدہ کے بعد، عرب شہنشاہیت کو علمائے سُو یعنی مُلّا نے ہی جواز ملوکیت فراہم کیا تھا۔(۴۲)

جاوید نامہ میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ملا کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

کم نگاہ و کور ذوق وہ ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرارِ کتاب کورِ مادر زاد و نورِ آفتاب
دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد (۴۳)

۱۔ یہ کم نگاہ، کم سمجھ اور ہرزہ گرد ہے۔اس کی باتوں کی وجہ سے ملت تقسیم ہوگئی ہے۔
۲۔ مکتب، ملا اور اسرارِ قرآن کا تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ پیدائشی اندھے کا سورج کی روشنی سے ہوتا ہے۔
۳۔ آج کافر کا دین فکر اور تدبیرِ جہاد ہے جبکہ ملا کا دین فی سبیل اللہ جہاد ہے۔

پروفیسر فتح محمد ملک، اپنی کتاب 'اقبال کے سیاسی تصورات میں دین اور مذہب میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام دین ہے اور فرقے مذہب۔ہر کسی کو اپنا اپنا مذہب، فقہ اور اپنا اپنا مسلک مبارک ہو۔ہر مسلک کے پیروکار اپنے مذہبِ فقہ پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذہب فقہ کا دلی احترام کریں کیونکہ دین سب کا اسلام ہے جو تمام مذاہبِ فقہ کی مشترک اساس ہے۔(۴۴)

دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہُوئے اقبال نے رسالہ 'بمبئے کرانیکل' کو انٹرویو دیتے ہوئے اسلامی تصورِ قومیت کو اسلامی تصورِ اتحاد، پان اسلازم اور پان ہیومنزم کا نام دیا اور پان اسلام ازم کے بارے میں قائم ایک غلط تصور کا ان الفاظ میں ذکر

کیا:

''پان اسلام ازم کا ایک اور تصور بھی ہے اور وہ یہ کہ اسلام رنگ ونسل اور تفاخر کی بنیاد پر آقا اور غلام کے غیر مہذب اور ناشائستہ مسلک پر قائم ہے۔ یہ مسلک انسانی مصائب کا سرچشمہ ہے۔''

اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اسلام روزِ اول ہی سے ان بتوں کی پرستش سے انکار اور انسانی اخوت ومساوات پر اصرار کرتا چلا آ رہا ہے۔ پان اسلام ازم کی یہ (متذکرہ بالا) شکل درحقیقت پان ہیومنزم ہے۔ اسلامی اتحاد کا یہ تصور جب حقیقت کی شکل اختیار کرے گا تب پتہ چلے گا کہ فی الحقیقت یہ تو انسانی اتحاد ہی کا ایک خوبصورت نام ہے۔''(۴۵)

حاصل کلام یہ ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخِ عالم، تاریخِ اسلام اور تاریخِ برصغیر کے تناظر میں، اسلام کی اخلاقی، معاشی، اقتصادی، سیاسی اور تہذیبی اقدار وتعلیمات کو جدید سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی تصورات ونظریات کے تقابل وموازنہ سے واضح کیا اور ان کی حقانیت، ضرورت اور اہمیت پر زور دیا اور واضح کیا کہ اسلامی تصورِ قومیت کے تحت ہی اتحاد عالمِ انسانی اور اتحادِ ملی قائم ہوسکتا ہے۔ انسان کو اگر اس کرۂ ارض پر عافیت کے ساتھ زندہ رہنا ہے، نسلی، لسانی، علاقائی اور معاشی تعصّبات سے چھٹکارا پانا ہے تو اسے مسلم قومیت کے حقیقی تقاضے پورے کرتے ہُوئے، راہِ حق پر گامزن ہونا ہوگا۔(۴۶)

اقبال کا تصورِ جمہوریت

جمہوریت:۔

جمہوریت ایک ایسا نظامِ حکومت ہے:

۱۔ جس میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک عوام ہیں۔

۲۔ عوام اپنے ووٹوں کے ذریعے پارلیمنٹ یعنی ملک کا اعلیٰ ترین دستور ساز ادارہ بناتے ہیں جو عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

۳۔ یہ حکومت عوام کے مفاد میں یعنی ان کی فلاح و بہبود کے لیے وجود میں آتی ہے۔

۴۔ اس کا انتخاب بھی عوام اپنی رائے سے کرتے ہیں۔(۱)

روحانی جمہوریت:۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی معاشرے کے لیے اسلام کے تصورِ شورائیت کے حوالے سے مسلمان عوام کے انتخاب اور کثرتِ رائے سے ایک ایسی پارلیمنٹ یا منتخب مجلسِ شوریٰ کے قیام کا تصور پیش کیا ہے جو معاشرے میں عدل و انصاف اور خوشحالی لانے کے لیے اجتہاد کی عصری تقاضوں کے مطابق جدید تعبیرات کرے اور مسلمانوں کو عہدِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے۔ اسے روحانی جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

روحانی جمہوریت دین اور سیاست کے ہم آہنگ ہونے کا نام ہے۔ حکومت دین کا چھٹا ستون ہے۔ حکومت اور ریاست کے بغیر دین قائم ہی نہیں ہو سکتا۔

مغربی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک عوام ہیں اور وہ اپنے سوا کسی اور کے سامنے جواب دہ نہیں مگر علامہ اقبال کی روحانی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو ہی زیبا ہے اور مسلمان خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے اس اقتدارِ اعلیٰ کے امین ہیں ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری (۲)

علامہ اقبال کے مغربی جمہوریت پر اعتراضات:۔

مغربی جمہوریت کے تصور پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعتراضات کا جائزہ لینے کے لیے ان کے فارسی اور اُردو کلام سے جمہوریت پر اعتراض کو ظاہر کرنے والے تمام اشعار درج ذیل ہیں تا کہ ٹھوس بنیادوں پر علامہ کے ان اعتراضات کی تفہیم حاصل کی جا سکے۔

☆

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

گرمئی گفتارِ اعضائے مجالس، الاماں یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو (۳)

☆

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی؟ ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری، غلام پختہ کارے شو کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید (۴)

۱۔ تم نیچ فطرت لوگوں سے حکیمانہ خیال کی توقع کرتے ہو۔ چیونٹی سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سی ذہانت کی توقع نہیں کرتے۔
۲۔ جمہوریت کو ترک کر دو، کسی عقل منداور پختہ انسان کے غلام بن جاؤ۔ کیونکہ دوسو گدھے بھی جمع ہو جائیں تو ان سے ایک انسان کے فکر کی توقع نہیں کر سکتے۔

☆

فرنگ آئینِ جمہوری نہاد است رسن از گردنِ دیوے کشاد است
چو رہزن کاروانے در تگ و تاز شکم ہا بہر نانے در تگ و تاز
گروہے را گروہے در کمین است خدایش یار اگر کارش چنین است
ز من دہ اہلِ مغرب را پیامے کہ جمہور است تیغِ بے نیامے (۵)

۱۔ یورپ نے جمہوریت کی بنیاد رکھ کر گویا دیو (شیطان) کے گلے سے رسی کھول دی ہے۔
۲۔ چور کی طرح کاروان ہی دوڑ دھوپ (لوٹ مار) میں مصروف ہے۔ سب لوگ (روح کو فراموش کر کے) پیٹ بھرنے کی فکر میں ہیں۔
۳۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کی گھات میں ہے۔ اگر ان کے کام ایسے ہی ہیں تو ان کا خدا ہی حافظ ہے۔
۴۔ میری طرف سے اہلِ مغرب کو پیغام دو کہ جمہوریت ایک ننگی تلوار ہے۔

☆

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے (۶)

☆

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر (۷)

☆

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس جب ذرا آدم ہُوا ہے خود شناس و خود نگر (۸)

☆

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے (۹)

☆

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری (۱۰)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی واردو کلام سے منتخب کردہ مندرجہ بالا اشعار کی رُو سے مغربی جمہوریت پر علامہ کے درج ذیل اعتراضات کی تفہیم حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ مغرب کا جمہوری نظام یورپ کی پرانی قیصریت یا بادشاہی نظام (ملوکیت) کی ہی ایک صورت ہے۔ اس نظام کے پردے میں یورپ کا پرانا سرمایہ دارانہ استبدادی نظام کارفرما ہے۔ اس لیے اس نظام کی بدولت سیاسی اور جمہوری آزادی ممکن نہیں۔

۲۔ پارلیمنٹ یا مجلسِ آئین ایک مجلسِ مباحثہ اور سرمایہ داروں کے اپنے مفادات کا تحفظ کرنے والا ایک ادارہ ہے۔
۳۔ جمہوریت میں افراد کی اکثریت فیصلہ کرتی ہے۔ افراد کی اہلیت (قابلیت) کو مدِّنظر نہیں رکھا جاسکتا۔ حالانکہ ایک مردِ دانا کئی ہزار افراد سے زیادہ مؤثر اور بہتر ہوتا ہے۔
۴۔ جمہوریت کا چہرہ روشن مگر باطن چنگیز کی طرح تاریک ہے۔ جمہوریت کے ادارے آزادی کے نام پر ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری نظام اور آمریت کے پھندے ہیں۔
۵۔ مغرب میں جتنی خرابیاں ہیں ان کے جمہوری نظام کی وجہ سے ہی ہیں جبکہ اہلِ مشرق غلامی کی بدولت اہلِ مغرب کے افکار سے متاثر ہوکر اندھا دھند ان کی تقلید کے خواہاں ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مغربی جمہوریت کی مندرجہ بالا خامیوں کے پیشِ نظر نہ تو مسلم اور غیر مسلم کے مخلوط معاشرے (برصغیر) میں اس کے نفاذ کے قائل تھے اور نہ ہی جدید اسلامی معاشرے میں خالص مغربی جمہوریت کے نفاذ کے قائل تھے۔ وہ روحانی جمہوریت کے نفاذ کے قائل تھے۔ ایسا متحدہ ہندوستان میں تو ممکن نہ تھا، صرف اسلامی ریاست میں ہی ممکن تھا۔ برصغیر میں مغربی جمہوریت کے نفاذ کا مطلب 'ہندو راج' اور مسلمانوں کی غلامی تھا۔ اس لیے انہوں نے اسلامی تصورِ قومیت کی اساس پر آزاد اسلامی ریاست کے قیام اور اس ریاست میں روحانی جمہوریت کے نفاذ کا تصور پیش کیا۔ اس ضمن میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں فرمایا ہے:

''میرے نزدیک یہی ایک طریقہ (پارلیمنٹ کے اجتہاد کا) ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اس روح کو جو ہمارے نظاماتِ فقہ میں خوابیدہ ہے ازسرِ نو بیدار کرسکتے ہیں۔ یونہی اس کے اندر ایک ارتقائی مطمعِ نظر پیدا ہوگا۔ ہندوستان (ہندو اکثریت اور مسلم اقلیت والے ہندوستان) میں البتہ یہ امر کچھ ایسا آسان نہیں کیونکہ ایک غیر مسلم مجلس (پارلیمنٹ) کو اجتہاد کا حق دینا شاید کسی طرح ممکن نہ ہو۔'' (۱۱)

جمہوریت کی افادیت کے پیشِ نظر، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوری نظام کو یکسر مسترد نہیں فرمایا۔ انہوں نے مغربی جمہوریت کی خرابیاں واضح کرنے کے بعد ان خرابیوں سے مبرّا اسلامی نظامِ جمہوریت (روحانی جمہوریت کا تصور) پیش کیا۔

اگر جمہوریت، ملوکیت، آمریت کی شکل اختیار نہ کرے، اس میں موروثی خلافت وحکمرانی (موروثیت) کی گنجائش نہ ہو، صرف قابلیت اور اہلیت کی بنا پر آزادانہ رائے سے مخلص اور دیانتدار، ذمہ دار اور فرض شناس، حق شناس اور حق پرست رہنما منتخب کر لیے جائے تو اس سے بہتر نظامِ حکومت کوئی نہیں ہے۔

دینِ اسلام کی رُو سے امتِ مسلمہ اجتماعی فیصلے کرتے ہوئے کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتی۔ رائے عامہ کی قدر و قیمت کا فیصلہ قیامِ پاکستان سے ثابت ہے۔ پاکستان عوام الناس کے ووٹوں کے نتیجہ میں ہی معرضِ وجود میں آیا تھا۔

اس ضمن میں ڈاکٹر وحید عشرت اپنے مضمون 'اقبال اور جمہوریت' میں رائے عامہ کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قیامِ پاکستان جو عوام الناس کے ووٹوں کا نتیجہ ہے اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ امتِ مسلمہ اجتماعی فیصلے کرتے ہوئے کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتی۔ ان پر اعتماد کیا جانا چاہیے جبکہ جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرارِ اسلام، خاکسار تنظیم اور دیگر بہت سے صالحین کے فیصلے، مسلمانوں کے مفادات سے متصادم، اسلام کے برصغیر میں مستقبل سے بے پرواہ، جھوٹی ذاتی اناؤں کے پروردہ اور اسلام کے مصالح کے قطعی طور پر منافی تھے۔ اگر ووٹ کا حق مسلم عوام کے بجائے ان 'صالحین' کو ہوتا تو پاکستان وجود میں نہ آتا۔ پاکستان کا قیام پاکستان کے عوام کی صائب رائے کا شہکار ہے۔'' (۱۲)

حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی حیاتِ اقدس سے مشاورتِ عامہ، رائے عامہ، جمہوریت کی قدر و قیمت اور اہمیت وضرورت کے بارے میں کئی مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور کتاب اللہ کے پابند تھے مگر نظم ونسق کے امور میں آپ ﷺ مختارِ کل ہوتے ہُوئے بھی مشورہ طلب فرماتے تھے اور صائب مشورہ قبول بھی فرماتے تھے۔

خلفائے راشدین کا انتخاب بھی جمہوری طریقہ کار کے تحت، رائے عامہ سے، لوگوں کے بیعت کرنے سے ہُوا تھا۔ اس نظام میں خلل ڈالنے کے نتیجہ میں شہادت امام مظلوم رضی اللہ عنہ کا حادثہ جانکاہ پیش آیا۔ اس کے بعد خلافت ملوکیت کی شکل اختیار کر گئی اور ملوکیت میں جبر واستبداد، آمریت اور موروثیت کی خرابیاں شامل ہوگئیں۔

تاریخِ عالم، تاریخِ اسلام اور برصغیر کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہی نظام (ملوکیت) اور اس میں رائج موروثیت کے اصول (نسل درنسل حکمرانی کا اصول) کی بدولت کسی مردِ مومن کے اقتدار پر آجانے کا ایک فی صد سے کم امکان ہے۔

برصغیر کی مسلم تاریخ میں سوائے اورنگ زیب، ٹیپو سلطان اور چند ایک حکمرانوں کے اس طریقے سے اقتدار پر کوئی اچھا حکمران کم ہی آیا ہے۔ اس میں بھی اول الذکر کو تلوار کے ذریعے اقتدار پر آنا پڑا اور اقتدار پر آنے کے لیے اسے اپنے بھائیوں اور باپ کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑے۔ پوری انسانی تاریخ بادشاہوں اور آمروں کی خون آشامیوں کی دردناک داستان ہے۔ ایسے میں عوام کی رائے سے تبدیلیِ حکومت یا انتقالِ اقتدار کا طریقہ ہی شرفِ انسانی اور فہم انسانی کے لحاظ سے صائب ہے۔ (۱۳)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کے بھی قائل تھے کہ اگر خلفائے راشدین کا نظام چلتا رہتا تو اس کے نتیجے میں جمہوری ادارے اور مجالس قانون ساز قائم ہو جاتیں اور افراد کے بجائے مقنّنہ اپنے اجتماعی فیصلوں سے قانون سازی کرتی۔ اموی اور عباسی خلفا نہیں چاہتے تھے کہ مذہب ملوکیت کے خلاف ایک طاقت کے طور پر مضبوط ہو کر سامنے آئے۔ اس لیے انہوں نے ملّائیت کا سہارا لیا اور اجتہاد کا حق کسی آزاد اور خود مختار مقنّنہ کو تفویض کرنے کے بجائے اپنے من پسند، مملوک علماء کو سونپ دیا۔ علامہ فرماتے ہیں:

''خلیفہ چہارم کے عہد میں جب اسلام میں مطلق العنان ملوکیت نے سر اٹھایا تو یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا کہ اجماع کو ایک مستقل تشریعی ادارے کی شکل دی جاتی، اموی اور عباسی خلفاء کا فائدہ اسی میں تھا کہ اجتہاد کا حق بحیثیت افراد مجتہدین کے ہاتھ میں رہے اس کی بجائے کہ اس کے لیے ایک مستقل مجلس قائم ہو جو بہت ممکن ہے انجام کار ان سے بھی زیادہ طاقت حاصل کر لیتی۔'' (۱۴)

لادینیت، مادیت، اخلاقی قدروں سے بیگانہ، رائے عامہ کے غلط استعمال والی مغربی جمہوریت کی خرابیوں کے پیشِ نظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے روحانیت، اعلیٰ اخلاقی قدروں کی حامل، درست رائے عامہ اور رائے عامہ کے تفویض کردہ اختیارات کے درست استعمال کرنے والی روحانی جمہوریت کا تصور دیا۔ انہوں نے روحانی جمہوریت کے نفاذ کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد، آزاد اسلامی جمہوریتوں کے قیام اور ان کے باہمی اتحاد سے انجمنِ اقوام کی تشکیل کا تصور دیا۔ انہوں نے فرمایا:

''بحالتِ موجودہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم اسلامیہ میں ہر ایک کو اپنی ذات میں ڈوب جانا چاہیے۔ اپنی ساری توجہ اپنے آپ پر مرتکز کر دیں حتیٰ کہ ان سب میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ باہم مل کر اسلامی جمہوریتوں کی ایک برادری کی شکل اختیار کر لیں۔'' (۱۵)

''اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ شاید ہم مسلمانوں کو بتدریج سمجھا رہی ہے کہ اسلام نہ تو وطنیت ہے نہ شہنشاہیت بلکہ ایک انجمنِ اقوام۔'' (۱۶)

تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ کے بغور مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق

۱۔ جمہوری طرزِ حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ (۱۷)

۲۔ تمام مسلم ممالک کو چاہیے کہ اپنے حالات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق فقہ اسلامی کی تشکیلِ نو کریں۔ اس کام کے لیے وہ اپنے اپنے ہاں مجالسِ قانون ساز تشکیل دیں۔ (۱۸)

۳۔ اسلام میں مغربی وطنیت، ملوکیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (۱۹)

۴۔ یورپ انسان کی روحانی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یورپ کے فساد زدہ، باہمہ دیگر حریف جمہوریتیں ارتکازِ زر اور ناداروں کی پامالی میں متشکل ہو رہی ہیں۔ لہٰذا آج کا انسان شدید اضطراب سے گزر رہا ہے۔ عالمِ انسانی کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص اور وہ بنیادی اصول جن کی نوعیت عالمگیر ہو اور جن سے انسانی معاشرے کا ارتقاء روحانی اساس پر ہوتا رہے۔ (۲۰)

۵۔ عصرِ حاضر میں عالمِ انسانی کی ضروریات اور تقاضوں کی تسکین کے لیے ہمیں چاہیے کہ حیاتِ اجتماعیہ کی از سرِ نو اسلام کے بنیادی

اصولوں کی رہنمائی میں تشکیل کریں تا کہ انسانی معاشرے میں روحانی جمہوریت نشوونما پائے اور تکمیل کو پہنچے۔(۲۱)

۶۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں حیاتِ اجتماعیہ کی اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق تشکیلِ نو کے وقت ترکی کے نئے اجتہاد کی خوبیوں، یورپ کی مادیت اور روس کی اشتراکیت کی خرابیوں کو بھی مدّنظر رکھنا چاہیے۔(۲۲)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ دین کو حیاتِ کلی پر محیط تصور کرتے ہُوئے سیاست کو بھی اس کے تابع رکھنے کے قائل تھے اور دین کی روشنی میں ہی نظامِ سیاست کی تشکیل چاہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے دین اسلام کی روشنی میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق مغربی جمہوریت کی خرابیاں بیان کی اور روحانی جمہوریت کا تصور پیش کیا۔

دین اسلام کے مطابق انسان خلیفۃ الارض ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دین اسلام کے مطابق زندگی بسر کریں اور معاشرے میں اسلامی ضابطۂ حیات کی پابندی یقینی بنائیں۔

کائنات کا اصل حاکم خدا ہے۔ سروری، اقتدار اور اختیار صرف اس کو حاصل ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے، اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات استعمال کرنے کا پابند ہے۔

مغربی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کُلّی طور پر عوام کی ملکیت ہے کسی ملک کے عوام چاہیں تو شراب کو حرام قرار دیں اور چاہیں تو حلال بنا دیں۔ مگر روحانی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کسی فرد یا کسی قوم کی مِلک نہیں بلکہ خدا کی ملکیت ہے اور خدا کے نائب ہونے کی حیثیت سے وہ خدا کی مرضی کو نافذ کرنے کے پابند ہیں۔

مغربی نظامِ جمہوریت کے مطابق عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے قائم ہوتی ہے جبکہ روحانی نظامِ جمہوریت کے مطابق خدا کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔

اسلام میں تھیاکریسی نہیں ہے۔ تھیاکریسی میں اقتدارِ اعلیٰ کسی ایک طبقے یا گروہ کے پاس ہوتا ہے۔ وہ خود کو خدا کا مامُور تصور کرتا ہے اور خدا کی مرضی کا خود کو شارح بنا کر پیش کرتا ہے۔

اسلام نے مذہبی انسان (پادری عیسائیت میں اور مولوی اسلام میں) اور ایک عام انسان میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا اور ہر طرح کی رہبانیت مکمل طور پر ممنوع قرار دی ہے۔ اسلام میں ہر مسلمان خدا کا نائب اور خدا کی امانت کا امین اور جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''خبردار رہو، تم میں سے ہر ایک راعی (حکمران) ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب پر حکمران ہو وہ بھی راعی ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ (ہے)۔''(۲۳)

اقتدار و اختیار سب سے بڑی امانت ہے۔ اس کو امین لوگوں کے سپرد کرنے کا حکم ہے۔ اس کا اسلامی طریقہ 'بیعت' یعنی 'عہد کرنے' کا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا .....O (النساء۴ آیت ۵۸)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی امانتیں (یعنی اعتماد و اختیار) اہل امانت (امین لوگوں) کے سپرد کرو۔''(۲۴)

ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ روحانی جمہوری نظام سے منتخب ہونے والے ان صاحبِ امر، صاحبِ اختیار حکمرانوں کی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں اطاعت کرو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ .....O (النساء۴ آیت ۵۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔''(۲۵)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اگر حکمران خلافِ شریعت کو حکم دیں یا خلافِ شریعت چلیں تو ان کی اطاعت نہ کرو بلکہ مخالفت کرو اور انہیں معصیت سے باز رکھو۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث ہے جو عبادہ بن صامت نے روایت کی ہے:

''ہم اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے جب تک کہ ہم ان کے کاموں میں کھلم کھلا کفر نہ دیکھیں جو ہمارے پاس ان کے خلاف اللہ کی طرف سے ایک دلیل ہے۔''(۲۶)

مزید ارشاد ہُوا:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔ طاعت صرف معروف اور نیکی کے کاموں میں ہے۔(۲۷)

مندرجہ بالا احکامات کے پیشِ نظر جمہوری طریقے سے مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ وغیرہ) کی تشکیل کا حکم ہے جو خدا کے احکام کا نفاذ یقینی بنائے اور عدم نفاذ کی صورت میں احتساب یقینی بنائے۔

جمہوریت کے لوازم:۔

۱۔ جمہوریت کا ایک لازمی تقاضا فروغ علم ہے۔ یہ علم (دین و دنیا دونوں کا) ہونا ضروری ہے۔

۲۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے عوام کی معاشی فلاح لازم ہے۔ ہر مسلمان جمہوری حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کو بنیادی ضروریات کی فراہمی یقینی بنائے۔

۳۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے قانون کی حکمرانی اور بالادستی بھی نہایت ضروری ہے۔

۴۔ جمہوری نظام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ عوام کی اخلاقی اور سیاسی تربیت کی جائے۔ جتنی توجہ اسلامی حکومت اس پر دے گی اتنی ہی عوام میں سیاسی اور اخلاقی بیداری اور قوت پیدا ہوگی اور وہ اپنے ملک کے سیاسی نظام کے لیے مفید ہوسکیں گے۔

۵۔ جمہوری نظام میں فوری احتساب کو یقینی بنایا جائے تاکہ اول تو سرمایہ دار، جاگیردار، خودغرض، مفاد پرست افراد اس نظام کا حصہ نہ بنیں۔ اگر وہ اس نظام میں شامل ہوں تو فوری احتساب کے ڈر سے جرائم سے باز رہیں۔

عبدالکریم عابد، اپنے مضمون 'اقبال اور جمہوریت' میں لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شرق و غرب کے سرچشموں تک رسائی حاصل کی تھی اور وہ قدیم و جدید دونوں فلسفوں سے نہ صرف گہری واقفیت رکھتے تھے بلکہ ان پر نقد و جرح کی بصیرت بھی انہیں حاصل تھی..... برکلے اور برگساں جیسے فلسفیوں سے انہوں نے ذاتی طور پر ملاقات کی تھی اور تفصیلی تبادلۂ خیال کیا تھا۔ حالاں کہ برگساں خرابیِ صحت کی بنا پر لوگوں سے ملتا نہیں تھا لیکن اقبال سے وہ خود ملاقات کا آرزومند تھا۔ اقبال نے زمان و مکان کے بارے میں ایک مقالہ لکھا تھا اور اسے پروفیسر میگ ٹیگرٹ نے ناکارہ قرار دیا اور اقبال نے مایوس ہوکر مقالہ پھاڑ دیا اور پھینک دیا۔ بعد میں میگ ٹیگرٹ بہت پچھتایا کیوں کہ جو نظریات اقبال نے اس مقالے میں ظاہر کئے تھے وہ بعدازاں برگساں نے پیش کئے اور یورپ میں اس کے سبب برگساں کو شہرت ملی۔ میگ ٹیگرٹ کو عمر بھر افسوس رہا کہ اس نے اقبال کا مقالہ ضائع کرادیا۔''(۲۸)

اقبال کوئی معمولی شخصیت نہ تھے۔ جدید اسلامی تاریخ میں اس درجے کا کوئی دوسرا مفکر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں میں اقبال سے زیادہ نہ کسی نے مشرق کو سمجھا ہے نہ مغرب کو۔ اقبال نے بیک وقت مغربیت، ہندی قومیت، اشتراکیت کے خلاف کامیاب جنگ کی اور اس نے مسلمان کو نامسلمان بننے سے بچایا۔

اقبال کے نظریات و افکار پر بہت تنقید بھی ہُوئی۔ انہیں تنگ نظر، فرقہ پرست، رجعت پسند، فاشسٹ اور نہ جانے کیا کچھ کہا گیا۔ ان ناقدین کے اعتراضات کا جائزہ لیں تو ان کے کمزور دلائل، بے جا تاویلات خود ان کی اپنی تنگ نظری، تعصب، کم عقلی اور کم علمی ثابت کرتے ہیں۔ آج تک کوئی بھی نقاد علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار، تصورات اور نظریات میں کوئی خاطر خواہ، مستحسن اضافہ یا تبدیلی نہیں کرسکا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خاص تحقیقی و تنقیدی شعور رکھتے تھے۔ وہ حقائق تک رسائی کے لیے اس تحقیقی و تنقیدی شعور سے بھرپور کام لیتے تھے۔ اس ضمن میں وہ اپنی ڈائری شذراتِ فکر اقبال میں لکھتے ہیں:

''یورپ کی مختلف اقوام کے سامراجی عزائم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب جمہوریت سے بیزار ہیں۔ انگلستان اور فرانس میں جمہوریت

کے خلاف ردِّ عمل ایک بہت معنی خیز مظہر ہے۔ لیکن اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے سیاسیات کے طالب علم کو اس کے خالص تاریخی اسباب کی تفتیش واکتشاف پر ہی اکتفانہ کرنا چاہیے بلکہ زیادہ گہری نظر سے اس ردّ عمل کے نفسیاتی اسباب کا سراغ لگانا چاہیے۔''(۲۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے مطالعے کے دوران نہ صرف واقعات کے تاریخی اسباب مدِّنظر رکھتے تھے بلکہ وہ ان نفسیاتی عوامل کا بھی کھوج لگاتے تھے جن کی وجہ سے وہ ردّ عمل، مزاحمت یا واقعہ سامنے آیا۔ اس ضمن میں دو مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ انگلستان اور فرانس میں جمہوریت کے خلاف ردّ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ یورپی اقوام مغربی نظامِ جمہوریت کی خرابیوں سے بیزار ہو کر تبدیلی کا سوچ رہی ہیں۔

مطالعہ، تحقیق، تنقید اور اخذ وقبول کے معاملات میں اقبال کا رویہ بڑا متوازن اور غیر جذباتی رہا۔ اس ضمن میں محمد حسن عسکری اپنے مضمون 'اقبال، جمہوریت اور ملوکیت' میں لکھتے ہیں کہ اسلامی دورِ خلافت اور دورِ ملوکیت کے مطالعے کے دوران اقبال کا رویہ بڑا متوازن اور غیر جذباتی رہا ہے۔ نہ تو وہ بادشاہت پرستی کی رو میں بہہ کر جمہوریت کو بھولے ہیں اور نہ جمہوری جذباتیت کے زور میں انہوں نے تیرہ سو سال کی تاریخ کو قلمزد کیا ہے۔ اسلام نے انسانوں کے سامنے مساوات، اخوت اور جمہوریت کا جو نصب العین رکھا تھا اقبال نے اسے اپنی نظروں سے محو نہیں ہونے دیا۔ اس نصب العین کو نظر انداز کر کے مسلمانوں نے اجتماعی حیثیت سے جو زبردست نقصانات اٹھائے ہیں اس کا تو اقبال کو بڑا شدید احساس ہے۔ انہوں نے اس کے بارے میں بڑی دردمندی کے ساتھ نثر اور نظم دونوں میں بار بار لکھا ہے۔

تاریخ اجتماعی تجربے کا خزانہ ہے۔ اجتماعی تجربے کے اس خزانے سے فائدہ نہ اٹھانے سے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کے اچھے اور بُرے دونوں پہلوؤں کو مدِّنظر رکھا۔ انہوں نے اسلام کے اساسی اصولوں کی روشنی میں اس کے مصائب اور محاسن کو پرکھا۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سمجھا اور اسلامی جمہوریت (روحانی جمہوریت) کا تصور پیش کیا۔(۳۰)

جمہوریت پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل چار مضامین کا خصوصی طور پر مطالعہ ضروری ہے۔ یہ مضامین ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۸ء کے درمیان کے عرصہ میں لکھے گئے:

Islam as a Moral and Political Idea (1909)
Muslim Democracy (1917)
Political Thought in Islam (1910)
Diving Right Rule (1928)

اول الذکر مضمون ''اسلام ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے'' 'ہندوستان ریویو'، الہ آباد میں جولائی ۱۹۰۹ء میں شائع ہُوا۔ اس میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے لیے بہترین طرزِ حکومت جمہوریت ہی ہو سکتا ہے کیونکہ یہی نظام فرد کے تمام امکاناتِ ارتقاء کی ضمانت دیتا ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلیفۃ المسلمین منزہ عن الخطا نہیں۔ اس لیے وہ بھی مقررہ قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح دیگر افرادِ معاشرہ۔ وہ عوام ہی کا منتخب کردہ ہوتا ہے اور اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ ترکی سلطان (سلطان مراد) پر ایک معمار کی درخواست پر عام عدالت میں مقدمہ چلایا گیا تھا اور شہر کے قاضی نے اسے جرمانہ کر دیا تھا۔(۳۱)

۱۹۱۰ء میں ''ہندوستان ریویو'' میں ہی چھپنے والے مضمون Political Thought in Islam میں قبل از اسلام کے اہل عرب میں رائج جمہوری طریقہ کار کا ذکر کرتے ہوئے، علامہ لکھتے ہیں:

> ''جب کسی عرب قبیلے کا سردار یا شیخ مرجاتا تو قبیلے کے تمام اکابر ایک جگہ جمع ہوتے اور دائرے کی شکل میں مجلس منعقد کر کے جانشینی کے معاملے میں بحث وتمحیص کرتے۔ قبیلہ کا کوئی رکن جس کو معتبر ومقتدر خاندانوں کے اکابر اور رؤسا باتفاق رائے منتخب کر لیتے، قبیلے کا سردار بن سکتا تھا۔ بقول خان کریم بادشاہت کا مفہوم عرب دل ودماغ سے ہرگز مانوس نہ تھا۔ ہاں کبرسنی اور بزرگی کا اصول جس کو موجودہ سلطنتِ ترکی کے نظامِ حکومت میں سلطان احمد اول کے زمانے میں قانوناً تسلیم کر لیا گیا تھا یقیناً انتخاب کے وقت منتخب کرنے والوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا تھا۔''(۳۲)

اس مضمون میں آگے چل کر اقبال لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ عامر بن الطفیل حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ:

''اگر میں اسلام قبول کرلوں تو مجھے کیا منصب و مرتبہ دیا جائے گا؟ کیا آپؐ اپنے بعد مجھے سرداری سونپ دیں گے؟''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اس کا ہرگز اختیار نہیں۔''(۳۳)

خلفائے راشدین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک کے مطابق جمہوری طریقے سے تفویضِ خلافت کا فریضہ سرانجام دیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی رحلت سے قبل اپنے جانشین کی نامزدگی کا کام سات انتخاب کنندگان کے سپرد کیا اور یہ شرط عائد کردی کہ انتخاب مکمل اتفاق رائے پر مبنی ہوگا اور تم سات میں سے کوئی خلافت کا امیدوار یا دعویدار نہیں ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا خود اپنے فرزند کو خلافت کی امیدواری سے مستثنیٰ رکھنا کس قدر روشن اور جلی ثبوت ہے۔ اس الم نشرح حقیقت کا کہ اس زمانے تک عرب کے سیاسی دل و دماغ کو روایتی بادشاہت کے خیال سے قطعاً بُعد اور مغائرت تھی۔(۳۴)

شروع میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی جمہوریت کی خوبیوں کے پیشِ نظر اسے مستحسن قرار دیا۔ مگر بعد میں اس کی خرابیوں سے آگاہ ہونے پر اسے ملوکیت اور استعماریت کی ایک بدلی ہوئی شکل قرار دیا۔(۳۵)

دراصل ہر طرزِ حکومت و سیاست کے پیچھے ایک مخصوص تصورِ حیات اور تصورِ انسان والہ کارفرما ہوتا ہے۔ مغربی جمہوریت انگلستان میں صنعتی انقلاب کے بعد مدوّن ہونا شروع ہوئی۔ سیاست اور دین کی علیحدگی اور مادی و دینوی زندگی کی خوشحالی کے نظریے کے تحت اہلِ مغرب نے درج ذیل اصول فکری طور پر تسلیم کر لیے اور ان کے مطابق اپنا نظامِ حیات تشکیل دیا۔ یہ اصول مغربی جمہوریت کے فکری محرکات ہیں۔ ان کے مطابق

۱۔ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔
۲۔ دین اور سیاست الگ الگ تصورات ہیں۔
۳۔ مادہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔
۴۔ مذہب کی حیثیت بھی مادی اور ارتقائی ہے اور یہ منزل مِنّ اللہ نہیں۔
۵۔ منظور ہی موجود ہے اور دنیا ہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔(۳۶)

مغربی جمہوریت کی تمام خرابیوں کو مدنظر رکھتے ہُوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے روحِ اسلام پر مبنی روحانی و مادی ترقی و خوشحالی، دینی و دنیوی اور آخری فلاح کے تصور پر مبنی اخلاقی اصولوں سے آراستہ 'روحانی جمہوریت' کا تصور پیش کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنے چھٹے خطبے The Principle of Movement in the Structure of Islam میں جو انہوں نے نومبر ۱۹۲۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا تھا 'روحانی جمہوریت' کے بارے میں فرمایا:

> ''ہمیں چاہیے آج ہم اپنے موقف کو سمجھیں اور اپنی حیاتِ اجتماعیہ کی از سرِ نو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں تا آنکہ اس کی وہ غرض و غایت جو ابھی تک صرف جزواً ہمارے سامنے آئی ہے۔ یعنی اس روحانی جمہوریت کی نشو ونما جو اس کا مقصود و منتہا ہے، تکمیل کو پہنچ سکے۔''(۳۷)

روح جمہوریت:۔

روحانی جمہوریت (اسلامی جمہوریت) کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تمام افکار کا جائزہ لیں تو ان کے مطابق درج ذیل خصوصیات اس کی اساس یا روح کی حیثیت رکھتی ہیں:

۱۔ توحید:۔

روحانی جمہوریت کی اولین اور ناگزیر اساس توحید ہے۔ کائنات کے اتحاد کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ یہ ہم سے صرف خدا کی عبودیت اور انقیاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے 'رموزِ بے خودی' میں 'توحید' کی ضرورت واہمیت کے بارے میں یوں بیان کیا ہے ؎

ایں کہ در صد سینہ پیچد یک نفس — سِرّے از اسرارِ توحید است و بس
یک شو و توحید را مشہود کن — غائبش را از عمل موجود کن
دین ازو، حکمت ازو، آئیں ازو — زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو
قدرتِ او برگزیند بندہ را — نوعِ دیگر آفریند بندہ را
بیم و شک میرد، عمل گیرد حیات — چشم می بیند ضمیرِ کائنات
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما (۳۸)

۱۔ دیکھو، سینکڑوں سینوں میں ایک ہی سانس چل رہی ہے۔ یہ بھی توحید کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔
۲۔ ایک ہو جاؤ اور توحید کا عملی نمونہ بن جاؤ۔ کلمۂ توحید کا جو مفہوم چھپا ہوا ہے اسے عمل کے ذریعے وجود میں لے آؤ۔
۳۔ دین اس سے ہے، حکمت اس سے ہے، شریعت اس سے ہے۔ زور اس سے ہے، قوت اس سے ہے، استحکام اس سے ہے۔
۴۔ اس کی قدرت بندے کو برگزیدہ بنا دیتی ہے۔ اسے نئی نوع میں تبدیل کر دیتی ہے۔
۵۔ (توحید سے) خوف اور شک دور ہو جاتا ہے، زندگی عمل بن جاتی ہے۔ انسان کی نگاہ کائنات کے پوشیدہ راز دیکھنے لگتی ہے۔
۶۔ لا الہ ہمارے اسرار کا سرمایہ ہے۔ اسی سے ہمارے افکار کی شیرازہ بندی ہے۔

۲۔ رسالت:۔

روحانی جمہوریت کی دوسری ناگزیر اساس عشقِ مصطفیٰ ﷺ ہے کیونکہ یہی عشق افرادِ قوم کو ایک نقطے پر جمع کر سکتا ہے۔ صرف اسی ذات مبارک کی وابستگی اس پریشان شیرازے میں نظم پیدا کر سکتی ہے۔ (۳۹)

سروری در دینِ ما خدمت گری است — عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
در ہجومِ کارہائے ملک و دیں — با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
ہر کہ عشقِ مصطفٰے سامانِ اوست — بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
رُوح را جز عشقِ اُو آرام نیست — عشقِ او روزیست کُو را شام نیست (۴۰)

۱۔ ہمارے دین اسلام میں حکمرانی عوام کی خدمت کرنے کا نام ہے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کے عدل اور حضرت علیؓ کے فقر پر مبنی ہے۔
۲۔ حکومت اور دین کے معاملات کے ہجوم میں اپنے دل کے ساتھ بھی ایک لمحہ تنہائی میں گزار۔
۳۔ وہ مسلمان جنہوں نے حکومت کی، وہ شہنشاہی میں بھی فقیر منش رہے۔
۴۔ جس کسی کے پاس عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا سامان موجود ہو، تری اور خشکی کی ہر شے اس کے دامن میں آجاتی ہے۔
۵۔ آپ ﷺ کے عشق کے بغیر روح کو کہیں آرام نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا عشق وہ دن ہے کہ جسے کوئی شام نہیں۔

جمہوری نظام میں نظم وضبط، ضابطۂ اخلاق، قانون سازی اور اتباعِ قانون حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک ہستی کی وجہ سے ہی ہے۔ اسی سے اسلام کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی نظام میں جمعیت اور باہمی اتحاد پایا جاتا ہے ؎

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزارِ ما یک است — جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است
ما ز حکمِ نسبتِ او ملّتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم

دامنش از دست دادن مردن است چوں گل از بادِ خزاں افسردن است
فرد از حق ملّت از وے زندہ است از شعاعِ مہرِ او تابندہ است
از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما (۴۱)

۱۔ اس جہان میں ہمارا وجود رسالت سے ہی ہے۔ رسالت سے ہی ہمیں دین ملا اور شریعت ملی۔
۲۔ رسالت کی ہی بدولت ہم لاکھوں ہونے کے باوجود ایک ہیں۔ (اسی کی بدولت) ہمارا ہر ایک جزو جو دوسرے جزو سے جڑا ہوا ہے وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتا۔
۳۔ ہم آپ ﷺ سے تعلق کی بدولت ملت بن گئے اور دنیا والوں کے لیے رحمت کا پیغام بن گئے۔
۴۔ آپ ﷺ کا دامن چھوڑنے کا مطلب موت ہے ایسے ہی جیسے پھول خزاں کی ہوا سے مرجھا جاتا ہے۔
۵۔ فرد اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ رہتا ہے اور ملت آپ ﷺ کی بدولت زندہ ہے اور آپ ﷺ کے لطف وکرم کی بدولت تابندہ ہے۔
۶۔ رسالت نے ہمیں ہم نوا کر دیا، ایک دوسرے کا رفیق بنا دیا اور ایک ہے مقصد پر اکٹھے کر دیا۔

۳۔ آزادی، عدل، انسانی اخوت:۔

تیسرا اصول آزادی (حرّیت)، عدل (مساوات) اور انسانی اخوت ہے۔ اسلام نے اقتصادی اور سیاسی غلامی، ظلم وتعدی اور رسمِ غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام نئی اقدار کو بروئے کار لایا اور نسلِ انسانی کو نجات اور آزادی کا راستہ دکھایا۔ (۴۲)

حریت زاد از ضمیرِ پاک او ایں مئے نوشیں چکید از تاک او
عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است چشم در آغوشِ او وا کردہ است
ناشکیبِ امتیازات آمدہ در نہادِ او مساوات آمدہ (۴۳)

۱۔ آپ ﷺ کے پاک ضمیر سے آزادی پیدا ہوئی۔ یہ لذیذ شراب اسی انگور سے نکلی۔
۲۔ دورِ جدید کہ جس میں سینکڑوں چراغ پیدا ہوئے، اس کی آنکھ آپ ﷺ کی ہی آغوش میں کھلی ہے۔
۳۔ (آپ ﷺ کی قائم کردہ) اس امت کے نزدیک ہر امتیاز ناقابلِ برداشت تھا۔ اس کی فطرت میں مساوات رچی بسی ہوئی تھی۔

۴۔ رواداری:۔

اسلامی جمہوریت کا چوتھا اصول رواداری ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

دیں سراپا سوختن اندر طلب انتہایش عشق و آغازش ادب
حرفِ بد را برلب آوردن خطاست کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست!
آدمیت احترامِ آدمی باخبر شو از مقامِ آدمی
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق می شود بر کافر و مومن شفیق
کفر و دیں را گیر در پہنائے دل دل اگر بگریزد از دل، وائے دل
گرچہ دل زندانیٔ آب و گل است ایں ہمہ آفاق آفاقِ دل است (۴۴)

۱۔ دین اللہ تعالیٰ کی طلب میں سرتاپا جلنے کا نام ہے۔ اس کی انتہا عشق اور اس کی ابتدا ادب ہے۔
۲۔ بری بات ہونٹوں پر لانا خطا ہے۔ کافر اور مومن سب خدا کی مخلوق ہیں۔
۳۔ آدمیت، احترامِ آدمی (اور) آدمی کے مقام سے باخبر ہو۔
۴۔ بندۂ عشق، اللہ تعالیٰ کے (تعلیم کردہ) طریقے پر عمل کرتا ہے۔ وہ کافر اور مومن دونوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے۔

۵۔ تو کفر اور دین کو دل کی گہرائی میں رکھ۔ اگر دل دوسرے دل سے پرے رہتا ہے تو ایسے دل پر افسوس ہے۔
۶۔ اگر چہ دل مٹی اور پانی (سے بنے بدن) کی قید میں ہے، یہی ساری کائنات، دل کی ہی کائنات ہے۔

۵۔ عصری اجتہاد:۔

روحانی جمہوریت میں عصری اجتہاد بڑی دُور رس اہمیت کا حامل ہے۔ عصری اجتہاد روحانی جمہوریت کے صحت مندانہ ارتقا کے لیے ناگزیر ہے۔(۴۵)

حوالہ جات وحواشی

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (شخصیت، حالاتِ زندگی، فکر وفنی ارتقا اور تصانیف کا اجمالی جائزہ)

۰۱۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال (لاہور: بزمِ اقبال، طبع ہشتم، نومبر 2005ء)، ص29
۰۲۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص30
۰۳۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص30
۰۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار دوم، 2008ء)، ص225
۰۵۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء (لاہور: بزم اقبال، اشاعت اول، اکتوبر 1998ء)، ص12
۰۶۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص13
۰۷۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص29
۰۸۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص29
۰۹۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص13
۱۰۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص225
۱۱۔ عابد علی عابد، سید، شعرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، ب ن، 1993ء) ص47
۱۲۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص14
۱۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص105
۱۴۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص14
۱۵۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص16
۱۶۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص17
۱۷۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص18
۱۸۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص20
۱۹۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص21 تا22
۲۰۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص41
۲۱۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکرِ اقبال، ص40
۲۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص157
۲۳۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، مشمولہ علامہ اقبال کا خصوصی مطالعہ، ص8
۲۴۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص30
۲۵۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء، ص33
۲۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص161
۲۷۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص159

۲۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ 1982ء)، ص 207
۲۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص 364
۳۰۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود، ص 436 تا 443
۳۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، حرفِ اقبال، مرتبہ و مترجمہ: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، بار اول، 1984ء)، ص 29
۳۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص 268

اقبال اور اسلام

۰۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات کا جواب، مشمولہ: حرفِ اقبال، مترتب و مترجم: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، بار اول، اگست ۱۹۸۴ء) ص ۱۴۶
۰۲۔ علم کلام بحث و مناظرہ کا منطقی اور استدلالی علم ہے جس کی رو سے عقائدِ دین کو سمجھا جاتا ہے اور ان عقائد پر اعتراضات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔
۰۳۔ 'قُل ھواللہ' سورۃ اخلاص کی پہلی آیت ہے۔ اس کا مطلب ہے 'کہہ دو کہ اللہ ایک ہے' اس میں توحید کے اقرار اور اعلان کا حکم ہے۔ ان اشعار میں علامہ ''قائدینِ امت کی کمزوریٔ ایمان کی نشاندہی کرتے ہیں، وحدت فکر و عمل پر زور دیتے ہیں اور اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ وحدت توحید کے تقاضوں میں سے ہے۔
۰۴۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۹۶ء) ص ۴۸۷/ ۲۵
۰۵۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۴۹۹/ ۳۷
۰۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرار و رموز، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۳ء) ص ۹۱
۰۷۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۱
۰۸۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۲
۰۹۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیات اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن، ب ن) ص ۱۵۷
۱۰۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۲
۱۱۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۱۵۸
۱۲۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۲
۱۳۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۱۵۸
۱۴۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۲
۱۵۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۱۶۰
۱۶۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۳
۱۷۔ قرآن مجید، سورۂ آلِ عمران ۳ آیت ۱۰۳
۱۸۔ اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد دین اسلام ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو باہمی اخوت، اتفاق، ذکر و فکر اور شکر کا حکم دیا گیا ہے۔
۱۹۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۳
۲۰۔ محمد اقبال، اسرار و رموز، ص ۹۴

۲۱۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۱۶۱
۲۲۔ قرآن مجید، سورۃ الزمر، آیت ۵۳
۲۳۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۹۵
۲۴۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۶۲
۲۵۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۹۶
۲۶۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۹۵
۲۷۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۱۶۲
۲۸۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۸۰/۷/۱۹۲
۲۹۔ محمد اقبال، مثنوی مسافر، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۸۸۱/۸۰
۳۰۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۳۶۰/ ۶۸
۳۱۔ محمد اقبال، پس چہ باید کرد، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۸۱۳/ ۱۷
۳۲۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۹۸۳/۱۰۱
۳۳۔ این میری شمل، پروفیسر ڈاکٹر، شہپرِ جبریل، مترجم، ڈاکٹر محمد ریاض (لاہور: گلوب پبلشرز، اردو بازار، باراول، ۱۹۸۵ء) ص ۱۱۸
۳۴۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۷۷/ ۱۵
۳۵۔ محمد عثمان، پروفیسر، اسرار ورموز پر ایک نظر (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باردوم، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۲۲
۳۶۔ محمد عثمان، اسرار ورموز.....، ص ۱۲۲
۳۷۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۶۹۱/ ۴۹
۳۸۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۱
۳۹۔ حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷۰
۴۰۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۲
۴۱۔ حمید اللہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷۲
۴۲۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۲
۴۳۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷۳
۴۴۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۱
۴۵۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷۱
۴۶۔ محمد عثمان، اسرار ورموز پر ایک نظر، ص ۱۲۵
۴۷۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۳
۴۸۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۴
۴۹۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، شرح کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷۵
۵۰۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۰۴
۵۱۔ محمد اقبال، بانگِ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۶۵
۵۲۔ محمد عثمان، اسرار ورموز پر ایک نظر، ص ۱۲۸

۵۳۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ (اردو)، مترجم: سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ب ن، جنوری ۲۰۱۰ء) ص ۱۹۰ تا ۱۹۴ء، ۲۱۱ تا ۲۱۲
۵۴۔ محمد اقبال، تشکیلِ جدید.....، ص ۱۶۴ تا ۱۶۵
۵۵۔ محمد اقبال، تشکیلِ جدید.....، ص ۱۳۸
۵۶۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۴۰۵
۵۷۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۲۱
۵۸۔ محمد اقبال، بانگِ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۲۰۳
۵۹۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۴۷۶
۶۰۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۷۱
۶۱۔ محمد اقبال، تشکیلِ جدید.....، ص ۱۳۳
۶۲۔ محمد اقبال، خطبہ عیدالفطر، مشمولہ: مقالاتِ اقبال (لاہور: آئینہ ادب، بار دوم، ۱۹۸۸ء) ص ۲۸۲ تا ۲۸۸
۶۳۔ محمد اقبال، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۴۳
۶۴۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۱۰۱، ۱۰۲
۶۵۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۵۱۹
۶۶۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۷۴
۶۷۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۹۷
۶۸۔ این میری شمل، شہپرِ جبریل، ص ۲۴۶
۶۹۔ محمد اقبال، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۴۶۹/ ۷۷، ۵۰۱/ ۱۰۹
۷۰۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۷۶
۷۱۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۱۵، ۳۵۵، ۳۳۰
۷۲۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۵۳۵
۷۳۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، ص ۲۶۷/ ۱۳۸
۷۴۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۶۰۵
۷۵۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، ص ۱۰۰۸/ ۱۲۶
۷۶۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص ۱۱۶
۷۷۔ محمد اقبال، مثنوی مسافر، ص ۸۸۲/ ۸۶
۷۸۔ محمد اقبال، تشکیل جدید.....، ص ۲۷۹
۷۹۔ محمد اقبال، تشکیل جدید.....، ص ۲۵۵ تا ۲۵۶
۸۰۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۷۰
۸۱۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص ۱۲۳
۸۲۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، ص ۶۶۸/ ۸۰، ۶۶۹/ ۸۱
۸۳۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، ص ۲۱۸/ ۴۸

۸۴۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بارنو، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۰۲ تا ۲۰۳

اقبال اور قرآن

۰۱۔ آنسہ شمیم حیات، اقبال بڑا اپدیشک (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۷ء) ص ۵۲

علامہ اقبال نے فرمایا:

''جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے۔ ایک دن صبح کو میرے پاس سے وہ گزرے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار بار تقاضا کیا تو فرمایا کہ جب امتحان دے لو گے تب۔ جب امتحان دے چکا اور لاہور سے واپس آیا تو فرمایا۔ جب پاس ہو جاؤ گے تب۔ جب پاس ہو گیا اور پوچھا تو فرمایا بتاؤں گا۔ ایک دن صبح کو حسبِ دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آ گئے اور فرمایا بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم سے ہمکلام ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے تھے کہ ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اور اس کی لذت اب تک محسوس کرتا ہوں۔''

۰۲۔ وحید الدین فقیر، سید، روزگار فقیر (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۷ء ج:۱)، ص: ۲۰۔۲۱

اسی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں ہے (علامہ اقبال نے کہا) مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے متعلق ایک کتاب میں لکھا ہوا کہ جب اس نے جرمن زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ پڑھا تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یہ کتاب پڑھتا ہوں تو روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔

۰۳۔ آنسہ شمیم حیات، اقبال بڑا اپدیشک، ص ۵۴

۰۴۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال (لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۶۶ء) ص ۹۹۔۱۰۰

۰۵۔ وحید الدین فقیر، سید، روزگار فقیر، ص ۱۷۹

۰۶۔ عبد السلام ندوی، مولانا، اقبالِ کامل (انڈیا: دار المصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء) ص ۶۸

قرآن حکیم سے علامہ اقبال کے قلبی و روحانی تعلق کے بارے میں مولانا عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی کتابیں اسلامیہ کالج لاہور کی لائبریری کو دے دی گئیں ان کتابوں میں ڈاکٹر صاحب کی تلاوت کا خاص قرآن از روئے وصیت ان کے لختِ جگر جاوید کو ملا اور وہ بلا ناغہ صبح کے وقت اس کی تلاوت ایسے ذوق و شوق ایسے درد و محبت اور ایسے سوز و گداز کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا روتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ کتاب عزیز کے ورق بھیگ جاتے جب تلاوت ختم ہو جاتی تو اسے اٹھا کر دھوپ میں رکھ دیتے تا کہ صفحے خشک ہو جائے مدت العمر تک ان کا یہی دستور رہا حتیٰ کہ زندگی کے آخری دنوں میں جب بیماری کا تسلط بڑھتا گیا اور گلا خراب ہو جانے کی وجہ سے آواز میں پتی لگ گئی تو ڈاکٹروں کے روکنے پر آپ کا یہ طریق تلاوت بھی چھوٹ گیا جس کا ان کو نہایت رنج تھا''۔

۰۷۔ علامہ اقبال نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو محمد حسین عرشی کے خط کے جواب میں انہیں قرآن حکیم اور مثنوی کے مطالعے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا:

''جناب عرشی صاحب اسلام علیکم!

آپ کا خط بھی ملا میری صحت عامہ تو بہت بہتر ہو گئی ہے مگر آواز پر ابھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا علاج برقی ایک سال تک جاری رہے گا دو ماہ کے وقفے کے بعد پھر بھوپال جانا ہو گا۔

آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں۔ مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیے! شوق خود مرشد ہے میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی افسوس ہے ہم اچھے زمانے میں پیدا نہ ہوئے۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں ایک بھی صاحب سرور نہیں

بہر حال قرآن اور مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیے مجھ سے بھی کبھی کبھی ملتے رہیے اس واسطے نہیں کہ میں آپ کو کچھ سکھا سکتا ہوں بلکہ اس واسطے کہ ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے یہ بات زندگی کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے جن کو جاننے والے مسلمانان ہند کی بدنصیبی سے اب اس ملک میں پیدا نہیں ہوتے زیادہ کیا عرض کروں! (محمد اقبال)

۰۸۔ وحیدالدین فقیر، سید، روزگار فقیر، ص ۱۰۱، ۱۰۲

۰۹۔ مکتوب بنام سر راس مسعود، ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء

۱۰۔ کلیات اقبال فارسی، رموزِ بے خودی، ص ۱۲۳
پہلے مصرعے میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۸ کا مفہوم بیان ہوا۔

۱۱۔ کلیاتِ اقبال فارسی، اسرارِ خودی، ص ۶۲

12. The Qur'an is a book which emphasizes 'deed' rather than 'idea'. There are, however, men to whom it is not possible organically to assimilate an alien universe by re-living, as a vital process, that special type of inner experience on which religious faith ultimately rests. Moreover, the modern man, by developing habits of concrete thought– habits which Islam itself fostered at least in the earlier stages of its cultural career– has rendered himself less capable of that experience which he further suspects because of its liability to illusion.

قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جو فکر کے بجائے عمل پر (زیادہ) زور دیتی ہے۔ تاہم، ایسے لوگ موجود ہیں جن کے لیے طبعاً (مزاجاً) ممکن نہیں ہے کہ ایک عجیب، اجنبی وخارجی کائنات (alien universe) میں رہتے ہوئے، اسے ایک ایسے حیاتی عمل (vital process) کے طور پر قبول کریں جو کہ خاص قسم کا باطنی تجربہ ہے، جس پر بالآخر (ultimately) مذہبی ایمان کا دارومدار ہے۔ مزید برآں، جدید انسان، مادی اشیاء پر غور وفکر (concrete thought) کی عادات، وہ عادات جسے اسلام نے کم از کم اپنے ثقافتی سفر کے آغاز میں خود پروان چڑھایا تھا، اپنانے کی وجہ سے اس تجربے کا زیادہ اہل نہیں رہا ہے جس میں التباس (illusion) کی گنجائش کی وجہ سے وہ اسے شک کی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔

۱۳۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۳۶۲

۱۴۔ این میری شمل، شہپر جبریل، ص ۲۸۹
محمد اقبال، پس چہ باید کرد.....، ص ۸۲۸/۳۲

۱۵۔ این میری شمل، شہپر جبریل، ص ۲۹۲

۱۶۔ این میری شمل، شہپر جبریل، ص ۲۹۲

۱۷۔ محمد اقبال، اسرار ورموز، ص ۱۵۷

۱۸۔ حمیداللہ ہاشمی، شرح کلیات اقبال فارسی، ص ۲۴۷

۱۹۔ عبدالحکیم، فکر اقبال، ص ۵۰۱

۲۰۔ این میری شمل، شہپر جبریل، ص ۲۷۲

۲۱۔ محمد اقبال، مثنوی مسافر، ص ۸۸۲/۸۶

۲۲۔ غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار ہفتم، ۲۰۰۷ء) ص ۳

۲۳۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص ۱۶۷
۲۴۔ علی گیلانی، سید، اقبال روحِ دین کا شناسا (لاہور: منشورات، ملتان روڈ، باراول، نومبر ۲۰۰۹ء) ص ۲۸ تا ۳۴
۲۵۔ حیران خٹک، اقبال اور دعوتِ دین (اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، باراول، مارچ ۲۰۰۶ء) ص ۹۶
۲۶۔ اختر راہی، مرتب، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں (لاہور: بزم اقبال، باراول، ۱۹۷۸ء) ص ۸۰
۲۷۔ علی شریعتی، ڈاکٹر، علامہ اقبال فکر اسلامی کے عظیم معمار، ترجمہ: ڈاکٹر محمد ریاض (راولپنڈی: رایزنی فرہنگی جمہوریہ ایران، باراول، ۱۹۸۲ء) ص ۲۰
۲۸۔ سلیم اختر، اقبال ممدوح عالم (لاہور: بزم اقبال، باراول، ۱۹۷۸ء) ص ۴۳۱
۲۹۔ سلیم اختر، اقبال ممدوح عالم، ص ۳۶۲
۳۰۔ سلیم اختر، اقبال ممدوح عالم، ص ۴۵
۳۱۔ این میری شمل، شہپر جبرئیل، ص ۴۶۹
۳۲۔ ابوالحسن ندوی، نقوش اقبال (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ب ن، س ن) ص ۶۲
۳۳۔ محمد اقبال، مثنوی مسافر، ص ۸۸۲/ ۸۶

اقبال اور عقیدۂ ختمِ نبوت

۰۱۔ قرآن حکیم؛ آلِ عمران: ۱۹
۰۲۔ قرآن حکیم؛ آلِ عمران: ۸۵
۰۳۔ محمد منور، پروفیسر، قرطاس اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باردوم، ۲۰۰۳ء) ص ۱۵۷
۰۴۔ قرآن حکیم؛ سورۃ الاحزاب: ۴۰
۰۵۔ محمود علی انجم، پروفیسر ڈاکٹر، عقائدِ شریعۃ (فیصل آباد: نورِ ذات پبلشرز، باراول، نومبر ۱۹۹۷ء) ص ۹۴
۰۶۔ ایضاً، ص ۹۵
۰۷۔ ایضاً، ص ۹۵
۰۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، حرفِ اقبال، مترتب ومترجم: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، باراول، اگست ۱۹۸۴ء) ص ۱۳۵
۰۹۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، قادیانی اور جمہور مسلمان، مشمولہ: حرفِ اقبال، ص ۱۰۳
۱۰۔ محمد اقبال، قادیانی اور جمہور مسلمان، ص ۱۰۴
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۱۲۔ محمد اقبال، ''اسٹیٹسمین کو ایک خط''، مشمولہ: حرفِ اقبال، ص ۱۱۸
۱۳۔ محمد اقبال، پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات کا جواب، مشمولہ: حرفِ اقبال، ص ۱۲۴
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۵
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۲۶
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۱۸۔ ایضاً،ص۱۲۹
۱۹۔ ایضاً،ص۱۴۶
۲۰۔ ایضاً،ص۱۳۴
۲۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ،تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ(اردو)،مترجم:سید نذیر نیازی(لاہور:بزم اقبال،ب ن،جنوری۲۰۱۰ء)ص۱۹۰
۲۲۔ ایضاً،ص۱۹۰
۲۳۔ ایضاً،ص۱۹۱
۲۴۔ ایضاً،ص۱۹۱
۲۵۔ ایضاً،ص۱۹۲
۲۶۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، وہ ہے قرآن اور میری سنت۔تم جب تک ان کی پیروی کرتے رہوں گے گمراہ نہیں ہوگے۔
۲۷۔ محمد اقبال،تشکیل جدید.....،ص۱۹۳
۲۸۔ ایضاً،ص۱۹۳
۲۹۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر پروفیسر،اقبال دوستی(اسلام آباد:پورب اکادمی، باراول،اپریل۲۰۰۹ء)ص۱۹۷تا۱۹۸
۳۰۔ محمد اقبال،تشکیل جدید.....،ص۱۹۳تا۱۹۴
۳۱۔ ایضاً،ص۱۹۴
۳۲۔ ایضاً،ص۲۱۱تا۲۱۲
۳۳۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ،فکرِ اقبال(لاہور:بزم اقبال، بارہشتم،نومبر۲۰۰۵ء)ص۱۰۵
۳۴۔ ایضاً،ص۱۰۵
۳۵۔ ایضاً،ص۱۰۵
۳۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ،بالِ جبریل،مشمولہ:کلیاتِ اقبال اردو(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ۱۹۸۲ء)ص۱۲۵
۳۷۔ محمد اقبال، بانگِ درا،مشمولہ:کلیاتِ اقبال اردو،ص۱۱۹
۳۸۔ قرآن حکیم؛ طٰہٰ(۲۰:۵۰)
۳۹۔ قرآن حکیم،النحل(۱۶:۶۸)
۴۰۔ عبدالقیوم، پروفیسر،اقبال کا تصورِ ختمِ نبوت،مشمولہ:اقبالیات کے سو سال،مرتبین: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان، باردوم،۲۰۰۷ء)ص۴۵۳
۴۱۔ عبدالقیوم، پروفیسر،اقبال کا تصورِ ختم نبوت،ص۴۵۶
۴۲۔ ایضاً،ص۴۵۹
۴۳۔ قرآن حکیم؛ الروم(۳۰:۳۰)
۴۴۔ قرآن حکیم؛ البقرۃ(۲:۱۲۰)
۴۵۔ قرآن حکیم؛ الرعد(۱۳:۳۷)
۴۶۔ قرآن حکیم؛ الحج(۲۲:۵۴)
۴۷۔ قرآن حکیم؛ الاسراء(۱۷:۳۶)

اقبال اور رومی

۱۔ قدوسی اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیہ (اقبال اکادمی پاکستان، 9 نومبر ۱۹۷۷ء اس مضمون کے بیشتر محتویات اس کتاب سے ہیں)
۲۔ جامی، نور الدین عبدالرحمٰن، مترجم سید احمد علی چشتی، نفحات الانس، اردو ترجمہ (اللہ والے کی قومی دکان) (لاہور: کشمیری بازار، ۱۹۷۷ء) ص ۴۵۳
۳۔ شفق، رضا زادہ ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ایران (تہران، ایران: مطبوعہ ۱۳۶۹ ہجری شمسی) ص ۲۹۲۔۲۹۳
۴۔ ایضاً، ص ۲۹۲
۵۔ سید برھان الدین محقق ترمذ کے رہنے والے تھے ان کا مزار دار الفتح قیصریہ میں ہے نفحات الانس اردو ترجمہ ص ۴۸۸۔۴۸۹
۶۔ شبلی، علامہ نعمانی، سوانح مولانا رومی (لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن) ص ۱۸
۷۔ احمد اخلاقی، مناقب العارفین، مطبوعہ، ستارہ ہند، آگرہ، ص، ۵۵۔۵۶
۸۔ زین العابدین شروانی نے مثنوی کے دیباچے میں لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز کو ان کے پیر بابا کمال جندی نے حکم دیا تھا کہ رومی جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے، اس کو گرم کر آؤ۔ حضرت شمس تبریز قونیہ پہنچے اور شکر فروشوں کی کارواں سرائے میں اترے۔ ایک روز مولانا کی سواری بڑے تزک و احتشام سے نکلی۔ حضرت شمس تبریز نے سرِ راہ ان کو روک کر پوچھا کہ مجاہدہ و ریاضت سے کیا مقصد ہے؟ مولانا نے کہا، ''اتباعِ شریعت''۔ شمس تبریز نے کہا، یہ تو سب جانتے ہیں۔ مولانا نے کہا، اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت شمس تبریز نے فرمایا کہ علم کے معنی یہ ہیں کہ تم کو منزل تک پہنچائے، پھر حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھا:

علم کز تو ترا نہ بستاند جہل زان علم بہ بود بسیار

مولانا پر حضرت شمس تبریز کی اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور اسی وقت حضرت شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ علامہ اقبال نے بھی 'اسرار و رموز' میں اس واقعے کو نظم کیا ہے۔
۹۔ مولانا، جلال الدین محمد، مثنوی مولوی معنوی مترجم قاضی سجاد حسین (لاہور: الفیصل، اُردو بازار، جلد نمبر ۱،) ص ۴۴
۱۰۔ نکلسن، مثنوی معنوی، محقق عزیز اللہ کاسب (تہران، ایران: پبلشر نشر محمد، ۱۳۷۱ھ) ص ۱۰، شعر ۵
۱۱۔ ندوی، سید ابوالحسن علی مولانا، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ اوّل (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، ۱۹۸۷ء) ص ۳۲۸۔۳۲۹
۱۲۔ تلمذ حسین قاضی، صاحب المثنوی (اعظم گڑھ، انڈیا: معارف پریس، ۱۹۶۷ء) ص ۲۵۲
(اسلام کے مشہور صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی کی محققانہ سوانح عمری)
۱۳۔ شبلی، نعمانی مولانا، سوانح مولانا رومی، ص ۳۸۔۴۱

اقبال اور تصوف

۰۱۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر، اقبال دوستی (اسلام آباد: پورب اکیڈمی، بار اول، اپریل ۲۰۰۹ء) ص ۵۴
۰۲۔ ایضاً، ص ۵۴
۰۳۔ ایضاً، ص ۵۵
۰۴۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ (لاہور: بزمِ اقبال، بار دوم، نومبر ۱۹۹۹ء) ص ۱۲۲
۰۵۔ ایضاً، ص ۱۲۳
۰۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرارِ خودی اور تصوف، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، مرتبہ: عبدالواحد (لاہور: آئینہ ادب بار دوم، ۱۹۸۸ء) ص ۲۰۱
۰۷۔ محمد اقبال، علم ظاہر اور علم باطن، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، ص ۲۸۹

۰۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، ۱۹۸۲ء) ص ۱۰۳، ۱۰۴
۰۹۔ محمد اقبال، بانگِ درا، (نظم: پیام) ص ۱۱۳
۱۰۔ محمد اقبال، بانگِ درا، (نظم: جگنو) ص ۸۵
۱۱۔ محمد اقبال، بانگِ درا، (نظم: بچہ اور شمع) ص ۹۳
۱۲۔ محمد اقبال، بانگِ درا، (نظم: بچہ اور شمع) ص ۹۴
۱۳۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص ۹۸
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۲
۱۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار دوم، ۲۰۰۶ء) ص ۲۷۲
۱۶۔ جاوید اقبال، زندہ رُود، ص ۲۷۴ تا ۲۷۵
۱۷۔ عبدالرب قریشی، علامہ اقبال کے ۱۰۱ شاہکار خطوط (لاہور: بیکن ہاؤس، ب ن، ۲۰۱۶ء) ص ۷۷
۱۸۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، ۵۸
۱۹۔ عبداللہ، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ، ص ۱۲۳ تا ۱۲۵
۲۰۔ عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء) ص ۴۶
۲۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ملفوظاتِ اقبال، مرتبہ: ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۱۹۷۷ء) ص ۱۳۸ تا ۱۳۹
۲۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مکتوب بنام سید سلیمان ندوی، محررہ: ۱۳ نومبر ۱۹۱۷ء مشمولہ: اقبال کے ۱۰۱ شاہکار خطوط، مرتبہ: عبدالرب قریشی، ص ۴۸
۲۳۔ علامہ اقبال فرد کی ہمہ جہت ترقی کے قائل تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ فرد دنیا اور آخرت، دونوں کی فلاح کے لیے بھرپور کوشش کرے۔
24- The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Page 12
25- The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Page 30
۲۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، ص ۲۷۴
۲۷۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مقالاتِ اقبال، مرتبین: سید عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء) ص ۱۹۵، ۱۹۶
۲۸۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سید، شیخ اکبر اور اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، بار اول، اپریل ۱۹۷۹ء) ص ۷
۲۹۔ نورالدین، ابوسعید، ڈاکٹر، اسلامی تصوف اور اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۱۹۷۷ء) ص ۲۴۵
۳۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مقالاتِ اقبال، ص ۳۰۱
۳۱۔ شاہد اقبال کامران، پروفیسر ڈاکٹر، اقبال دوستی، ص ۶۷
۳۲۔ عشرت حسن انور، ڈاکٹر، اقبال کی مابعد الطبیعات، مترجم: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم) ص ۶۱ تا ۸۶
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۲۰۰۸ء) ص ۵۵
۳۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۲۸
۳۶۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۰۰

۳۷۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، دیباچہ اسرارِ خودی، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، ص ۲۱۸ تا ۲۱۹
۳۸۔ عبداللہ، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ، ص ۱۲۹
۳۹۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۸۹
۴۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۰
۴۱۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۶
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۲
۴۳۔ ایضاً، ص ۳۳
۴۴۔ ایضاً، ص ۶۵
۴۵۔ ایضاً، ص ۴۲
۴۶۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۴۷۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۳۴
۴۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ارمغانِ حجاز (اردو)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۶
۴۹۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز، ص ۱۴
۵۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مثنوی اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بار سوم، ۱۹۷۸ء) ص ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۷
۵۱۔ محمد اقبال، اسرار خودی، ص ۴۱
۵۲۔ ایضاً، ص ۴۲
۵۳۔ ایضاً، ص ۱۴۲، ۴۴، ۴۵
۵۴۔ ایضاً، ص ۵۳، ۵۷
۵۵۔ ایضاً، ص ۶۷، ۶۹
۵۶۔ ایضاً، ص ۷۲
۵۷۔ ایضاً، ص ۷۳

اقبال کا فلسفۂ خودی

۰۱۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سید، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ (لاہور: بزمِ اقبال طبع دوم، نومبر ۱۹۹۹ء)، ص ۱۵۶
۰۲۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر، اقبال دوستی (اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اول، اپریل ۲۰۰۹ء)، ص ۲۳۲
۰۳۔ محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمتِ اقبال میں تصور خودی کا مقام، مشمولہ اقبالیات کے سو سال، مرتبین: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی و دیگراں (اسلام آباد: اکادمی ادبیات ولاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۶۱
محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمتِ اقبال (لاہور: اقبال اکیڈمی، ب ن، س ن)، ص ۲
۰۴۔ وقار عظیم، سیّد، اقبال شاعر اور فلسفی (لاہور: اقبال اکیڈمی، ب ن، س ن)، ص ۱۲
۰۵۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، خط بنام مہاراجہ کشن پرشاد محررہ ۷ مارچ ۱۹۱۴ء، مشمولہ: کلیات مکاتیب اقبال (دہلی: اردو اکادمی دہلی، اشاعت چہارم ۱۹۹۳ء)، ص ۲۸۰
۰۶۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، خط بنام گرامی محررہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۴ء، مشمولہ: کلیات مکاتیب اقبال، ص ۲۹۴

۰۷۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا (سرگذشتِ اقبال) لاہور: بزم اقبال، اشاعت اول، اکتوبر ۱۹۹۸ء)، ص ۶۹
۰۸۔ ایضاً، ص ۳۷
۰۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار دوم، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۷۲
۱۰۔ میں شاعرِ مستقبل کی نوا ہوں۔
۱۱۔ ترجمہ: میں اپنے قدیم دوستوں سے مایوس ہُوا۔ میرا طور معنی جل رہا ہے شاید کوئی کلیم نمودار ہو۔
۱۲۔ غلام حسین ذوالفقار، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا.....، ص ۵۷ تا ۶۷
۱۳۔ ایضاً، ص ۸۷
۱۴۔ وحید الدین، فقیر سیّد، روزگارِ فقیر (جلد دوئم)، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ب ن، س ن)، ص ۴۲
۱۵۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶
۱۶۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، رُوحِ اقبال (لاہور: القمر انٹر پرائزز، ب ن، مارچ ۲۰۱۰ء)، ص ۱۳۰ تا ۱۳۱
۱۷۔ وحید الدین، فقیر سیّد، روزگار فقیر (جلد اول) (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ب ن، س ن)، ص ۱۸۳
۱۸۔ غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن (لاہور: اقبال اکادمی، طبع ہفتم، ۲۰۰۷ء)، ص ۵۱ تا ۳۷
۱۹۔ ایضاً، ص ۵۱
۲۰۔ ایضاً، ص ۵۴ تا ۵۵
۲۱۔ ایضاً، ص ۴۷
۲۲۔ عبدالرحمٰن طارق، شیخ، پیامِ اقبال (دہلی: ب ن، ۱۹۳۸ء) ص ۵۳ تا ۵۴
۲۳۔ عابد حسین، ڈاکٹر، سیّد، مقالہ مشمولہ: ترجمانِ خودی (کراچی: مکتبہ تنویرات ادب بار دوم، ۱۹۵۶ء) ص ۲۵۲ تا ۲۵۳
۲۴۔ محمد عبدالرشید فاضل، ترجمان خودی، ص ۲۱۴
۲۵۔ عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبال کامل (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ب ن، س ن) ص ۲۵۴
۲۶۔ سورۃ النساء، پارہ ۵، آیت ۵۹
۲۷۔ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، کنز الایمان ترجمہ قرآن مجید (گجرات: ادارہ کتب اسلامیہ، ب ن، س ن) ص ۱۳۷
۲۸۔ سورۃ آل عمران، پارہ نمبر ۳، آیات ۳۱ تا ۳۲
۲۹۔ محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، پیر، ضیاء القرآن، جلد اول (الفاتحہ تا الانعام) (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ب ن، س ن) ص ۲۲۱ تا ۲۲۳)
۳۰۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اسرار ورموزِ مشمولہ: شرح کلیاتِ اقبال فارسی، مترتب، مترجم وشارح، پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن، ب ن) ص ۵۷/ کلیات اقبال (فارسی) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۸ء) ص ۴۱
۳۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرار ورموز، ص ۶۷ (ترجمہ)؛ ص ۴۱ (متن/ غ ع)
۳۲۔ ایضاً، ص ۶۷ (ترجمہ)؛ ص ۴۲ (متن/ غ ع)
۳۳۔ ایضاً، ص ۷۷ (ترجمہ)؛ ص ۴۲ (متن)
۳۴۔ ایضاً، ص ۷۸ (ترجمہ)؛ ص ۴۳ (متن)
۳۵۔ ایضاً، ص ۷۹ (ترجمہ)؛ ص ۴۳ (متن)
۳۶۔ ایضاً، ص ۸۰ (ترجمہ)؛ ص ۴۴ (متن)

۳۷۔ ایضاً،ص۸۱(ترجمہ)؛ص۴۴،۴۵(متن)
۳۸۔ ایضاً،ص۸۲(ترجمہ)؛ص۴۵(متن)
۳۹۔ ایضاً،ص۸۲(ترجمہ)؛ص۴۵(متن)
۴۰۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال (اردو) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ب ن، س ن) ص ۵۴۱تا۵۴۲
۴۱۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اسرار ورموزِ مشمولہ: شرح کلیاتِ اقبال فارسی، مترتب، مترجم وشارح، پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن، ب ن) ص۳۶/کلیات اقبال (فارسی) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۸ء) ص۱۵، ۱۶
۴۲۔ ایضاً،ص۳۸(ترجمہ)؛ص۱۶، ۱۷(متن)
۴۳۔ ایضاً،ص۳۸(ترجمہ)؛ص۱۷(متن)
۴۴۔ ایضاً،ص۳۹(ترجمہ)؛ص۱۷(متن)
۴۵۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال (اردو)، ص۳۵۵
۴۶۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص۳۸۶
۴۷۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، بانگِ درا، مشمولہ: کلیات اقبال (اردو)، ص۲۷۸
۴۸۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرار ورموز، ص۴۰ (ترجمہ)؛ص۱۸، ۱۹(متن)
۴۹۔ ایضاً،ص۴۱(ترجمہ)؛ص۱۹(متن)
۵۰۔ ایضاً،ص۴۳(ترجمہ)؛ص۲۰(متن)
۵۱۔ ایضاً،ص۴۶(ترجمہ)؛ص۲۱(متن)
۵۲۔ ایضاً،ص۴۸(ترجمہ)؛ص۲۲(متن)
۵۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد اقبال کی نظر میں (لاہور: اقبال اکادمی، طبع پنجم، ۲۰۰۸ء) ص۱۸۴
۵۴۔ محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر، اقبال اور محبتِ رسول ﷺ (لاہور: اقبال اکادمی، طبع ہفتم، ۲۰۰۸ء) ص۶
۵۵۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص۳۶۸
۵۶۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص۵۳۴
۵۷۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص۴۱۱تا۴۱۲، بانگِ درا، ص۲۲۳
۵۸۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، ارمغانِ حجاز (اردو)، مشمولہ: کلیاتِ اقبال، ص۶۹۲
۵۹۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرار ورموز، ص۴۹ (ترجمہ)؛ص۲۳(متن)
۶۰۔ ایضاً،ص۵۰(ترجمہ)؛ص۲۳(متن)
۶۱۔ ایضاً،ص۵۱(ترجمہ)؛ص۲۴(متن)
۶۲۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا، ص۱۹۱
۶۳۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص۴۸۲
۶۴۔ محمد یونس حسرت، حکایاتِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، ۲۰۰۹ء) ص۲۳۷
۶۵۔ محمد یونس حسرت، حکایاتِ اقبال، ص۲۳۸
۶۶۔ ایضاً،ص۲۳۸

۶۷۔ ایضاً،ص۲۴۱
۶۸۔ ایضاً،ص۲۴۴
۶۹۔ ایضاً،ص۲۴۶
۷۰۔ ایضاً،ص۲۴۸
۷۱۔ ایضاً،ص۲۴۹
۷۲۔ ایضاً،ص۲۵۱
۷۳۔ ایضاً،ص۲۵۳
۷۴۔ عبداللہ،مطالعہ اقبال.....،ص۲۰۷
۷۵۔ ایضاً،ص۲۰۷
۷۶۔ جاوید اقبال،زندہ رُود،ص۲۹۸
۷۷۔ عبداللہ،مطالعہ اقبال.....،ص۲۰۷
۷۸۔ خط بنام ڈاکٹر نکلسن ،محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء) مشمولہ: اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال (لاہور: اقبال اکادمی،طبع نو، ۲۰۰۵ء) ص ۳۴۰
۷۹۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ،ڈاکٹر،علامہ،خط بنام نکلسن ،ص۳۴۰
۸۰۔ ایضاً،ص۳۴۰ تا ۳۴۱
۸۱۔ ایضاً،ص۳۵۰
۸۲۔ ایضاً،ص۳۵۰
۸۳۔ غلام حسین ذوالفقار،اقبال کا ذہنی.....،ص۱۶
۸۴۔ عبدالسلام ندوی،اقبال کامل،ص۲۹۲

اقبال کا تصورِ تعلیم

۰۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ،ڈاکٹر،علامہ،اقبال نامہ،مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،طبع نو/ یک جلدی، ۲۰۰۵ء) ص ۵۲۴ تا ۵۲۵
۰۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ،اقبال نامہ،ص۵۲۵
۰۳۔ ایضاً،ص۵۲۲ تا ۵۲۴
۰۴۔ ایضاً،ص۵۲۴ تا ۵۲۸
۰۵۔ وحید قریشی،ڈاکٹر،اساسیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم،۲۰۰۳ء) ص ۱۴۸
۰۶۔ وحید قریشی،اساسیاتِ اقبال،ص۱۴۳
۰۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ،ڈاکٹر،علامہ،تعلیم اور اس کے نتائج،مشمولہ: بانگ درا،از: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء) ص ۲۰۹
۰۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ،مذہب،مشمولہ: بانگِ درا،کلیاتِ اقبال اردو،ص۲۴۶
۰۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ،دین وتعلیم،مشمولہ: ضربِ کلیم،کلیاتِ اقبال اردو،ص۸۶

۱۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۶
۱۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۱۵
۱۲۔ وحید قریشی، اساسیاتِ اقبال، ص ۱۵۰
۱۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، دین وتعلیم، مشمولہ: ضربِ کلیم، ص ۸۶
۱۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مدرسہ، مشمولہ: ضربِ کلیم، ص ۸۳
۱۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۸ء) ص ۹۸۲
۱۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۹۸۲
۱۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۶۸
۱۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ہندی مکتب، ضربِ کلیم، ص ۷۷
۱۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، تربیت، مشمولہ: ضربِ کلیم، ص ۷۹
۲۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اقبال نامہ، ص ۳۱۴
۲۱۔ محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، ب ن، س ن) ص ۲۲۴
۲۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، حرفِ اقبال، مترتبہ: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، بار اول، ۱۹۸۴ء) ص ۲۲۴
۲۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سیّد عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (لاہور: آئینہ ادب، بار دوم، ۱۹۸۸ء) ص ۱۳۵، ۱۳۶
۲۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مقالاتِ اقبال، ص ۲۸۲
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۸

اقبال کا تصورِ مردِ کامل

۰۱۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، س ن) ص ۲۸۷
طالب حسین سیال، دانشِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے چند پہلو (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، بار اول، ۲۰۰۶ء) ص ۱۵۵
۰۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اسرار خودی، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۳ء) ص ۴
۰۳۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خصوصی مطالعہ، ص ۲۸۰
۰۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء) ص ۲۰۸
۰۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیات اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۹۷
۰۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیات اقبال اردو، بانگِ درا، ص ۲۷۱
۰۷۔ سورۃ الجاثیہ، آیت ۱۳
۰۸۔ غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع ہفتم، ۲۰۰۷ء) ص ۵۹
۰۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی، ص ۳۴
۱۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت پنجم، ۱۹۷۳ء) ص ۴۰

۱۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۳۵
۱۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگ درا، ص ۲۷۴
۱۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۵۲
۱۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۹۴
۱۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۴۱
۱۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۳۴
۱۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۶۷
۱۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۴۴
۱۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۸۳
۲۰۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال (لاہور: القمر انٹر پرائزز، ب ن، مارچ ۲۰۱۰ء) ص ۱۴۹
۲۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۱۰
۲۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۵۲۰
۲۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگ درا، ص ۲۶۸
۲۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۱۲۹/۵۹۱
۲۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۹۷
۲۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۴۵
۲۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۶۰/۵۲۲
۲۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۳۱
۲۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا، ص ۲۷۰
۳۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۱۷
۳۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۴۸
۳۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۵۱
۳۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۵۹
۳۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگ درا، ص ۲۵۲
۳۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، ص ۱۶۰/۴۵۲
۳۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۴۵
۳۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ارمغانِ حجاز، ص ۳۸/۶۸۰
۳۸۔ عبدالسلام ندوی، مولانا، 'اقبالِ کامل' (لاہور: الفیصل ناشران، ب ن، فروری ۲۰۰۸ء) ص ۲۷۲
۳۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی، ص ۴۶
۴۰۔ غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا (لاہور: بزمِ اقبال، بار اول، اکتوبر ۱۹۹۸ء) ص ۱۶
۴۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال)، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع نو (یک جلدی)، ۲۰۰۵ء) ص ۳۴۰

۴۲۔ یوسف حسین خان، روحِ اقبال، ص۱۸۳تا۱۸۴
۴۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص۳۸۹/۹۷
۴۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، 'فلسفہ عجم'، مترجم: میر حسن الدین (کراچی: نفیس اکیڈمی، بار ششم، جنوری۱۹۶۹ء) ص۲۱۶
۴۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، فلسفہ عجم، ص۲۱۸تا۲۲۰
۴۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، فلسفہ عجم، ص۲۱۵
۴۷۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل، ص۲۸۱
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت، مرتبین 'اقبالیات کے سو سال (لاہور: اقبال اکادمی، بار دوم، ۲۰۰۷ء) ص ۹۵۰تا۹۵۳
وزیر آغا، ڈاکٹر، تصورات عشق وخرد اقبال کی نظر میں (لاہور: اقبال اکادمی، بار پنجم، ۲۰۰۸ء) ص۳۴
۴۸۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل، ص۲۸۲
۴۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص۴۰۷
۵۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں، مرتبہ: سید نذیر نیازی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار چہارم، ۲۰۰۷ء) ص۳۴
۵۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اقبال کے حضور.....، ص۶۵
۵۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (خطبات)، مترجم: سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ب ن، جنوری۲۰۱۰ء) ص۲۷۹تا۲۸۰
۵۳۔ وزیر آغا، تصوراتِ عشق وخرد، ص۳۴
۵۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیات اقبال فارسی، ص۸۰۳
۵۵۔ ایضاً، ص۶۰۷
۵۶۔ ایضاً، ص۶۰۷
۵۷۔ ایضاً، ص۶۰۷
۵۸۔ ایضاً، ص۶۰۷
۵۹۔ ایضاً، ص۹۵۸، ۹۶۰
۶۰۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، رومی اور اقبال، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال (لاہور: اقبال اکادمی، بار دوم، ۲۰۰۷ء) ص۸۷۱
۶۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص۵۵
۶۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص۱۲۷
۶۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص۳۳۶
۶۴۔ عبدالسلام ندوی، اقبالِ کامل، ۲۹۰

اقبال کا تصورِ زمان ومکان

۰۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، مترجم: سید نذیر نیازی، (لاہور: بزم اقبال، ب ن، جنوری۲۰۱۰ء) ص۱۸۴

۰۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، تشکیلِ جدید.....،ص ۷۷
۰۳۔ رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جون ۲۰۰۲ء)، ص ۸۶، ۸۷
۰۴۔ رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین، ص ۸۸
۰۵۔ ایضاً، ص ۸۶
۰۶۔ ایضاً، ص ۹۰
۰۷۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، پروفیسر، اقبال کا خصوصی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، س ن)، ص ۱۱۷
وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق و خرد، اقبال کی نظر میں (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع پنجم، ۲۰۰۸ء) ص ۱۳۸ تا ۱۴۱
۰۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع پنجم، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۲۶/۴۱۸
۰۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، تشکیلِ جدید.....،ص ۱۰۴
۱۰۔ وزیر آغا، تصوراتِ عشق و خرد، اقبال کی نظر میں، ص ۱۳۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۳۹
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۱، ۱۴۲
رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین، ص ۹۶
۱۴۔ وزیر آغا، تصوراتِ عشق و خرد، اقبال کی نظر میں، ص ۱۴۰، ۱۴۱
۱۵۔ رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین، ص ۹۵، ۹۶
۱۶۔ صحیح مسلم: حدیث نمبر ۵۸۶۶، راوی، حضرت ابو ہریرہؓ
۱۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم، ۱۹۷۸ء)، ص ۶۱۲
۱۸۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، سیّد، قصدیہ غوثیہ، مشمولہ: مخزن الاسرار، مرتبہ: فقیر نور محمد سرور قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ (کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان: عرفان پبلی کیشنز، بار دوم، ۱۹۹۳ء)، ص ۳۶۹، ۳۷۲
۱۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۱۱
۲۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۱۳
۲۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطباتِ اقبال.....تسہیل و تفہیم (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ب ن، ۲۰۰۹ء) ص ۵۲
۲۲۔ انور محمود خالد، اقبال کا خصوصی مطالعہ، ص ۱۱۸
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۱۹
۲۴۔ رضی الدین صدیقی، تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین، ص ۱۱۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۱۲۰
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۲۱، ۱۲۲
۲۷۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال (لاہور: القمر انٹر پرائزز، ب ن، مارچ ۲۰۱۰ء) ص ۴۲۵
۲۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۳۸۵/۹۳

۲۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۷۷/۱۵
۳۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۴۰۹
۳۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، جاوید نامہ، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۱۳/۲۵، ۶۱۴/۲۶
۳۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۷، ۲۷
۳۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۴۲۱/۱۲۹، ۴۲۲/۱۳۰
۳۴۔ یوسف حسین خان، روحِ اقبال، ص ۴۲۶، ۴۲۷
۳۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ۲۷
۳۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، پیامِ مشرق، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ۲۶۰/۹۰
۳۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ۲۷

اقبال کا تصورِ ریاست

1. David. R, Long Man Dictionary of Contemporary English, (USA, New York: Long Man Corpus, new Edition, 1990), P.191
2. David. R, Long Man Dictionary, P.271

۳۔ وارث سرہندی، مرتب علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، ۱۹۹۶ء) ص ۱۰۸

4. David. r, Long Man dictionary, P.1360

۵۔ وارث سرہندی، علمی اردو لغت، ص ۱۰۸

6. Neufeldt, Victoria; Guralink, David B, Webster's New World College Dictionary (USA / New York: Macmillan, Inc Third Edition, 1947), P.492

۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال) مرتبہ: شیخ عطاء اللہ، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع نو (یک جلدی)، ۲۰۰۵ء، ص ۵۷۹
۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اقبال نامہ، ص ۲۴۳
۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، اقبال کے حضور (نشستیں اور گفتگوئیں)، مرتبہ: سیّد نذیر نیازی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع چہارم، ۲۰۰۷ء)، ص ۴۷
۱۰۔ ایضاً، ص ۴۷۳، ۴۷
۱۱۔ ایضاً، ص ۷۷
۱۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء) ص ۳۷۰
۱۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم، ۱۹۷۸ء) ص ۸۸۱
۱۴۔ علی گیلانی، سیّد، اقبال: روح دین کا شناسا، (لاہور: منشورات، طبع اول، نومبر ۲۰۰۹ء) ص ۱۴۳
۱۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ص ۲۶۳
۱۶۔ ایضاً، ص ۲۶۲
۱۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۳۷۵
۱۸۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر، اقبال دوستی، (اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۹ء) ص ۱۵۴

۱۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۳۸۵
۲۰۔ ایضاً، ص ۸۲۵
۲۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۲۹۱
۲۲۔ ایضاً، ص ۱۰۸/۴۰۰
۲۳۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، فکر اقبال (لاہور: بزم اقبال، طبع ہشتم، نومبر ۲۰۰۵ء) ص ۱۸۹
۲۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت، مرتبین، اقبالیات کے سو سال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع دوم، ۲۰۰۷ء) ص ۶۴۰
۲۵۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سیّد، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ (لاہور: بزمِ اقبال اشاعت دوم، نومبر ۱۹۹۹ء) ص ۸۷
۲۶۔ ایوب صابر، اقبال کی فکری تشکیل، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت اول، ۲۰۰۷ء) ص ۳۰۸
۲۷۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، ص ۱۵۶ تا ۱۵۸
۲۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۱۰۷/۳۹۹، ۱۰۸/۴۰۰
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۰۸/۴۰۰
۳۰۔ ایضاً، ص ۱۰۹/۴۰۱
۳۱۔ ایضاً، ص ۱۰۹/۴۰۱، ۱۱۰/۴۰۲
۳۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۶۳/۵۲۵
۳۳۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ارمغانِ حجاز اردو، ص ۱۲/۶۵۴
۳۴۔ ایضاً، ص ۱۳/۶۵۵، ۱۵/۶۵۷
۳۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۱۳۶/۵۹۸
۳۶۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، جاوید نامہ، ص ۶۵/۶۵۳
۳۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۱۴۲/۶۰۴، ۱۴۳/۶۰۵
۳۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۴۰/۳۳۲
۳۹۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، جاوید نامہ، ص ۶۵/۶۵۳
۴۰۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ارمغانِ حجاز اردو، ص ۹/۶۵۱
۴۱۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۱۵۰/۴۴۲، ۱۵۱/۴۴۳
۴۲۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، ص ۱۴۹/۶۱۱
۴۳۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، پروفیسر، اقبال کا خصوصی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، س ن) ص ۳۱۳
۴۴۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اقبال نامہ، ص ۵۸۰
۴۵۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، ص ۱۱۸/۴۱۰
۴۶۔ فاروق سے مراد شاہِ مصر ہے۔
۴۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ارمغانِ حجاز فارسی، ص ۷۸/۹۶۰
۴۸۔ ایضاً، ص ۷۹/۹۶۱
۴۹۔ ایضاً، ص ۹۰/۹۷۲
50- Muhammad Iqbal , Dr, Allama, The Reconstruction of Religious Thought in Islam,

(Lahore: Institute of Islamic Culture, 7th Edition, 2009), P.140

۵۱۔ یوسف حسین خان، رُوحِ اقبال، ص ۲۴۹

اقبال کا تصورِ فنونِ لطیفہ

01. H.W. Fowler, F.G. Fowler, R.E. Allam, Editors. The Concise Oxford Dictionary of Current English (USA: Oxford University Press, Eighth Edition, 1990), P.60

۰۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، بار اول، ۱۹۷۸ء)، ص ۲۰۰

۰۳۔ انور محمود خالد، ڈاکٹر، اقبال کا خصوصی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، س ن)، ص ۳۸۱

۰۴۔ امام مُسلم، صحیح مُسلم (۱) (جلد اول)، کتاب الایمان

۰۵۔ قرآن حکیم، النور (۲۴:۳۵)

۰۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء) ص ۱۳۳

۰۷۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم، ص ۵۶۲/۱۰۰

۰۸۔ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بال جبریل، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۳۰۴/۱۲

۰۹۔ انور محمود خالد، اقبال کا خصوصی مطالعہ، ص ۳۷۹، ۳۸۰

10. H.W. Fowler and others, Oxford Dictionary, P.692

۱۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار دوم، ۲۰۰۸ء) ص ۲۴۱

۱۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، مقالاتِ اقبال، مرتب: سید عبدالواحد معینی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۱۹۸۸ء) ص ۲۳۰

۱۳۔ محمد اقبال، مقالاتِ اقبال، ص ۲۳۰

۱۴۔ محمد اقبال، مقالاتِ اقبال، ص ۲۳۰ تا ۲۳۱

۱۵۔ محمد اقبال، مقالاتِ اقبال، ص ۲۳۲

۱۶۔ این میری شمل، پروفیسر ڈاکٹر، شہپر جبریل (لاہور: گلوب پبلشرز، ب ن، ۱۹۸۵ء) ص ۸۶

۱۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مقالاتِ جاوید (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۲۰۱۱ء) ص ۲۷۴

۱۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، شذراتِ فکر اقبال، مرتب: ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، مترجم: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، بار دوم، مئی ۱۹۸۳ء) ص ۱۱۷

۱۹۔ محمد اقبال، شذراتِ فکر اقبال، ص ۱۲۶

۲۰۔ محمد اقبال، شذراتِ فکر اقبال، ص ۱۲۶

۲۱۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، ص ۲۱۱

۲۲۔ قاضی عبدالرحمٰن ہاشمی، شعریاتِ اقبال (لاہور: سفینۂ ادب، بار اول، س ن) ص ۷۷

۲۳۔ عبدالواحد، سید، نعیم اللہ ملک، اقبال فکر اور فن (لاہور: ابوذر پبلی کیشنز، بار اول، نومبر ۲۰۰۸ء) ص ۱۱۵

۲۴۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ، مرتب: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار نو، ۲۰۰۵ء) ص ۱۳۲ تا ۱۳۳

۲۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، رموزِ بے خودی مشمولہ: کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۳ء) ص ۱۶۸

۲۶۔ عبدالرشید، میاں، سلیس اردو ترجمہ کلیات اقبال فارسی (جلد اول) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار اول، ۱۹۹۲ء) ص ۳۶۵

۲۷۔ حیران خٹک، اقبال اور دعوتِ دین (اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، بار اول، مارچ ۲۰۰۶ء) ص ۱۳۵

۲۸۔ ابوالحسن ندوی، سید، نقوش اقبال (کراچی: مجلس نشریات اسلام، باراول، س ن) ص ۹۵
۲۹۔ رفیق خاور، اقبال کا فارسی کلام ایک مطالعہ (لاہور: بزم اقبال، باراول، جولائی ۱۹۸۸ء) ص ۳۱۵
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۱۷
۳۱۔ ایضاً، ص ۳۱۸
۳۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات۔ایک جائزہ (اسلام آباد: پورب اکادمی، باراول، مارچ ۲۰۱۰ء) ص ۶ تا ۷
۳۳۔ احمد ندیم قاسمی، اقبال کا نظریۂ شعر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باردوم، ۲۰۰۷ء) ص ۲۰۸ تا ۲۰۹
۳۴۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، گلشن رازِ جدید، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۱۴۶/۵۳۸
۳۵۔ عبدالرشید، میاں، ترجمہ کلیات اقبال فارسی، جلد اول، ص ۲۹۳/۱۰۸۵
۳۶۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر سید، اقبال: آفاقی شاعر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، ص ۲۳۲
۳۷۔ محمد منور، پروفیسر، توازن: اقبال کی شاعری کا ایک پہلو، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، ص ۱۸۷ تا ۱۸۹
۳۸۔ قرآن حکیم، سورۃ الملک (۶۷:۳)
۳۹۔ قرآن حکیم، سورۃ القمر (۵۴:۴۹)
۴۰۔ قرآن حکیم، سورۃ الرحمٰن (۵۵:۷ تا ۸)
۴۱۔ قرآن حکیم، سورۃ الشعرا (۲۶:۲۲۴ تا ۲۲۷)
۴۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، انوار اقبال، مرتب: بشیر احمد ڈار (لاہور: اقبال اکادمی، باراول، ۱۹۷۷ء) ص ۱۹۲ تا ۱۹۳
۴۳۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ، مرتب: عطاء اللہ شیخ (لاہور: اقبال اکادمی، بارنو، ۲۰۰۵ء) ص ۴۵۶
۴۴۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۴۵۸
۴۵۔ محمد اقبال، انوارِ اقبال، ص ۲۸۷
۴۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، مکاتیب اقبال بنام گرامی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ب ن، ۱۹۴۹ء) ص ۹۷
۴۷۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۱۷/۵۷۹
۴۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۶۱
۴۹۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص ۶۱
۵۰۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۱۴
۵۱۔ ایضاً، ص ۱۰۰
۵۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، مسائل اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، باردوم، جون ۱۹۸۷ء) ص ۲۹۳
۵۳۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۰۰/۵۶۲، ۱۰۱/۵۶۳
۵۴۔ سلیم احمد، اقبال کا معجزۂ فن، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، ص ۲۰۹
۵۵۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۵۸۴
۵۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، گفتارِ اقبال، مرتب: محمد رفیق افضل (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، باراول، جنوری ۱۹۶۹ء) ص ۱۲۹، ۱۶۵
۵۷۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، اقبال پر تحقیقی مقالے (لاہور: بزم اقبال، باراول، ۱۹۸۸ء) ص ۱۴۱
۵۸۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ، فکر اقبال (لاہور: بزم اقبال، بار ہشتم، نومبر ۲۰۰۵ء) ص ۴۲۳

۵۹۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر، اقبال کا نظامِ فن (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم ۱۹۹۰ء) ص ۳۸۳
۶۰۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۹۲
۶۱۔ ایضاً، ص ۹۴
۶۲۔ ایضاً، ص ۹۴
۶۳۔ ایضاً، ص ۹۵
۶۴۔ ایضاً، ص ۹۶ تا ۹۷
۶۵۔ عبدالمغنی، اقبال کا نظامِ فن، ص ۳۹۲
۶۶۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو، ص ۹۷
۶۷۔ ایضاً، ص ۹۸/۳۹۰
۶۸۔ ایضاً، ص ۱۰۰/۳۹۲، ۱۰۱/۳۹۳
۶۹۔ گوپی چند نارنگ، اقبال کا فن (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول، ۲۰۱۰ء) ص ۶۴
۷۰۔ محمد اقبال، بندگی نامہ، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۵۷۶/۱۸۴، ۵۷۷/ ۱۸۵
۷۱۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص ۲۱۱
۷۲۔ ایضاً، ص ۱۸۹
۷۳۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۲۴
۷۴۔ محمد اقبال، بندگی نامہ، ص ۵۸۷/ ۱۹۵
۷۵۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۲۳، ۱۲۴
۷۶۔ ایضاً، ص ۱۲۸، ۱۲۹
۷۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۷۸۔ ایضاً، ص ۱۱۸، ۱۱۹
۷۹۔ ضیاء الدین احمد، پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ (لاہور: بزم اقبال، ب ن، دسمبر ۲۰۰۱) ص ۴۹
۸۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۳۵
۸۱۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۲۴
۸۲۔ ایضاً، ص ۱۱۶
۸۳۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۵۹۱
۸۴۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶
۸۵۔ ابن احمد نقوی، فکر اقبال (انڈیا (یو۔پی): جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، بار اول، نومبر ۲۰۰۷ء) ص ۲۵۰
۸۶۔ عبدالشکور احسن، ڈاکٹر، اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۱۹۷۷ء) ص ۱۳۶ تا ۱۳۷
۸۷۔ محمد اقبال، بندگی نامہ، ص ۵۷۸/ ۱۸۶
۸۸۔ ایضاً، ص ۵۷۹/ ۱۸۷ تا ۵۸۰/ ۱۸۸
۸۹۔ ایضاً، ص ۵۸۰/ ۱۸۸
۹۰۔ ایضاً، ص ۵۸۰/ ۱۸۸ تا ۵۸۱/ ۱۸۹

۹۱۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۱۱۹
۹۲۔ ایضاً، ص ۱۳۱
۹۳۔ ایضاً، ص ۱۲۵
۹۴۔ ایضاً، ص ۷۸
۹۵۔ محمد اقبال، بندگی نامہ، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۵۷۵/۱۸۳
۹۶۔ محمد اقبال، بالِ جبریل، ص ۳۸۸/۹۶
۹۷۔ محمد اقبال، بندگی نامہ، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۵۷۶/۱۸۴، ۵۷۷/۱۸۵
۹۸۔ ایضاً، ص ۵۸۵/۱۹۳
۹۹۔ ایضاً، ص ۵۸۶/۱۹۴
۱۰۰۔ ایضاً، ص ۵۸۶/۱۹۴، ۵۸۷/۱۹۵
۱۰۱۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۵۶۴/۱۰۲، ۵۶۵/۱۰۳
۱۰۲۔ ایضاً، ص ۱۱۹
۱۰۳۔ محمد اقبال، بانگ درا، ص ۲۰۳

اقبال کا تصورِ قومیت

۰۱۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، مسائل اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، بار دوم، جون ۸۷ء) ص ۳۴۲ تا ۳۴۳
۰۲۔ ایضاً، ص ۳۴۷
۰۳۔ ایضاً، ص ۳۴۷
۰۴۔ ایضاً، ص ۳۴۷
۰۵۔ ایضاً، ص ۳۴۸
۰۶۔ شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر پروفیسر، اقبال دوستی (اسلام آباد، پورب اکادمی، بار اول، اپریل ۲۰۰۹ء) ص ۸۴
07- Muhammad Iqbal, Discourses of Iqbal, compiled and edited by Shahid Husain Razzaqi (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Second Edition, 2003) P.99-100
۰۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، حرفِ اقبال، مترتب: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، بار اول، اگست ۱۹۸۴ء) ص ۵۰
۰۹۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، ص ۱۰۸
۱۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال نامہ، مرتب: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی، بار نو، ۲۰۰۵ء) ص ۳۰
۱۱۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۳۷۷
۱۲۔ محمد اقبال ڈاکٹر علامہ، بانگ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ ۸۲ء) ص ۲۴۸
۱۳۔ محمد اقبال، اقبال نامہ، ص ۲۱۸
۱۴۔ ایوب صابر، پروفیسر ڈاکٹر، تصورِ پاکستان (علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ) (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، بار اول، فروری ۲۰۰۴ء) ص ۴۵ تا ۴۷
۱۵۔ محمد اقبال، بانگِ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۱۶۰ تا ۱۶۱

۱۶۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص۲۶۴
۱۷۔ غلام رسول مہر، مولانا، مطالب کلام اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، س ن) ص۱۳۹
محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص۸۳
۱۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، شذراتِ فکر اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجمہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، بار دوم، مئی ۱۹۸۳ء) ص۸۳
۱۹۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص۲۰۱
۲۰۔ ایضاً، ص۲۰۵
۲۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص۵۲۰/ ۵۸
۲۲۔ کنیز فاطمہ یوسف، ڈاکٹر، اقبال اور عصری مسائل (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول، ۲۰۰۵ء) ص۲۰۵ تا ۲۱۲
۲۳۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص۵۲۰/ ۵۸
۲۴۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص۲۵۴
۲۵۔ ایضاً، ص۱۶۵
۲۶۔ ایضاً، ص۲۰۱
۲۷۔ ایضاً، ص۲۰۲
۲۸۔ ایضاً، ص۲۰۳، ۲۰۴
۲۹۔ ایضاً، ص۲۰۸
۳۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اسرارِ خودی، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، ۱۹۷۳ء) ص۶۵
۳۱۔ عبدالرشید، میاں، ترجمہ کلیات اقبال فارسی جلد اول (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار اول، ۱۹۹۲ء) ص۱۵۷
۳۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، رموزِ بے خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص۸۶
۳۳۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص۲۴۹
۳۴۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص۱۱۵ تا ۱۱۶
۳۵۔ کنیز فاطمہ یوسف، ڈاکٹر، اقبال اور عصری مسائل، ص۲۵۹
۳۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے (کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، بار اول، ۱۹۷۸ء) ص۱۵۵
احمد میاں اختر، قاضی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (کراچی: اقبال اکیڈمی، ب ن، ۱۹۶۵ء) ص۴۴ تا ۴۵
۳۷۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، ص۱۹۳
۳۸۔ ضیاء الدین احمد، پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ (لاہور: بزم اقبال، بار اول، دسمبر ۲۰۰۱ء) ص۲۳ تا ۲۴
۳۹۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، اقبال۔ فکر و عمل (لاہور: بزم اقبال، بار اول، جون ۸۵ء) ص۸۷ تا ۸۸
۴۰۔ فتح محمد ملک، اقبال۔ فکر و عمل، ص۹۱
۴۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پس چہ باید اے اقوامِ مشرق، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص۸۱۳/ ۱۷ تا ۱۹/۸۱۵
۴۲۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، اقبال کے سیاسی تصورات (لاہور: دوست پبلی کیشنز، بار اول، ۲۰۱۳ء) ص۲۰ تا ۴۲
۴۳۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، جاوید نامہ، مشمولہ کلیاتِ اقبال فارسی، ص۶۶۴/ ۷۶
۴۴۔ فتح محمد ملک، اقبال کے سیاسی تصورات، ص۳۴

۴۵۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، اقبال فراموشی، مشمولہ: کھوئے ہوؤں کی جستجو (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، باراول، ۲۰۱۳ء) ص ۱۸۸
۴۶۔ محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال: اور جہانِ امروز، مشمولہ: اقبال ۸۶ء، مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء) ص ۲۶۶

اقبال کا تصورِ جمہوریت

۰۱۔ محمد حنیف ندوی، اساسیاتِ اسلام (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ب ن، ۱۹۷۳ء) ص ۲۰۵
عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ، فکر اقبال، (لاہور: بزم اقبال، بار ہشتم، نومبر ۲۰۰۵ء) ص ۲۱۵
۰۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء) ص ۲۶۱
۰۳۔ محمد اقبال، بانگ درا، ص ۲۶۱، ۲۶۲
۰۴۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، پیامِ مشرق، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار نہم، ۱۹۸۵ء) ص ۳۰۵
۰۵۔ محمد اقبال، زبورِ عجم، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۵۵۹ تا ۵۶۰
۰۶۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیات اقبال فارسی، ص ۶۱۰، ۶۱۱
۰۷۔ محمد اقبال، ارمغانِ حجاز اردو، مشمولہ: کلیات اقبال اردو، ص ۶۵۰
۰۸۔ محمد اقبال، ارمغان حجاز اردو، ص ۶۴۹
۰۹۔ محمد اقبال، بانگ درا، ص ۲۹۰
۱۰۔ محمد اقبال، ضربِ کلیم، ص ۶۲۲
۱۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم: سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ب ن، جنوری ۲۰۱۰ء) ص ۲۶۸
۱۲۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، اقبال اور جمہوریت، مشمولہ: اقبال ۸۶ء (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۱۹۹۰ء) ص ۲۸۳
۱۳۔ وحید عشرت، اقبال اور جمہوریت، ص ۲۸۷ تا ۲۸۸
۱۴۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۲۶۳ تا ۲۶۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۲۴۵ تا ۲۴۶
۱۶۔ ایضاً، ص ۲۴۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۲۴۲ تا ۲۴۳
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۷۵
۱۹۔ ایضاً، ص ۲۴۲
۲۰۔ ایضاً، ص ۲۷۶
۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۲۷۶
۲۳۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث ۵۱۸۸
۲۴۔ قرآن حکیم: سورۃ النساء (۴:۵۸)
۲۵۔ قرآن حکیم: سورۃ النساء: (۴:۵۹)
۲۶۔ صحیح بخاری

۲۷۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد
۲۸۔ عبدالکریم عابد، اقبال اور جمہوریت، مشمولہ: اقبال ۸۵ء، مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، بار اول، ۱۹۸۹ء) ص ۴۰۷ تا ۴۰۸
۲۹۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، شذراتِ فکر اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجمہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، بار دوم، مئی ۸۳ء) ص ۱۴۷
۳۰۔ محمد حسن عسکری، اقبال، جمہوریت اور ملوکیت، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکیڈمی، بار دوم، ۲۰۰۷ء) ص ۱۰۱ تا ۱۰۲
۳۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، اقبال کی تقاریر، تحاریر، بیانات، مرتبہ: لطیف احمد شروانی (لاہور: اقبال اکادمی، ب ن، ۱۹۷۷ء) ص ۱۰۱
۳۲۔ محمد اقبال، اقبال کی تقاریر، تحاریر، بیانات، ص ۱۰۷
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۰۸
۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۳۵۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، جمہوریت، اقبال کی نگاہ میں، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، ص ۸۱۱
۳۶۔ ایضاً، ص ۸۱۳ تا ۸۱۴
۳۷۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص ۲۷۷
۳۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، رموزِ بے خودی، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۵۷، ۹۱، ۹۲
۳۹۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، اقبال کا سیاسی تفکر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، ص ۲۱۷
۴۰۔ محمد اقبال، پیامِ مشرق، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۱۹۰/ ۲۰ تا ۱۹۱/ ۲۱
۴۱۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص ۱۰۱ تا ۱۰۲
۴۲۔ ضیاء الدین احمد، پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ (لاہور: بزم اقبال، بار اول، دسمبر ۲۰۰۱ء) ص ۱۳۶ تا ۱۳۸
۴۳۔ محمد اقبال، رموزِ بے خودی، ص ۱۰۴
۴۴۔ محمد اقبال، جاوید نامہ، مشمولہ: کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۹۳۷/ ۲۰۵ تا ۹۴۷/ ۲۰۶
۴۵۔ ضیاء الدین احمد، اقبال کا فن اور فلسفہ، ص ۱۳۸

کتابیات

قرآن حکیم
صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد
ابن احمد نقوی، فکر اقبال (انڈیا (یو۔پی): جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، باراول، نومبر ۲۰۰۷ء)
ابوالحسن ندوی، سید، نقوش اقبال (کراچی: مجلس نشریات اسلام، باراول، س ن)
احمد اخلاقی، مناقب العارفین، مطبوعہ، ستارہ ہند، آگرہ
احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، کنز الایمان ترجمہ قرآن مجید (گجرات: ادارہ کتب اسلامیہ، ب ن، س ن)
احمد میاں اختر، قاضی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (کراچی: اقبال اکیڈمی، ب ن، ۱۹۶۵ء)
احمد ندیم قاسمی، اقبال کا نظریۂ شعر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باردوم، ۲۰۰۷ء)
اختر راہی، مرتب، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں (لاہور: بزم اقبال، باراول، ۱۹۷۸ء)
انور محمود خالد، ڈاکٹر، پروفیسر، اقبال کا خصوصی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، س ن)
ایم ایس ناز، حیات اقبال (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء)
این میری شمل، پروفیسر ڈاکٹر، شہپرِ جبریل، مترجم، ڈاکٹر محمد ریاض (لاہور: گلوب پبلشرز، اردو بازار، باراول، ۱۹۸۵ء)
ایوب صابر، پروفیسر ڈاکٹر،
اقبال کی فکری تشکیل، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت اول، ۲۰۰۷ء)
تصورِ پاکستان (علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ) (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، باراول، فروری ۲۰۰۴ء)
کلامِ اقبال پر فنی اعتراضات۔ایک جائزہ (اسلام آباد: پورب اکادمی، باراول، مارچ ۲۰۱۰ء)
تحسین فراقی، ڈاکٹر، جمہوریت، اقبال کی نگاہ میں، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال
تلمذ حسین قاضی، صاحب المثنوی (اعظم گڑھ، انڈیا: معارف پریس، ۱۹۶۷ء)
جامی، نورالدین عبدالرحمٰن، مترجم سید احمد علی چشتی نفحات الانس، اردو ترجمہ (اللہ والے کی قومی دکان) (لاہور: کشمیری بازار، ۱۹۷۷ء)
جاوید اقبال، ڈاکٹر،
خطباتِ اقبال.....تسہیل و تفہیم (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ب ن، ۲۰۰۹ء)
زندہ رُود (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، باردوم، ۲۰۰۸ء)
مقالاتِ جاوید (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، ۲۰۱۱ء)
حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، شرح کلیات اقبال فارسی (لاہور: مکتبہ دانیال، س ن، ب ن)
حیران خٹک، اقبال اور دعوتِ دین (اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، باراول، مارچ ۲۰۰۶ء)
رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال کا تصور زمان و مکان اور دوسرے مضامین (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، جون ۲۰۰۲ء)
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت، مرتبین اقبالیات کے سو سال (لاہور: اقبال اکادمی، باردوم، ۲۰۰۷ء)
رفیق خاور، اقبال کا فارسی کلام ایک مطالعہ (لاہور: بزم اقبال، باراول، جولائی ۱۹۸۸ء)

سلیم احمد، اقبال کا معجزۂ فن، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال
سلیم اختر، اقبال ممدوح عالم (لاہور: بزم اقبال، بار اول، ۱۹۷۸ء)
شاہد اقبال کامران، ڈاکٹر، اقبال دوستی (اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اول، اپریل ۲۰۰۹ء)
شبلی، علامہ نعمانی، سوانح مولانا رومی (لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن)
شفق، رضازادہ ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ایران (تہران، ایران: مطبوعہ ۱۳۶۹ ہجری شمسی)
شمیم حیات، اقبال بڑا اپدیشک (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۷ء)
شوکت سبزواری، ڈاکٹر سید، اقبال: آفاقی شاعر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال
صدیق جاوید، ڈاکٹر، اقبال پر تحقیقی مقالے (لاہور: بزم اقبال، بار اول، ۱۹۸۸ء)
ضیاء الدین احمد، پروفیسر، اقبال کا فن اور فلسفہ (لاہور: بزم اقبال، بار اول، دسمبر ۲۰۰۱ء)
طالب حسین سیال، دانشِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے چند پہلو (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، بار اول، ۲۰۰۶ء)
عابد حسین، ڈاکٹر، سیّد، مقالہ مشمولہ: ترجمانِ خودی (کراچی: مکتبہ تنویرات ادب بار دوم، ۱۹۵۶ء)
عبدالحکیم، ڈاکٹر خلیفہ،
فکرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، بار ہشتم، نومبر ۲۰۰۵ء)
رومی اور اقبال، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال (لاہور: اقبال اکادمی، بار دوم، ۲۰۰۷ء)
عبدالرب قریشی، علامہ اقبال کے ۱۰۱ شاہکار خطوط (لاہور: بیکن ہاؤس، ب۔ن، ۲۰۱۶ء)
عبدالرحمٰن طارق، شیخ، پیامِ اقبال (دہلی: ب۔ن، ۱۹۳۸ء)
عبدالرشید، میاں، سلیس اردو ترجمہ کلیات اقبال فارسی (جلد اول) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار اول، ۱۹۹۲ء)
عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبالِ کامل (انڈیا: دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء)
عبدالشکور احسن، ڈاکٹر، اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۱۹۷۷ء)
عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، سیّد، قصدیہ غوثیہ، مشمولہ: مخزن الاسرار، مرتبہ: فقیر نور محمد سرور قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ (کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان: عرفان پبلی کیشنز، بار دوم، ۱۹۹۳ء)
عبدالکریم عابد، اقبال اور جمہوریت، مشمولہ: اقبال ۸۵ء، مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، بار اول، ۱۹۸۹ء)
عبداللہ، ڈاکٹر سید،
اقبال کا سیاسی تفکر، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال
مسائل اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، بار دوم، جون ۸۷ء)
مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ (لاہور: بزمِ اقبال، بار دوم، نومبر ۱۹۹۹ء)
شیخ اکبر اور اقبال (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، بار اول، اپریل ۱۹۷۹ء)
عبدالمجید سالک، ذکرِ اقبال (لاہور: بزم اقبال، اشاعت دوم، ۱۹۸۳ء)
عبدالمغنی، ڈاکٹر، اقبال کا نظامِ فن (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم ۱۹۹۰ء)
عبدالواحد، سید، نعیم اللہ ملک، اقبال فکر اور فن (لاہور: ابوذر پبلی کیشنز، بار اول، نومبر ۲۰۰۸ء)
عشرت حسن انور، ڈاکٹر، اقبال کی مابعد الطبیعات، مترجم: ڈاکٹر شمس الدین صدیقی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم)
علی شریعتی، ڈاکٹر، علامہ اقبال فکر اسلامی کے عظیم معمار، ترجمہ: ڈاکٹر محمد ریاض (راولپنڈی: رایزنی فرہنگی جمہوریہ ایران، بار اول، ۱۹۸۲ء)

علی گیلانی، سید، اقبال روحِ دین کا شناسا (لاہور: منشورات، ملتان روڈ، باراول، نومبر ۲۰۰۹ء)
غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی وفکری ارتقا (لاہور: بزمِ اقبال، باراول، اکتوبر ۱۹۹۸ء)
غلام رسول مہر، مولانا، مطالب کلام اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، س ن)
غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر، اقبال اور قرآن (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع ہفتم، ۲۰۰۷ء)
فتح محمد ملک، پروفیسر،
اقبال فراموشی، مشمولہ: کھوئے ہوؤں کی جستجو (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، باراول، ۲۰۱۳ء)
اقبال کے سیاسی تصورات (لاہور: دوست پبلی کیشنز، باراول، ۲۰۱۳ء)
اقبال۔ فکر وعمل (لاہور: بزم اقبال، باراول، جون ۸۵ء)
اقبال سب کے لیے (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، باراول، ۱۹۷۸ء)
قاضی عبدالرحمٰن ہاشمی، شعریاتِ اقبال (لاہور: سفینۂ ادب، باراول، س ن)
قدوسی اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ب ن، س ن)
گوپی چند نارنگ، اقبال کا فن (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، باراول، ۲۰۱۰ء)
محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر، علامہ،
اقبال کی تقاریر، تحاریر، بیانات، مرتبہ: لطیف احمد شروانی (لاہور: اقبال اکادمی، ب ن، ۱۹۷۷ء)
اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں، مرتبہ: سید نذیر نیازی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار چہارم، ۲۰۰۷ء)
اقبال نامہ، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار نو، ۲۰۰۵ء)
انوار اقبال، مرتب: بشیر احمد ڈار (لاہور: اقبال اکادمی، باراول، ۱۹۷۷ء)
تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (اردو)، مترجم: سید نذیر نیازی (لاہور: بزم اقبال، ب ن، جنوری ۲۰۱۰ء)
حرفِ اقبال، مرتبہ ومترجمہ: لطیف احمد خان شروانی (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، باراول، 1984ء)
شذراتِ فکر اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجمہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، باردوم، مئی ۸۳ء)
کلیات مکاتیب اقبال (دہلی: اردو اکادمی دہلی، اشاعت چہارم ۱۹۹۳ء)
کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، مارچ ۱۹۸۲ء)
کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم، ۱۹۷۳ء)
گفتارِ اقبال، مرتب: محمد رفیق افضل (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، باراول، جنوری ۱۹۶۹ء)
مقالاتِ اقبال (لاہور: آئینہ ادب، باردوم، ۱۹۸۸ء)
مکاتیب اقبال بنام گرامی (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ب ن، ۱۹۴۹ء)
ملفوظاتِ اقبال، مرتبہ: ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، باراول، ۱۹۷۷ء)
'فلسفہ عجم'، مترجم: میر حسن الدین (کراچی: نفیس اکیڈمی، بار ششم، جنوری ۱۹۶۹ء)
محمد حسن عسکری، اقبال، جمہوریت اور ملوکیت، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال، مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکیڈمی، باردوم، ۲۰۰۷ء)
محمد حنیف ندوی، اساسیاتِ اسلام (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ب ن، ۱۹۷۳ء)
محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، حکمتِ اقبال میں تصور خودی کا مقام، مشمولہ اقبالیات کے سو سال، مرتبین: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ودیگراں (اسلام آباد:

اکادمی ادبیات ولاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، ۲۰۰۷ء)
محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، ب ن، س ن)
محمد طاہر فاروقی،
سیرت اقبال (لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۶۶ء)
اقبال اور محبتِ رسول ﷺ (لاہور: اقبال اکادمی، طبع ہفتم، ۲۰۰۸ء)
محمد عثمان، پروفیسر، اسرار ورموز پر ایک نظر (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۱۹۷۷ء)
محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ، پیر، ضیاء القرآن، جلد اول (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ب ن، س ن)
محمد منور، پروفیسر،
توازن: اقبال کی شاعری کا ایک پہلو، مشمولہ: اقبالیات کے سو سال
قرطاس اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۲۰۰۳ء)
محمد یونس حسرت، حکایاتِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم، ۲۰۰۹ء)
محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال: اور جہانِ امروز، مشمولہ: اقبال ۸۶ء، مرتبہ: ڈاکٹر وحید عشرت (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء)
محمود علی انجم، پروفیسر ڈاکٹر، عقائدِ شریعۃ (فیصل آباد: نورِ ذات پبلشرز، بار اول، نومبر ۱۹۹۷ء)
مرزا محمد مقصود الحسن، صلو علیه و سلمو تسلیما (لاہور: مصطفیٰ فاؤنڈیشن، ۱۹۹۹ء)
مولانا، جلال الدین محمد، مثنوی مولوی معنوی مترجم قاضی سجاد حسین (لاہور: الفیصل، اُردو بازار، جلد نمبر ۱،)
ندوی، سید ابوالحسن علی مولانا، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اوّل (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، ۱۹۸۷ء)
نکلسن، مثنوی معنوی، محقق عزیز اللہ کاسب (تہران، ایران: پبلشر نشر محمد، ۱۳۷۱ھ)
نورالدین، ابوسید، ڈاکٹر، اسلامی تصوف اور اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۱۹۷۷ء)
وارث سرہندی، مرتب علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتب خانہ، ب ن، ۱۹۹۶ء)
وحید الدین فقیر، سید، روزگار فقیر (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۷ء ج:۱)
وحید عشرت، ڈاکٹر، اقبال اور جمہوریت، مشمولہ: اقبال ۸۶ء (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار اول، ۱۹۹۰ء)
وحید قریشی، ڈاکٹر، اساسیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، بار دوم، ۲۰۰۳ء)
وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد، اقبال کی نظر میں (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع پنجم، ۲۰۰۸ء)
وقار عظیم، سیّد، اقبال شاعر اور فلسفی (لاہور: اقبال اکیڈمی، ب ن، س ن)
یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال (لاہور: القمر انٹر پرائزز، ب ن، مارچ ۲۰۱۰ء)
David. R, Long Man Dictionary of Contemporary English, (USA, New York: Long Man Corpus, new Edition, 1990), P.191
H.W. Fowler, F.G. Fowler, R.E. Allam, Editors. The Concise Oxford Dictionary of Current English (USA: Oxford University Press, Eighth Edition, 1990), P.60
Muhammad Iqbal , Dr, Allama, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, (Lahore: Institute of Islamic Culture, 7th Edition, 2009), P.140
Muhammad Iqbal, Discourses of Iqbal, compiled and edited by Shahid Husain Razzaqi (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Second Edition, 2003) P.99-100
Neufeldt, Victoria; Guralink, David B, Webster's New World College Dictionary (USA / New York: Macmillan, Inc Third Edition, 1947), P.492

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف کی تصانیف وتالیفات وتراجم

(غیر نصابی کتب بزبان اردو)

☆	پیامِ مشرق کی اردو شروح وتراجم کا تحقیقی جائزہ	تحقیقی مقالہ	تحقیق وتجزیہ	فیصل ناشران کتب، لاہور
☆	عقائد نظامیہ وعقائد شریعہ	اسلامی کتاب	تحقیق وترجمہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	فضائل درود شریف	اسلامی کتاب	تدوین وتالیف	نورِ ذات پبلشرز، فیصل آباد
☆	درگاہِ عشق	ملفوظات	تدوین	رحمٰن پبلشرز، فیصل آباد
☆	جوہر روح البیان	خلاصہ تفسیر روح البیان	تدوین وتصحیح	گوہر پبلشرز، فیصل آباد
☆	سچے موتی	ملفوظات ومکتوبات	تحقیق، تدوین وتصحیح	نورِ ذات پبلشرز، فیصل آباد
☆	انگریزی اردو ڈکشنری	لسانیات	تحقیق وتدوین	خالد بک ڈپو، لاہور
☆	نورِ عرفان (جلد اول)	تصوف	تحقیق وتجزیہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	نورِ عرفان (جلد دوم)	تصوف	تحقیق وتجزیہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	نورِ عرفان (جلد سوم)	تصوف	تحقیق وتجزیہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	اقبال کی انگریزی نثر میں قرآنی آیات کے تراجم	اقبالیات	تحقیق وتنقید	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	علم اور مذہبی تجربہ	اقبالیات	تحقیق وترجمہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	ریاضِ اقبال (مقالہ پی ایچ ڈی)	اقبالیات	تحقیق وتجزیہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	عقائد نظامیہ از فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	فارسی کتاب کا اردو ترجمہ	تحقیق وترجمہ	نورِ ذات پبلشرز، لاہور
☆	اُمت داحکیم (جلد اول)	اقبالیات (پنجابی زبان)	تحقیق وتالیف	نورِ ذات پبلشرز، لاہور

(English To Urdu Translations of English Novels and Books)

	Title	Class(es)	Publisher(s)
☆	The Old Man and the Sea (Novel)	B.A	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Good Bye Mr. Chips (Novel)	F.A	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Good Bye Mr. Chips (Novel)	F.A	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Textbook (Federal Board)	F.A	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Book2 (Notes)	2nd Year	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Book2 (Notes)	2nd Year	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Book1 (Notes)	1st Year	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Book1 (Notes)	1st Year	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Book3 (Notes)	1st Year	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Book3 (Notes)	1st Year	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Textbook (NWFP) (Notes)	10	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Textbook (NWFP) (Notes)	9	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Textbooks (Notes)	6,7,8,9,10	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Textbooks (Notes)	6,7,8,9,10	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Textbooks (Notes)	5,6,7,8	Ghzali Publishers, Lahore

(English Grammar, Translation & Composition Books)

	Title	Class(es)	Publisher(s)
☆	English Grammar	B.A	Khalid Book Depot, Lahore

	Title	Class(es)	Publisher(s)
☆	English Grammar	2nd Year	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Grammar	2nd Year	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Grammar	1st Year	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Grammar	1st Year	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Grammar Books	1 to 10	Hamdard Kutab, Lahore
☆	English Grammar Books	6,7,8,9,10	Khalid Book Depot, Lahore
☆	English Grammar Books	5,6,7,8	Ghazali Publishers, Lahore
☆	English Learner Grammar Books	5,6,7,8	Babar/Gohar Book Depot, Lhr.
☆	Easy Steps To Parts of Speech	Language	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Easy Steps To Active & Passive Voice	Language	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Easy Steps To Direct & Indirect Narration	Language	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Easy Steps To Translation	Language	Khalid Book Depot, Lahore

(Books on Computer Science Written in English)

	Title	Class(es)	Publisher(s)
☆	Computer Science (TextBooks)	1,2,3,4,5,6	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Computer Science (TextBooks)	7,8,9,10,11	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Computer Science (TextBooks)	12	Khalid Book Depot, Lahore
☆	Computer Science (Practical NoteBooks)	9,10,11,12	Khalid Book Depot, Lahore
☆	FORTRAN (Computer Language)	I.T.	Khalid Book Depot, Lahore
☆	C\C++ (Computer Language)	I.T.	Khalid Book Depot, Lahore
☆	BASIC (Computer Language)	I.T.	Khalid Book Depot, Lahore
☆	VISUAL BASIC (Computer Language)	I.T.	Khalid Book Depot, Lahore

(Books on Different Subjects Written in English)

	Title	Class(es)	Publisher(s)
☆	Imtihani Social Studies	6,7,8	Hamdard Kutab, Lahore
☆	Imtihani Science	6	Hamdard Kutab, Lahore
☆	Ghazali Guides	2,3,4,5,6	Ghazali Publishers, Lahore
☆	Ghazali Guides	7,8	Ghazali Publishers, Lahore

(نصابی کتب بزبانِ اردو شائع کردہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور)

☆	کمپیوٹر سائنس ٹیکسٹ بک برائے جماعت نہم	نصابی کتاب	تدوین وتصحیح	پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور
	کمپیوٹر سائنس ٹیکسٹ بک برائے جماعت دہم	نصابی کتاب	تدوین وتصحیح	پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

(اردو گرامر بکس شائع کردہ بابر بک ڈپو، لاہور)

☆	لرنر اردو گرامر	نصابی کتاب	ششم، ہفتم، ہشتم	بابر بک ڈپو، لاہور

مصنف کا تعارف

نام: محمود علی انجم
☆ رائٹر ایجوکیشنل اینڈ اسلامک بکس، مترجم، کنسلٹینٹ برائے سائیکولوجیکل اینڈ سپر چوئل پرابلمز
ولدیت: محمد یٰسین

تعلیم:

☆ پی ایچ ڈی (اقبالیات؛ ریسرچ سکالر)
☆ ایم فل (اقبالیات/اردو)
☆ ایم اے (انگلش، ایجوکیشن، اسلامیات)
☆ ایم سی ایس
☆ ایم ایس سی نفسیات
☆ پی جی ڈی آئی ٹی، پی جی ڈی ٹیفل

پرنسپل: چشتیہ کالج، فیصل آباد
صدر: ایجوکیٹرز اینڈ لرنرز آرگنائزیشن
چیئرمین: لرننگ اینڈ سکلز کونسل

تدریسی خدمات

تعلیم وتدریس طلبا وطالبات، میٹرک تا ایم اے، بی ایڈ، ایم ایڈ کلاسز، مضامین: اردو، انگریزی، اسلامیات، ایجوکیشن، نفسیات، کمپیوٹر سائنس، جنرل سائنس، سوشل سائنسز، اقبالیات اور تصوف

بدر کالج فیصل آباد (1985ء تا 1990ء)
ایم آئی ٹی (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از فیصل آباد تعلیمی بورڈ، سٹڈی سنٹر آف علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ 1999ء تا 2008ء)
رحمٰن کالج، فیصل آباد (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از فیصل آباد تعلیمی بورڈ، بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، لاہور؛ 2008ء تا 2012ء)

بطور پرنسپل خدمات

چشتیہ کالج فیصل آباد (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از سکل ڈویلپمنٹ کونسل، لاہور؛ لرننگ اینڈ سکلز کونسل، فیصل آباد) (1985ء تا 2016ء)

بحیثیت محقق، مصنف، مؤلف ومترجم خدمات

اردو، انگریزی، کمپیوٹر سائنس، اسلامیات، تصوف، اقبالیات، جنرل سائنس کے مضامین پر قریباً ایک سو کے قریب نصابی وغیر نصابی کتب تحریر کیں جو مندرجہ ذیل سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع ہو چکی ہیں۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور خالد بک ڈپو، لاہور فیصل ناشران کتب، لاہور ہمدرد کتب خانہ، لاہور
بابر بک ڈپو، لاہور غزالی پبلشرز، لاہور نورِ ذات پبلشرز، لاہور

Mobile: 0321-6672557 / 0323-6672557
Email: Anjum560@gmail.com
Website: www.lscedu.com
Facebook: https://www.facebook.com/mahmoodali.anjum.9
Whats App: 321-6672557

ریاضِ اقبال

پی ایچ ڈی کی سطح کا یہ تحقیقی مقالہ شاعرِ مشرق، حکیم الامت، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا روم، سید علی ہمدانی اور دیگر مشاہیرِ اسلام کے فکر، فن، فلسفہ اور اردو و فارسی زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر لکھی گئی 40 عدد کتب اور 400 مقالات و مضامین کے خلاصے، تعارف اور تحقیقی و تنقیدی جائزہ و تبصرہ پر مشتمل ہے۔

تصنیف و تالیف
ڈاکٹر محمود علی انجم (پی ایچ ڈی اقبالیات)
ریسرچ سکالر (اقبالیات، اردو، تصوف، نفسیات و روحی علوم)

نورِ عرفان

(جلد اول ودوم)

اگر آپ کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔اپنے تمام مسائل ومشکلات کا حل جاننا چاہتے ہیں۔مصیبتوں بھری زندگی کو پُرسکون، قابلِ رشک زندگی میں بدلنا چاہتے ہیں۔اپنے ذہنی،نفسیاتی،روحانی وجسمانی امراض کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ ناقابلِ علاج امراض سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ بحیثیت وکیل، سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر، سیاستدان، کاروباری انسان اور کارکن کے اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دینا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ضرور پڑھیں۔ یہ کتاب کامیاب، خوشحال زندگی بسر کرنے کے زرّیں اصولوں اور ضابطۂ حیات کی ترجمان ہے۔اس کتاب میں روحانی سائنس اور دیگر روحانی، روحی، نفسیاتی و مابعدالنفسیاتی علوم کا سائنسی طرزِ فکر کے مطابق مشاہداتی و تجرباتی اور تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب راہِ حق کے متلاشی ہر معلم (Teacher)، متعلم (Student)، معالج (Hakeem/Doctor)، ماہرِ نفسیات (Psychologist)، ماہر مابعد النفسیات (Parasychologist)، ماہرِ علمِ تنویم (Hypnotist) اور ماہرِ علمِ روحانی (Spiritualist) کی بنیادی ضرورت ہے۔دنیا میں سب سے مشکل یہ سیکھنا ہے کہ کیسے زندہ رہا جائے اور کس مقصد کے لیے اپنی جان دی جائے۔ اصل مقصد زندہ رہنا نہیں بلکہ کامیاب زندگی گزارنا اور صحیح راہ پر چلتے ہوئے جان قربان کرنا ہے۔ یہ کتاب تنظیم وتعمیرِ شخصیت کے جامع نصاب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آپ کو زندہ رہنے، کامیاب زندگی گزارنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کا گر سکھائے گی۔

تصنیف وتالیف

ڈاکٹر محمود علی انجم (پی ایچ ڈی اقبالیات)

ریسرچ سکالر (اقبالیات، اردو، تصوف، نفسیات وروحی علوم)

نورِ عرفان

(جلد اول، جلد دوم، جلد سوم)

(تعارف وتبصرہ)

پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال (پی ایچ ڈی اقبالیات)

علامہ اقبال کے بارے میں کبھی ان کے استاد ڈاکٹر آرنلڈ نے کہا تھا کہ اقبال جیسے شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتے ہیں۔ محمود علی انجم میرا عزیز ترین شاگرد ہے اور اس کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ کچھ پوچھنے کے لیے مجھے فون کرتا ہے مگر میں اس سے بہت کچھ سیکھ جاتا ہوں۔ وہ کوئی الجھا ہوا علمی مسئلہ سلجھانے کے لیے فون کرتا ہے اور میرے بہت سے الجھے ہوئے علمی مسئلے سلجھ جاتے ہیں۔ ہم ہوئے تصوف پڑھنے پڑھانے والے جبکہ محمود علی انجم کا معاملہ اور ہے۔ وہ تصوف کے میدان کا عملی شاہ سوار ہے۔ وہ جو کہا گیا ہے کہ تصوف پڑھنے کی نہیں کرنے کی چیز ہے۔ لہٰذا محمود علی انجم نے پہلے تصوف کو عملی طور پر اختیار کیا۔ اس نورانی راستے پر چلتے ہوئے کئی اولیاء اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ پہلے اس کے پیچ وخم اور اسرار ورموز کو سمجھا اور جب عشق کی بھٹی میں تپ کر کندن بن گیا تو پھر اسے سمجھانے اور پڑھانے کی طرف راغب ہوا۔ اسی بنا پر اس کی بات اور تحریر میں ایک لوچ ہے۔ ایک تاثیر ہے، ایک وقار ہے اور ایک اعتماد ہے۔ وہ جو بات لکھتا ہے پورے اعتماد اور مستند حوالے سے لکھتا ہے کیوں کہ اس نے محض تصوف کو پڑھا ہی نہیں بلکہ اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نورِ عرفان کی جلد اول اور دوم نے اہلِ علم وفضل کو چونکا دیا۔ انہوں نے کھلے بازوؤں سے اس کا سواگت کیا اور کھلے دل سے اقرار کیا کہ ایک طویل عرصے کے بعد علمِ تصوف تازہ ہوا کے جھونکے سے شاد کام ہوا ہے۔ اہلِ علم کے اس سواگت اور اقرار کا میں عینی اور سمعی شاہد ہوں۔

محمود علی انجم نے قبل ازیں اپنی لکھی ہوئی کتابوں ''نورِ عرفان (جلد اول)'' اور ''نورِ عرفان (جلد دوم)'' میں آسان، دلچسپ اور مدلل انداز سے تصوف کی مستند کتب اور اپنے ذاتی، روحانی مشاہدات وتجربات کی روشنی میں اسلامی تصوف کا دیگر روحانی علوم سے تقابل وموازنہ پیش کیا، دیگر روحی علوم مثلاً ہپناٹزم، مسمریزم، ٹیلی پیتھی اور سائنٹالوجی وغیرہ میں حدِ فاصل قائم کی اور حقیقتِ مطلقہ تک رسائی پانے کے لیے راہِ سلوک کے پیچ وخم سے آگاہ کیا ہے۔ مراقبات، روحانی کیفیات، روحانی مشاہدات وتجربات، ذکر وفکر، درود شریف، استغفار کی قدر وقیمت اور انفرادی وملی سطح پر ان اعمال و اشغال کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ دورِ جدید کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اسلامی تصوف، نفسیات، مابعد النفسیات اور روحی علوم سے زیادہ بہتر اور جامع بلکہ جامع ترین سائنسی علم ہے۔

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام کتب میں عملی سلوک بیان کیا ہے۔ آپ نے اسم اللہ ذات کو کشف ووجدان اور عرفانِ ذات کی کنجی فرمایا ہے۔ آپ نے اپنی کتب میں تصورِ اسم اللہ ذات کا باقاعدہ علم مدون فرمایا اور طالبانِ مولیٰ کو عطا فرمایا ہے۔ آپ نے تصورِ اسم اللہ ذات کو علمِ اکسیر اور تصورِ توفیق کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔ آپ تصورِ اسم اللہ ذات کو تمام باطنی علوم کا معدن ومخزن قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ تصورِ اسم اللہ ذات سے باطن میں دو اعلیٰ ترین مقامات یعنی دیدارِ حق تعالیٰ اور مجلس محمدی ﷺ کی حضوری حاصل ہوتی ہے جو کسی بھی دوسرے ذکر وفکر سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ باطن میں ان سے اعلیٰ اور کوئی مقامات نہیں ہیں۔ حضرت فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں ''عرفان (جلد اول)'' اور ''عرفان (جلد دوم)'' میں نہایت خوبصورت اور مدلل انداز سے سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ تصورِ اسم اللہ ذات اور علم دعوت القبور کی تشریح وتوضیح کی ہے۔ ''نورِ عرفان (جلد اول)''، ''نورِ عرفان (جلد دوم)'' اور ''نورِ عرفان جلد سوم'' جدید انداز میں ان کی توسیع ہیں۔

اسی طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقتِ مطلقہ تک رسائی کے لیے جس وارداتِ روحانی کو واحد ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا تھا مگر اس کی عملی صورت اور حصول کے طریقے بیان نہ کر سکے تھے، ان کتابوں میں اس کی عملی صورت اور اور حصول کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتابیں، ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' کا تکملہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر انسان سلامتی وامن سے سفرِ حیات طے کرتے ہوئے فوز وفلاح دائمی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق ذکر وفکر کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت اور مدد طلب کرنا ہوگی۔ درود وسلام، استغفار اور صدقاتِ حسنہ کے حصنِ حصین میں پناہ لینا ہوگی۔ اسوۂ حسنہ کی پیروی میں استعاذہ طلب کرنا ہوگا۔ ''نورِ عرفان جلد سوم'' اسی مقصد کے پیشِ نظر لکھی گئی منفرد تحقیقی کتاب ہے۔ اس میں مصنف ومرتب نے اپنے برسوں کے ذاتی مشاہدات وتجربات کی روشنی میں، اسلامی نقطہ نگاہ سے سحر وآسیب، نظرِ بد ودیگر شرورِ کائنات کا فلسفہ اور روحانی علاج کا طریقہ بیان کیا ہے جس کی مدد سے ہر کوئی آسانی سے اپنا اور اپنے احباب کا روحانی علاج کر سکتا ہے۔ اس میں احادیثِ مبارکہ اور بزرگوں کے معمولات پر مشتمل مختصر اور جامع روحانی اعمال، وظائف اور ادعیہ کی تعلیم اور اجازت دی گئی ہے۔

''نورِ عرفان (جلد سوم)'' کی ایک اور انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف ومرتب نے ''حزب النبی ﷺ''، ''حزب الکامل''، ''حزب الشفائے کامل''، ''حزب الحب والتسخیر'' اور ''حزب الاعظم'' کی صورت میں اپنی مرتبہ منازلِ روحانی دی ہیں جو اس صورت میں آپ کو کسی اور کتاب میں نہیں ملیں گی۔ اس کتاب میں اولیاء اللہ کے مقبول اوراد ووظائف، دلائل الخیرات، اوائل الخیرات، مسبعاتِ عشر، حزب البحر، اورادِ فتحیہ اور قصیدہ غوثیہ کے فضائل اور ان کی افادیت بھی بیان کی گئی ہے۔ اس میں تمام سلاسلِ روحانی کے مستند ومجرب اوراد ووظائف کے علاوہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے منقول سروری قادری سلسلے کے تمام وظائف بھی یکجا کر دیے گئے ہیں اور مشق تصورِ اسم ذات، مشق تصورِ اسم محمد ﷺ اور سورۂ مزمل سے استفادہ کرنے کے طریقے درج کر دیے گئے ہیں۔ کتاب میں بیان کردہ تمام روحانی اعمال اور وظائف اساتذہ اور مشائخ کے صدیوں کے آزمودہ اور مجرب ہیں۔ انھیں حرزِ جان بنا کر مختصر سی حیات میں نہ ختم ہونے والا اجر وثواب اور بے شمار فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب راہِ حق کے متلاشی طالبوں کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔

نورِ عرفان کی تینوں جلدیں تصوف کے مستند نصاب پر مشتمل ہیں۔ ان کی افادیت، ضرورت اور اہمیت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ خانقاہوں، مدارس اور جامعات میں انھیں اسلامیات اور تصوف کی نصابی کتب میں شامل کر کے عصرِ حاضر میں تصوف، نفسیات اور روحانی علاج کی مستند ومعیاری تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے۔ تینوں جلدوں کی ابواب بندی سے ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال (پی ایچ ڈی اقبالیات)

نورِ عرفان (جلد۔1)

نمبر شمار	عنوانات	صفحات نمبر ز
01۔	کامیاب زندگی کا تصور	055 تا 061
02۔	روحانیت وروحیت	062 تا 087
03۔	روحی علوم (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)	088 تا 146
04۔	راہِ سلوک	147 تا 223
05۔	روحانی دنیا (افکار، اصول وضوابط)	224 تا 292
	روحانی دنیا (مراقبات، روحانی کیفیات، روحانی مشاہدات وتجربات)	293 تا 377

نورِ عرفان (جلد۔2)

نمبر شمار	عنوانات	صفحات نمبر ز
01۔	فضائل ذکر وفکر (ذکر وفکر کی قدر و قیمت اور ضرورت واہمیت)	378 تا 424
02۔	فضائل درود شریف	425 تا 485
03۔	فضائلِ اخلاق اور فضائل اعمال وصدقات	486 تا 503
04۔	روحانی شخصیات	504 تا 573
05۔	عصرِ حاضر میں علمِ تصوف اور صوفیانہ ادب (حفاظت، تطہیر اور ترویج کے تقاضے)	574 تا 594
☆	مآخذ ومراجع	595 تا 622

نورِ عرفان (جلد۔3)

نمبر شمار	عنوانات	صفحات نمبر ز
01۔	کامیاب زندگی کا تصور	027 تا 078
02۔	روحانی علاج	079 تا 295
03۔	منازلِ روحانی (حزب الکامل، حزب الاعظم، حزب الحب والتسخیر، حزب الشفائے کامل، حزب البحر)	296 تا 446
☆	حوالہ جات وحواشی	447 تا 472

بزمِ فکرِ اقبال

بزمِ فکرِ اقبال (پاکستان) معروف علمی و ادبی تنظیم ہے۔ معروف اقبال شناس، دانشور اور ماہرِ تعلیم پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال اس کے بانی اور صدر ہیں۔ اس کا صدر دفتر راولپنڈی میں ہے جبکہ پاکستان اور آزاد کشمیر کے مختلف شہروں میں اس کی ذیلی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ تنظیم قومی و بین الاقوامی سطح پر فکرِ اقبال کی تفہیم و ترویج کے لیے نہایت اعلیٰ اور گراں قدر علمی و ادبی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ 'دارالمصنفین' بزمِ فکرِ اقبال کا تحقیقی ادارہ ہے جہاں ریسرچ سکالرز صدرِ تنظیم کی رہنمائی میں معیاری ادب کی تخلیق کا فریضہ سرنجام دے رہے ہیں۔ 'نورِ ذات پبلشرز' تنظیم کا اشاعتی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ اسلامیات، اقبالیات، تصوف، نفسیات، مابعد النفسیات، مابعد الطبیعات، اردو، فارسی اور انگریزی زبان و ادب پر مشتمل کتب شائع کرتا ہے جو کہ منتخبہ لائبریریوں، اداروں، اساتذہ، طلبہ، ریسرچ سکالرز اور شائقین کو مفت مہیا کی جاتی ہیں۔ تنظیم کے عہدیداران یہ تمام خدمات ذاتی وسائل برائے کار لاتے ہوئے سرنجام دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں تنظیم کو کسی سرکاری و غیر سرکاری ادارے، کسی اور فلاحی ادارے اور افراد کی طرف سے مدد و تعاون حاصل نہیں ہے۔ محدود وسائل کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ قارئین کی بہت بڑی تعداد کو یہ مطبوعات بلا قیمت مہیا کی جائیں، تاہم، مفادِ عامہ کے پیشِ نظر ادارے کی تمام مطبوعات 50% رعایتی قیمت پر درج ذیل سیل پوائنٹس سے حاصل کی جا سکتی ہیں:

ورلڈ ویو پبلشرز، دکان نمبر 11، الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0333-3585426 لینڈ لائن: 042-37236426

ای میل:۔ worldviewforum786@gmail.com

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التجائے مصنف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرٰتِ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَافِعُ الدَّرَجَاتِ وَیَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَیَا کَافِیَ الْمُھِمَّاتِ وَیَادَافِعَ الْبَلِیَّاتِ وَیَا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ یَآ اِلٰھِیْ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط○

الٰہ العٰلمین! اس کتاب ''افکار وتصوراتِ حکیم الامت'' (جلد اول) کو مبارک بنادیں، ہمارے دلوں کو قرآن مجید کی ہدایات سے معمور فرمادیں اور ہماری روحوں کو احادیث مبارکہ کے انوار سے منور فرمادیں اور ہمارے بدن اور ہمارے تمام اعضاء کو قرآن اور سنت کے تابع فرمادیں۔ رب العٰلمین! اس کتاب کو مقبولیت عامہ عطا فرمائیں اور تا قیامت اس کے فیض کے چشموں کو جاری فرمائیں اور اس کے مندرجات پر مجھ سمیت سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کتاب کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا موجب بنائیں۔ اس کو بندہ عاجز کے پیر ومرشد، والدین، تمام مشائخ، اساتذہ کے لیے، بندہ عاجز کے اہل وعیال، اعزہ واقربا، بہن بھائیوں، تمام رشتہ داروں کے لیے، ان تمام اہلِ ایمان، اہلِ علم، اصحاب کے لیے جن کی تخلیقات وتصانیف سے بندہ عاجز نے استفادہ کیا ہے، ایسے تمام اپنے پرائے جن کے حقوق کی ادائیگی میں بندہ عاجز سے جانے انجانے، ارادی وغیر ارادی طور پر کسی طرح کی بھی حق تلفی ہوئی ہے، بندہ عاجز سے بلاواسطہ وبالواسطہ روحانی، علمی ونسبی تعلق رکھنے والے تمام محسنین ومحسنات، مومنین ومومنات اور مسلمین ومسلمات کے لیے تا ابدالآباد صدقہ جاریہ کردیں۔ مجھے، میرے والدین کو، میرے اقرباء کو، میرے اساتذہ اور تلامذہ کو، میرے احباب اور معاونین کو، کتاب ''افکار و تصوراتِ حکیم الامت (جلد اول)'' کے ناشر، پرنٹر، کمپوزر اور ڈیزائنر کو اور جملہ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب، آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر، ہر سعادت اور ہر کامرانی عطا فرمائیں۔ آمین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین الطاھرین و اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امھات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والمجتھدین الراسخین اجمعین الی یوم الدین۔

ڈاکٹر محمود علی انجم

علامہ اقبالؒ مولانا رومیؒ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے۔انہوں نے مولانا رومیؒ کی مثنوی معنوی کا زندگی بھر مطالعہ جاری رکھا۔مولانا نے مثنوی میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق سوچ اور عمل درست کرنے کی تعلیم دی۔انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق کو مضبوط کرنے کی راہ دکھائی۔علامہ اقبالؒ نے ان کی سوچ کو اپنایا اور اُن کے طریقے کے مطابق ہی قرآن حکیم کی تعلیمات سے اپنی شاعری کو مزین کیا۔انہیں مولانا رومیؒ کی تعلیمات سے اس قدر فائدہ ہوا کہ انہوں نے مولانا رومیؒ کو اپنا مرشدِ معنوی تسلیم کرلیا۔مرشدِ رومیؒ کے فیضان کی بدولت ان کی صلاحیتوں کو معراج حاصل ہوگیا۔انہوں نے قرآن حکیم، عشقِ نبوی ﷺ اور مرشدِ رومیؒ کی بدولت حاصل ہونے والی اسی بصیرت کی مدد سے امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب کی نشاندہی کی اور ان خرابیوں کو دور کرنے کا حل تجویز کیا۔اسی وجہ سے انہیں ''حکیم الامت'' کا خطاب دیا گیا۔

آپ کے پیشِ نظر یہ کتاب حکیم الامتؒ کی سوانح عمری، افکار و تصورات، نظریات اور تعلیمات پر مبنی ہے۔راقم الحروف نے اصولِ تحقیق پیشِ نظر رکھتے ہوئے سند اور حوالہ جات کے ساتھ یہ کتاب لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ کتاب اردو زبان و ادب میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگی۔

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

اللہ تعالیٰ کے مقامِ کبریا کے زیر ایسے مردانِ کامل ہیں جو فرشتوں کو اپنے جال میں جکڑ لیتے ہیں، پیمبر ان کا شکار ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ تک انہیں رسائی حاصل ہے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

میرے جنون کے بیابان میں جبریل تو ایک ادنیٰ سا شکار ہے۔اے ہمتِ مردانہ خدا پر کمند ڈال۔

نورِ ذات پبلشرز، لاہور
(شعبہ نشر و اشاعت: بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل)